تالیف

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ

نظر ثانی

مفتی ابولبابہ شاہ منصور

علماء اور عوام کے لیے یکساں مفید

تسہیلِ

بہشتی زیور

جلد ثانی

معاملات – عقوبات

تالیف

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ

تسہیل اساتذۂ جامعۃ الرشید

نظرِ ثانی حضرت مفتی ابولبابہ صاحب زید مجدہم

کتاب گھر
ناظم آباد نمبر ۴ – کراچی

نام کتاب	:	تسہیلِ بہشتی زیور
تالیف	:	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ
تسہیل	:	اساتذۂ جامعۃ الرشید
نظرِ ثانی	:	حضرت مفتی ابولبابہ صاحب زید مجدہم
کمپوزنگ اور ڈیزائننگ	:	حامد علی کھوکھر
سنِ طبع	:	۱۴۲۷ھ
ناشر	:	کتاب گھر، ناظم آباد نمبر ۴ ۔ کراچی

ناظم آباد نمبر ۴ ۔ کراچی

0314-2139797

فہرستِ عنوانات

کتاب النکاح

نکاح کی فضیلت:

☆ حدیث شریف میں ہے: ''دنیا ایک استعمال کی چیز ہے اور دنیا کی چیزوں میں سب سے اچھی چیز نیک عورت ہے۔''
یعنی دنیا میں اگر نیک عورت میسر آ جائے تو بہت بڑی غنیمت اور حق تعالیٰ شانہٗ کی رحمت ہے کہ خاوند کی راحت اور اس کی دین و دنیا میں کامیابی کا سبب ہے، ایسی عورت سے دنیا میں بھی راحت میسر ہوتی ہے اور آخرت کے کاموں میں بھی مدد ملتی ہے۔

☆ حدیث شریف میں ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نکاح میرا طریقہ اور میری سنت (مؤکدہ) ہے۔'' ایک اور روایت میں ہے: ''جو میری سنت پر عمل نہ کرے وہ مجھ سے نہیں۔''

☆ حدیث شریف میں ہے: ''نکاح کرو، اس لیے کہ میں (قیامت میں) تمہاری وجہ سے دیگر امتوں پر فخر کروں گا۔''
یعنی رسول اللہ ﷺ کو یہ بات بہت پسند ہے کہ آپ کی امت کثرت سے ہو اور دوسری امتوں سے زیادہ ہو، تاکہ ان کے اعمال زیادہ ہونے کی وجہ سے آپ کو بھی زیادہ سے زیادہ ثواب اور قربِ الٰہی نصیب ہو، اس لیے کہ آپ کی امت میں جو کوئی جو کچھ بھی عمل کرتا ہے وہ آپ ہی کی تعلیم کی بنا پر کرتا ہے، پس عمل کرنے والے جتنے زیادہ ہوں گے، آپ کو اتنا زیادہ ثواب ہوگا۔

☆ حدیث شریف میں ہے: ''قیامت کے دن کل ایک سو بیس صفیں ہوں گی جن میں چالیس صفیں دوسری امتوں کی ہوں گی اور اسّی صفیں رسول اللہ ﷺ کی امت کی ہوں گی۔''

☆ حدیث شریف میں ہے: ''جس شخص کی استطاعت ہو (یعنی عورت کے حقوق ادا کر سکے) تو اسے چاہیے کہ نکاح کرے اور جس کے پاس اتنی استطاعت نہ ہو کہ عورت کے حقوق ادا کر سکے تو اس کو چاہیے کہ روزہ رکھے، بیشک روزہ اس کی شہوت کو توڑ دے گا۔''

نکاح کا حکم:

اگر مرد کو عورت کی خواہش بہت زیادہ نہ ہو بلکہ معتدل اور درمیانی درجہ کی ہو اور عورت کے ضروری اخراجات برداشت

کرسکتا ہو تو ایسے شخص کے لیے نکاح سنتِ مؤکدہ ہے اور جس کو بہت زیادہ خواہش ہو تو ایسے شخص کے لیے نکاح واجب اور ضروری ہے، اس لیے کہ ایسی صورت میں خطرہ ہے کہ زِنا میں مبتلا ہو جائے گا اور اگر شہوت کے سخت تقاضے کے باوجود اتنی استطاعت نہیں کہ عورت کے ضروری حقوق ادا کر سکے تو یہ شخص کثرت سے روزے رکھے، پھر جب اتنی گنجائش ہو جائے کہ عورت کے حقوق ادا کر سکے تب نکاح کرے۔

اولاد کے فائدے:

☆ حدیث شریف میں ہے: ''اولاد جنت کا پھول ہے۔''

مطلب یہ ہے کہ جنت کے پھولوں سے جس طرح سرور اور راحت حاصل ہو گی ویسی ہی راحت اور سرور اولاد کو دیکھ کر حاصل ہوتا ہے اور اولاد نکاح کے ذریعہ سے میسر آتی ہے۔

☆ حدیث شریف میں ہے: ''آدمی کا درجہ جنت میں بلند کیا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ یہ رتبہ مجھے کیسے ملا؟ میں نے تو ایسا کوئی عمل نہیں کیا جس کا یہ ثواب ہو؟ اس پر اس آدمی سے کہا جاتا ہے کہ تیری اولاد نے تیرے لیے استغفار کیا، جس کی وجہ سے تجھے یہ مرتبہ حاصل ہوا۔''

☆ حدیث شریف میں ہے: ''جو حمل گر جاتا ہے (یعنی جو بچہ ناتمام پیدا ہوتا ہے) اگر اس کے ماں باپ جہنم میں داخل ہوں گے تو وہ اللہ تعالیٰ سے جھگڑے گا (یعنی اللہ تعالیٰ سے سفارش کرے گا کہ میرے والدین کو دوزخ سے نکال دیجیے) اس سے کہا جائے گا: ''اے اپنے رب سے جھگڑنے والے ناتمام بچے! اپنے والدین کو جنت میں داخل کر دے۔'' اس پر بچہ ان دونوں کو اپنے نال سے کھینچ لے گا، یہاں تک کہ ان دونوں کو جنت میں داخل کر دے گا۔''

نکاح کی برکتیں:

☆ حدیث شریف میں ہے: ''بے شک جس وقت شوہر اپنی بیوی کی طرف دیکھتا ہے اور بیوی شوہر کی طرف دیکھتی ہے تو اللہ تعالیٰ دونوں کی طرف رحمت کی نظر سے دیکھتا ہے۔''

☆ حدیث شریف میں ہے: ''اس شخص کی مدد کرنا اللہ تعالیٰ پر حق ہے (یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اپنے ذمہ یہ بات مقرر فرمائی ہے) جو اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے بچنے کے لیے نکاح کرنا چاہے۔''

یعنی جو زِنا سے محفوظ رہنے کے لیے شادی کرے اور نیت اللہ تعالیٰ کے حکم کی فرمانبرداری کی ہو تو نکاح کے اخراجات

وغیرہ میں اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرمائیں گے۔

☆ حدیث شریف میں ہے: ''عیالدار شخص کی دو رکعت نماز غیر شادی شدہ شخص کی بیاسی رکعتوں سے بہتر ہیں۔'' دوسری حدیث میں بیاسی کے بجائے ستر کا عدد آیا ہے، مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ ستر اس شخص کے حق میں ہے جو اہل و عیال کا ضروری حق ادا کرے اور بیاسی اس کے حق میں ہیں جو ضروری حقوق سے زیادہ ان کی خدمت کرے۔

گھر کے اخراجات کی ذمہ داری:

☆ حدیث شریف میں ہے: ''بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک آدمی کا سب سے بڑا گناہ ان لوگوں (کے حقوق) ضائع کرنا ہے جن کا خرچ اس کے ذمہ ہے۔''

بیوی سے بے جا لاڈ نہ کرے:

☆ حدیث شریف میں ہے: ''میں نے اپنے پیچھے مردوں کے لیے کوئی فتنہ ایسا نہیں چھوڑا جو عورتوں سے زیادہ نقصان پہنچانے والا ہو۔''

یعنی مردوں کے حق میں عورت کے فتنہ سے بڑھ کر کوئی فتنہ نقصان پہنچانے والا نہیں، اس لیے کہ مرد ان کی محبت میں حد سے بڑھ جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے حکم کی پروا بھی نہیں کرتے، لہٰذا عورتوں سے ایسی محبت نہیں کرنی چاہیے جس کے نتیجے میں شریعت کے خلاف کام کرنے پڑیں۔

کیسی عورت کا انتخاب کیا جائے؟

☆ حدیث شریف میں ہے: ''عورت سے یا تو اس کے دین کی وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے یا اس کے مال کی وجہ سے اور یا اس کے حسن کی وجہ سے، لہٰذا تم دین والی کو حاصل کرو، تیرے ہاتھ خاک میں ملیں۔'' [یہ آخری جملہ ایک عربی محاورہ ہے، جو مختلف مواقع پر استعمال ہوتا ہے، یہاں پر اس سے دیندار عورت کے ساتھ نکاح کی ترغیب مراد ہے]

☆ حدیث شریف میں ہے: ''سب سے بہتر بیوی وہ ہے جس کا مہر بہت آسان ہو۔'' (یعنی مرد آسانی سے اس کو ادا کرسکے)

☆ حدیث شریف میں ہے: ''اپنے نطفوں کے لیے عمدہ جگہ پسند کرو، اس لیے کہ عورتیں اپنے بھائیوں اور بہنوں کی مانند بچے جنتی ہیں۔''

یعنی شریف خاندان کی عورت سے نکاح کرو، اس لیے کہ اولاد میں ننھیال کی مشابہت ہوتی ہے، اگرچہ باپ کا اثر بھی ہوتا ہے، مگر اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ماں کا اثر زیادہ ہوتا ہے، تو اگر ماں ایسے لوگوں میں سے ہوگی جو بد اخلاق ہیں، دیندار اور شریف نہیں تو اولاد بھی ان ہی لوگوں کی طرح ہوگی اور اگر عورت اچھے خاندان کی ہے تو اولاد اچھی اور دیندار ہوگی۔

سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟

حدیث شریف میں ہے: ''عورت پر لوگوں میں سے سب سے زیادہ حق خاوند کا ہے اور مرد پر سب سے زیادہ حق اس کی ماں کا ہے۔'' یعنی اللہ ورسول اللہ ﷺ کے حقوق کے بعد عورت کے ذمہ سب سے بڑا حق خاوند کا ہے، حتیٰ کہ اس کے ماں باپ سے بھی خاوند کا حق زیادہ ہے، اور مرد کے ذمہ سب سے زیادہ حق اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے حق کے بعد ماں کا حق ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مرد کے ذمہ ماں کا حق باپ سے بڑھ کر ہے۔

اولاد کو شیطانی اثرات سے محفوظ رکھنے کا طریقہ:

حدیث شریف میں ہے: ''جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی سے ہمبستری کا ارادہ کرے تو یہ دعا پڑھے:

''بِسْمِ اللّٰهِ ! اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ ، وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا.''

تو اگر اس ملاپ سے ان کی تقدیر میں کوئی بچہ لکھا ہوگا تو شیطان اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

ولیمہ کیسا ہونا چاہیے؟

حدیث شریف میں ہے: ''رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: '' أولم ولو بشاة.'' یعنی ولیمہ کرو، اگرچہ ایک ہی بکری ہو۔

مطلب یہ ہے کہ اگرچہ تھوڑی سی چیز کا ہو مگر کرنا چاہیے، بہتر یہ ہے کہ عورت سے ہمبستری کرنے کے بعد ولیمہ کیا جائے اگرچہ بہت سے علماء نے صرف نکاح کے بعد بھی جائز فرمایا ہے۔ ولیمہ مستحب ہے۔

نکاح اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ دین اور دنیا دونوں کے کام اس سے درست ہو جاتے ہیں اور اس میں بہت فائدے اور کئی مصلحتیں ہیں۔ آدمی گناہ سے بچتا ہے، دل ٹھکانے ہو جاتا ہے، نیت خراب نہیں ہونے پاتی، اور بڑی بات یہ ہے کہ فائدہ کا فائدہ اور ثواب کا ثواب، کیونکہ میاں بیوی کا ایک دوسرے کے پاس بیٹھ کر پیار و محبت کی باتیں کرنا، ہنسی دل لگی کرنا نفل نمازوں سے بھی بہتر ہے۔

شوہر کے حقوق:

اللہ تعالیٰ نے شوہر کا بڑا حق بتایا ہے اور شوہر کو بہت عظمت دی ہے۔ شوہر کو راضی اور خوش رکھنا عبادت ہے اور اس کو پریشان اور ناراض کرنا بہت گناہ ہے۔

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو عورت پانچوں وقت کی نماز پڑھتی رہے اور رمضان کے مہینے کے روزے رکھے اور اپنی عزت کی حفاظت کرے (یعنی پاکدامن رہے) اور اپنے شوہر کی تابعداری اور فرمانبرداری کرتی رہے تو (قیامت کے دن) اس کو اختیار ہوگا جس دروازے سے چاہے جنت میں چلی جائے۔''

● ...... رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس عورت کی موت ایسی حالت میں آئے کہ اسکا شوہر اس سے راضی ہو تو وہ جنتی ہے۔''

● ...... رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو ضرور حکم دیتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کیا کرے (پھر بطورِ مبالغہ اور اہمیت سمجھانے کے لیے فرمایا) اگر مرد اپنی عورت کو حکم دے کہ اس پہاڑ کے پتھر اٹھا کر اس پہاڑ تک لے جا اور اس پہاڑ کے پتھر اٹھا کر تیسرے پہاڑ تک لے جا تو اس کو یہی کرنا چاہیے۔''

● ...... رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب کوئی مرد اپنی بیوی کو اپنے مطلب کے لیے بلائے تو ضرور اس کے پاس آئے، اگرچہ چولھے پر بیٹھی ہو تب بھی چلی آئے۔''

● ...... رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب کسی شوہر نے اپنی بیوی کو اپنے پاس لیٹنے کے لیے بلایا اور وہ نہ آئی، پھر وہ اسی طرح غصہ میں لیٹا رہا تو صبح تک سارے فرشتے اس عورت پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔''

● ...... رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دنیا میں جب کوئی عورت اپنے شوہر کو ستاتی ہے تو جو حور جنت میں اس کی بیوی بنے گی، وہ یوں کہتی ہے: ''اللہ تعالیٰ تیرا ناس کرے، تو اس کو مت ستا، یہ تو تیرے پاس مہمان ہے، تھوڑے ہی دنوں میں تجھ کو چھوڑ کر ہمارے پاس چلا آئے گا۔''

● ...... رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تین طرح کے آدمی ایسے ہیں کہ جن کی نہ تو نماز قبول ہوتی ہے، نہ کوئی اور نیکی قبول ہوتی ہے: ایک تو وہ لونڈی، غلام جو اپنے مالک سے بھاگ جائے۔ دوسرے وہ عورت جس کا شوہر اس سے ناخوش ہو۔ تیسرے وہ شخص جو نشے میں مست ہو۔''

● ...... کسی نے آپ ﷺ سے پوچھا: ''یا رسول اللہ! سب سے اچھی عورت کون سی ہے؟'' تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''وہ عورت جس کا شوہر اس کی طرف دیکھے تو وہ اس کو خوش کر دے، اور جب کچھ کہے تو کہا مانے اور اپنی جان و مال میں کوئی ایسی بات نہ کرے جو اس کو ناگوار ہو۔''

شوہر کا ایک حق یہ ہے کہ بیوی اس کے گھر میں ہوتے ہوئے اس کی اجازت کے بغیر نفل روزے نہ رکھا کرے اور اس کی اجازت کے بغیر نفل نماز نہ پڑھے۔ ایک حق اس کا یہ ہے کہ اپنی صورت بگاڑ کر اور میلی کچیلی نہ رہا کرے، بلکہ مناسب بناؤ سنگار سے رہا کرے۔ یہاں تک کہ اگر مرد کے کہنے پر بھی عورت سنگار نہ کرے تو مرد کو ہلکی سزا دینے کا اختیار ہے۔ ایک حق یہ ہے کہ شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر کہیں نہ جائے، نہ عزیز اور رشتہ دار کے گھر نہ کسی غیر کے گھر۔

بیوی کے حقوق:

قال اللّٰه تبارك و تعالىٰ: ﴿ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾[1]

''عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ پیش آؤ۔''

مرد کے فرائض میں یہ بات بھی شامل ہے کہ عورتوں کے ساتھ خوش اخلاق سے پیش آئے، ان کی کم فہمی کے پیش نظر عفو و درگزر سے کام لے اور ان کی طرف سے ان کی کم عقلی و کم علمی کی وجہ سے جو تکلیف پہنچے اس پر صبر کرے۔

● ...... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" لَا يَفْرَكُ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً ، إِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ عَنْهَا آخَرَ."[2]

یعنی کسی مومن مرد (شوہر) کو کسی مومن عورت (بیوی) سے کینہ، بغض اور ناپسندیدگی نہیں رکھنا چاہیے، کیونکہ اگر اس کی ایک عادت ناپسند ہو تو ہو سکتا ہے کہ کوئی دوسری عادت و خصلت اسے پسند ہو۔

● ...... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''سب سے کامل ایمان والا شخص وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں اور تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے لیے اچھے ہوں۔''[3]

● ...... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عورتوں کے ساتھ اچھے سلوک کی تاکید کرتا ہوں اسے مان لو، کیونکہ عورتیں پسلی سے پیدا کی گئی ہیں اور پسلی میں سب سے زیادہ ٹیڑھا حصہ اوپر والا حصہ

۱- سورۃ النساء: ۱۹

۲- مشکوٰۃ: ۲۸/۱

۳- رواہ الترمذی، مشکوٰۃ: ۲۸۲

ہوتا ہے، اگر تم اس کو سیدھا کرنا چاہو گے تو اس کو توڑ بیٹھو گے اور اگر اس کو چھوڑ دو گے تو ٹیڑھا ہی رہے گا، پس عورتوں کے بارے میں بھلائی کی تاکید قبول کرو۔‘‘(۱)

● ...... حضرت ایاس بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’اللہ کی بندیوں (اپنی بیویوں) کو نہ مارا کرو۔‘‘ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ عورتیں اپنے شوہروں پر جری ہو گئی ہیں، آپ ﷺ نے عورتوں کو مارنے کی اجازت دی تو آپ ﷺ کے اہل بیت کے پاس بہت سی عورتیں اپنے شوہروں کی شکایتیں کرنے لگیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ’’آل محمد کے پاس بہت ساری عورتیں اپنے شوہروں کی شکایتیں لے کر آئی ہیں، یہ (شوہر جو عورتوں کو مارتے ہیں) تم میں سے اچھے لوگ نہیں ہیں۔‘‘(۲)

● ...... حکیم بن معاویہ قشیری اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: ’’ہماری بیویوں کا ہم پر کیا حق ہے؟ آپ نے فرمایا: جب تم کھانا کھاؤ تو اس کو بھی کھلاؤ اور جب تم کپڑے پہنو تو اس کو بھی پہناؤ، اس کے چہرے پر نہ مارو اور اس کو برا بھلا مت کہو اور گالی گلوچ نہ کرو اور اس سے بالکل علیحدگی اختیار نہ کرو (یعنی اسے گھر سے نہ نکالو اگر یہ ناگزیر ہی ہو جائے تو) گھر میں رہتے ہوئے (کچھ وقت کے لیے) علیحدہ کر سکتے ہو۔(۳)

● ...... حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں آپ ﷺ کے پاس گڑیوں سے کھیلتی تھی اور میرے ساتھ میری سہیلیاں بھی کھیلا کرتی تھیں۔ جب رسول اللہ ﷺ گھر میں داخل ہوتے تو وہ چھپ جاتی تھیں تو آپ ﷺ ان کو میرے پاس بھیج دیتے اور وہ پھر میرے ساتھ کھیلتی تھیں۔(٤)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ اپنی بیویوں کا کتنا خیال رکھتے تھے۔

● ...... حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’ایک وہ دینار ہے جسے تم نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا، ایک وہ دینار ہے جسے تم نے کسی غلام کے آزاد کرنے میں خرچ کیا، ایک وہ دینار ہے جسے تم نے کسی مسکین پر صدقہ کر دیا اور ایک وہ دینار ہے جسے تم نے اپنے اہل خانہ پر خرچ کر دیا۔ ان میں سے سب سے زیادہ اجر والا وہ

۱- متفق علیہ، مشکوٰۃ: ۲۸۰

۲- مشکوٰۃ: ۲۸۲

۳- رواہ احمد و ابوداؤد و ابن ماجہ، مشکوٰۃ: ۲۸۱

٤- متفق علیہ، مشکوٰۃ: ۲۸۰

دینار ہے جسے تم نے اپنے اہل خانہ پر خرچ کر ڈالا۔''[1]

نکاح کیسے منعقد ہوتا ہے؟

مسئلہ ۱: نکاح ایجاب وقبول کے دولفظوں سے ہوجاتا ہے، جیسے: کسی نے گواہوں کے سامنے کہا: ''میں نے اپنی لڑکی کا نکاح تمہارے ساتھ کیا۔'' اس نے کہا: ''میں نے قبول کیا۔'' بس نکاح ہوگیا، البتہ اگر اس کی کئی لڑکیاں ہوں تو صرف اتنا کہنے سے نکاح نہیں ہوگا، بلکہ نام لے کر مثلاً: یوں کہے کہ میں نے اپنی لڑکی قدسیہ کا نکاح تمہارے ساتھ کیا، وہ کہے کہ میں نے قبول کیا۔

مسئلہ ۲: کسی نے کہا: ''اپنی فلاں لڑکی کا نکاح میرے ساتھ کردو۔'' اس نے کہا: ''میں نے اس کا نکاح تمہارے ساتھ کردیا'' تو نکاح ہوگیا، چاہے پھر وہ یوں کہے کہ میں نے قبول کیا یا نہ کہے، نکاح ہوگیا۔

مسئلہ ۳: اگر خود عورت وہاں موجود ہو اور اس کا ولی اس کی طرف اشارہ کرکے یوں کہہ دے کہ میں نے اس کا نکاح تمہارے ساتھ کردیا، مرد کہے: ''میں نے قبول کیا'' تب بھی نکاح ہوگیا، نام لینے کی ضرورت نہیں اور اگر لڑکی موجود نہ ہو تو اس کا بھی نام لے اور اس کے باپ کا نام بھی اتنی بلند آواز سے لے کہ گواہ سن لیں اور اگر باپ کو بھی لوگ نہ جانتے ہوں اور صرف باپ کے نام لینے سے معلوم نہ ہو کہ کس کا نکاح ہورہا ہے تو دادا کا نام بھی لینا ضروری ہے۔ غرض یہ ہے کہ اتنا تعارف ہونا چاہیے کہ سننے والے سمجھ لیں کہ فلاں کا نکاح ہورہا ہے۔

نکاح کے گواہ ضروری ہیں:

مسئلہ ۴: نکاح درست ہونے کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ کم سے کم دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کے سامنے کیا جائے اور وہ لوگ اپنے کانوں سے نکاح کے دونوں لفظ سنیں تب نکاح ہوگا۔ اگر تنہائی میں ایک نے کہا: ''میں نے اپنی بیٹی کا نکاح تمہارے ساتھ کیا۔'' دوسرے نے کہا: ''میں نے قبول کیا'' تو نکاح نہیں ہوا۔ اسی طرح اگر صرف ایک آدمی کے سامنے نکاح کیا تب بھی نہیں ہوا۔

مسئلہ ۵: اگر کوئی مرد نہیں تھا، صرف عورتیں تھیں، تب بھی نکاح درست نہیں، چاہے دس بارہ کیوں نہ ہوں۔ کم سے کم ایک مرد کا ہونا ضروری ہے۔

مسئلہ ۶: اگر دو مرد تو ہیں لیکن مسلمان نہیں ہیں تو بھی نکاح نہیں ہوا۔ اسی طرح اگر مسلمان تو ہیں لیکن دونوں یا ان

۱- رواہ مسلم، مشکوۃ: ۱۷۰

میں سے ایک نابالغ ہے تب بھی نکاح درست نہیں۔ اسی طرح اگر ایک مرد اور دو عورتوں کے سامنے نکاح ہوا، لیکن وہ عورتیں ابھی بالغ نہیں ہوئیں یا ان میں سے ایک ابھی بالغ نہیں ہوئی ہے تو نکاح صحیح نہیں ہے۔

مسئلہ ۷: بہتر یہ ہے کہ کسی بڑے مجمع میں نکاح کیا جائے، جیسے نمازِ جمعہ کے بعد جامع مسجد میں یا کسی اور مجمع میں تاکہ نکاح کی خوب تشہیر ہو جائے۔ چھپ چھپا کر نکاح نہ کریں، لیکن اگر کوئی ایسی صورت ہوگئی کہ زیادہ لوگ نہ جان سکے تو کم سے کم دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ضرور موجود ہوں، جو اپنے کانوں سے نکاح ہوتے سنیں۔

مسئلہ ۸: اگر مرد بھی بالغ ہے اور عورت بھی بالغ ہے اور دو گواہوں کے سامنے ایک کہہ دے: ''میں نے اپنا نکاح تیرے ساتھ کیا۔'' دوسرا کہے: ''میں نے قبول کیا'' تو نکاح ہو گیا۔

مسئلہ ۹: اگر کسی نے اپنا نکاح خود نہیں کیا بلکہ کسی سے کہہ دیا کہ تم میرا نکاح کسی سے کر دو یا یوں کہا: ''میرا نکاح فلاں سے کر دو'' اور اس نے دو گواہوں کے سامنے نکاح کر دیا تب بھی نکاح ہو گیا۔

وہ عورتیں جن سے نکاح حرام ہے

نکاح حرام ہونے کے اسباب:

اگر درجِ ذیل آٹھ وجوہات میں سے کوئی وجہ پائی جائے تو شرعاً نکاح نہیں ہو سکتا ہے:

۱۔ قرابت (نسبی رشتہ داری) ۲۔ مصاہرت (سسرالی رشتہ داری)
۳۔ رضاعت (دودھ پلانا) ۴۔ محرم عورتوں سے اکٹھے نکاح کرنا
۵۔ عورت کا کسی کے نکاح میں ہونا ۶۔ عورت کا عدت میں ہونا
۷۔ بیک وقت چار سے زیادہ عورتوں سے نکاح کرنا ۸۔ کسی آسمانی دین کا قائل نہ ہونا

ان آٹھ وجوہات میں تفصیل یہ ہے:

۱۔ قرابت (نسبی رشتہ داری):

مسئلہ ۱: اپنی اولاد یعنی بیٹی، پوتی پڑپوتی اور نواسی وغیرہ کے ساتھ نکاح درست نہیں اور ماں، دادی، پردادی، نانی، پرنانی وغیرہ کے ساتھ بھی درست نہیں۔

مسئلہ ۲: بہن، خالہ، پھوپھی، بھتیجی، بھانجی کے ساتھ بھی نکاح درست نہیں۔ شریعت میں بہن وہ ہے جو ایک ماں

باپ سے ہو۔ یا دونوں کا باپ ایک ہو یا دونوں کی ماں ایک ہو۔ یہ سب بہنیں ہیں اور جس کا باپ بھی الگ ہو اور ماں بھی الگ ہو وہ بہن نہیں، اس سے نکاح درست ہے۔

۲-مصاہرت (سسرالی رشتہ داری):

مسئلہ ۳: ساس کے ساتھ بھی نکاح درست نہیں، چاہے لڑکی کی رخصتی ہو چکی ہو اور دونوں میاں بیوی ایک ساتھ رہ چکے ہوں یا ابھی رخصتی نہ ہوئی ہو، بہرحال نکاح حرام ہے۔

مسئلہ ۴: کسی عورت سے نکاح کیا، اگر اس کے ساتھ ہم بستری بھی کی تو اس عورت کی بیٹی کے ساتھ نکاح درست نہیں، اگر اس کے ساتھ ہم بستری نہیں کی تھی تو اس کی بیٹی کے ساتھ نکاح جائز ہے۔

مسئلہ ۵: باپ کی بیوی سے نکاح جائز نہیں، چاہے باپ نے اس کے ساتھ ہمبستری کی ہو یا نہیں۔

مسئلہ ۶: بیٹے یا پوتے وغیرہ کی بیوی سے نکاح جائز نہیں۔

مسئلہ ۷: کسی مرد نے کسی عورت سے زنا کیا تو اب اس عورت کی ماں اور اس کی اولاد کا اس مرد سے نکاح کرنا درست نہیں۔

مسئلہ ۸: کسی عورت نے شہوت کے ساتھ کسی مرد کو ہاتھ لگایا تو اب اس عورت کی ماں اور اولاد کا اس مرد سے نکاح کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح اگر مرد نے کسی عورت پر شہوت سے ہاتھ ڈالا، تو وہ مرد اس کی ماں اور اولاد پر حرام ہو گیا۔

مسئلہ ۹: رات کو اپنی بیوی کے پاس جانے کے لیے اٹھا مگر غلطی سے بیٹی پر یا ساس پر ہاتھ پڑ گیا اور بیوی سمجھ کر شہوت کے ساتھ اس کو ہاتھ لگایا تو اب وہ مرد اپنی بیوی پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو گیا، اب کوئی صورت جائز ہونے کی نہیں اور مرد پر لازم ہے کہ اس عورت کو طلاق دے دے۔ اس لیے ایسے معاملات میں بہت احتیاط کرنی چاہیے۔

مسئلہ ۱۰: کسی لڑکے نے اپنی سوتیلی ماں پر شہوت کے ساتھ ہاتھ ڈال دیا تو اب وہ عورت اپنے شوہر پر بالکل حرام ہو گئی، اب کسی صورت میں حلال نہیں ہو سکتی اور اگر اس سوتیلی ماں نے سوتیلے لڑکے کے ساتھ ایسا کیا تب بھی یہی حکم ہے۔

مسئلہ ۱۱: جس عورت کا شوہر نہ ہو اور اس کو بدکاری سے حمل ہو اس کا نکاح کسی سے کروایا جا سکتا ہے، لیکن بچہ پیدا ہونے سے پہلے صحبت کرنا درست نہیں، البتہ جس نے زنا کیا تھا اگر اسی سے نکاح ہوا ہو تو صحبت بھی درست ہے۔

۳-رضاعت (دودھ پلانا):

مسئلہ ۱۲: جتنے رشتے نسب کے اعتبار سے حرام ہیں وہ رشتے دودھ پینے کی وجہ سے بھی حرام ہیں، یعنی دودھ پینے

والی بچی کا دودھ پلانے والی کے شوہر سے نکاح درست نہیں، کیونکہ وہ اس کا باپ ہوا۔ اسی طرح دودھ شریک بہن بھائی کا نکاح بھی آپس میں درست نہیں۔ جس بچے کو عورت نے دودھ پلایا ہے اس سے اور اس کی اولاد سے اس عورت کا نکاح درست نہیں کیونکہ وہ اس کی اولاد ہوئی۔ رضاعی خالہ، بھانجی، پھوپھی، بھتیجی سب سے نکاح حرام ہے۔

مسئلہ (۱۳): دو دودھ شریک بہنیں ایک ساتھ ایک مرد کے نکاح میں نہیں رہ سکتیں، غرض یہ کہ نسب میں جتنے رشتوں میں نکاح حرام ہے، دودھ کے رشتوں میں بھی وہی حکم ہے۔

۴- محرم عورتوں سے اکٹھے نکاح کرنا:

مسئلہ (۱۴): جب تک ایک بہن نکاح میں رہے تب تک دوسری سے نکاح درست نہیں، البتہ اگر ایک مرگئی یا اس کو چھوڑ دیا اور عدت پوری ہوگئی تو اب دوسری بہن سے نکاح درست ہے، لیکن عدت پوری ہونے سے پہلے نکاح درست نہیں۔

مسئلہ (۱۵): اگر کسی نے خدانخواستہ دو بہنوں سے نکاح کرلیا تو جس کا نکاح پہلے ہوا وہ صحیح ہے اور جس کا بعد میں کیا گیا وہ نہیں ہوا۔

مسئلہ (۱۶): کسی مرد کا نکاح ایک عورت سے ہوا تو اب جب تک وہ عورت اس کے نکاح میں رہے گی اس کی پھوپھی، خالہ، بھانجی اور بھتیجی کا نکاح اس مرد سے نہیں ہوسکتا۔

مسئلہ (۱۷): جن دو عورتوں میں ایسا قریبی رشتہ ہو کہ اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک مرد ہوتی تو آپس میں دونوں کا نکاح جائز نہ ہوتا، ایسی دو عورتیں ایک ساتھ ایک مرد کے نکاح میں نہیں رہ سکتیں۔ جب ایک مرجائے یا طلاق ہوجائے اور عدت گزر جائے تب دوسری عورت کا نکاح اس مرد سے جائز ہے۔

مسئلہ (۱۸): عورت اور اس کی سوتیلی بیٹی دونوں کا ایک ساتھ کسی مرد سے نکاح درست ہے۔[1]

۵- عورت کا کسی کے نکاح میں ہونا:

مسئلہ (۱۹): جس عورت کا نکاح کسی مرد سے ہوچکا ہو تو اب طلاق لیے بغیر اور عدت پوری کیے بغیر دوسرے سے نکاح درست نہیں۔

۱- مثلاً ایک عورت نے کسی شادی شدہ مرد سے نکاح کیا جس کی ایک لڑکی پہلے سے تھی، یہ مرد فوت ہوگیا۔ اب کوئی شخص اس بیوہ عورت اور اس کے پہلے شوہر کی لڑکی دونوں سے نکاح کرنا چاہے تو کرسکتا ہے، اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ کوئی مرد اس بیوہ خاتون سے نکاح کرے اور اپنے لڑکے یا بھتیجے کا نکاح اس کی لڑکی سے کروادے۔

۶- عورت کا عدت میں ہونا:

مسئلہ (۲۰): کسی عورت کے شوہر نے طلاق دے دی یا فوت ہوگیا تو جب تک طلاق یا وفات کی عدت پوری نہ ہو تب تک دوسرے مرد سے نکاح درست نہیں۔

۷- بیک وقت چار سے زائد عورتوں سے نکاح کرنا:

مسئلہ (۲۱): جس مرد کے نکاح میں چار عورتیں ہوں تو پانچویں عورت سے اس کا نکاح درست نہیں اور ان چار میں سے اگر اس نے ایک کو طلاق دے دی تو جب تک طلاق کی عدت پوری نہ ہو کسی اور عورت سے اس کا نکاح نہیں ہوسکتا۔

۸- کسی آسمانی دین کا قائل نہ ہونا:

مسئلہ (۲۲): مسلمان عورت کا نکاح مسلمان کے سوا کسی اور مذہب والے مرد سے درست نہیں۔ مسئلہ: لیکن مسلمان مرد کا نکاح کسی آسمانی دین کی قائل عورت سے درست ہے؟

مسئلہ (۲۳): مسلمان مرد کا نکاح اہل کتاب (یہودی، عیسائی) عورتوں سے جائز ہے[1]، کسی اور غیر مسلم سے جائز نہیں۔

مسئلہ (۲۴): سنی مسلمان کا نکاح شیعہ کے ساتھ بہت سے علماء کے فتویٰ کے مطابق درست نہیں، اور قادیانی کے ساتھ بھی نکاح درست نہیں، کیونکہ قادیانی علمائے اسلام کے فتویٰ کے مطابق کافر ہیں۔

منہ بولی رشتہ داری کا حکم:

مسئلہ (۲۵): منہ بولی بیٹی یا بہن بنالینے سے حقیقتاً وہ بیٹی یا بہن نہیں بنتی، اس لیے منہ بولی بیٹی یا بہن سے نکاح درست ہے۔

مسئلہ (۲۶): کوئی عورت حقیقی خالہ نہیں، بلکہ کسی رشتہ سے خالہ لگتی ہے تو اس سے نکاح درست ہے، اسی طرح اگر کسی دور کے رشتہ سے پھوپھی، بھانجی یا بھتیجی ہوتی ہو اس سے بھی نکاح درست ہے، ایسے ہی اگر حقیقی بہن بھائی نہیں بلکہ چچا زاد، ماموں زاد، خالہ زاد یا پھوپھی زاد بہن بھائی ہوں تو ان کا نکاح آپس میں درست ہے۔

مسئلہ (۲۷): اسی طرح دو بہنیں اگر سگی نہ ہوں، ماموں زاد، پھوپھی زاد، خالہ زاد، چچازاد ہوں تو وہ دونوں ایک ساتھ ایک ہی مرد کے نکاح میں آسکتی ہیں۔ یہی حال پھوپھی اور خالہ وغیرہ کا ہے کہ اگر کوئی دور کا رشتہ نکلتا ہو تو پھوپھی بھتیجی اور خالہ بھانجی کا ایک ساتھ ہی ایک مرد سے نکاح درست ہے۔

۱- اس بارے میں کچھ تفصیل آگے ''اضافہ'' میں آرہی ہے۔

ولی کا بیان

جس کو نابالغ لڑکی اور لڑکے کا نکاح کرانے کا اختیار ہوتا ہے اس کو ''ولی'' کہتے ہیں۔

مسئلہ ①: لڑکی اور لڑکے کا ولی سب سے پہلے اس کا باپ ہے۔ اگر باپ نہ ہو تو دادا، وہ نہ ہو تو پردادا، اگر یہ لوگ نہ ہوں تو سگا بھائی، سگا بھائی نہ ہو تو سوتیلا بھائی، یعنی باپ شریک بھائی، پھر بھتیجا، پھر بھتیجے کا لڑکا، پھر بھتیجے کا پوتا، یہ لوگ نہ ہوں تو سگا چچا، پھر سوتیلا چچا، یعنی باپ کا سوتیلا بھائی، پھر سگے چچا کا لڑکا پھر اس کا پوتا، پھر سوتیلے چچا کا لڑکا پھر اس کا پوتا۔ یہ نہ ہوں تو باپ کا چچا ولی ہے، پھر اس کی اولاد۔ اگر باپ کا چچا اور اس کے لڑکے، پوتے، پڑپوتے کوئی نہ ہوں تو دادا کا چچا، پھر اس کے لڑکے، پوتے پھر پڑپوتے وغیرہ۔ ان میں سے کوئی نہ ہو تو ماں ولی ہے، پھر دادی پھر نانی پھر نانا پھر حقیقی بہن پھر سوتیلی بہن، جو باپ شریک ہو پھر جو بھائی بہن ماں شریک ہوں، پھر پھوپھی پھر ماموں، پھر خالہ وغیرہ۔

مسئلہ ②: نابالغ کسی کا ولی نہیں ہوسکتا، اور کافر کسی مسلمان کا ولی نہیں ہوسکتا، اور پاگل بھی کسی کا ولی نہیں ہوسکتا۔

مسئلہ ③: بالغ عورت خود مختار ہے، چاہے نکاح کرے چاہے نہ کرے اور جس کے ساتھ چاہے کرے، کوئی شخص اس پر زبردستی نہیں کرسکتا۔ اگر وہ خود اپنا نکاح کسی سے کرلے تو (اگر چہ یہ حیا اور مروّت کے خلاف ہے اور مسلمان عورت کو ایسا نہیں کرنا چاہیے لیکن) نکاح ہو جائے گا، چاہے ولی کو علم ہو یا نہ ہو اور ولی چاہے راضی ہو یا نہ ہو، البتہ اگر لڑکی نے اپنے جوڑ سے نکاح نہیں کیا، اپنے سے کم ذات والے سے نکاح کرلیا اور ولی راضی نہیں ہے تو فتویٰ اس پر ہے کہ نکاح درست نہیں ہوگا، اور اگر نکاح تو اپنے جوڑ ہی سے کیا، لیکن جتنا مہر اس کے ددھیالی خاندان میں مقرر کیا جاتا ہے جس کو شریعت میں ''مہرِ مثل'' کہتے ہیں، اس سے بہت کم پر نکاح کرلیا تو اس صورت میں نکاح تو ہوگیا لیکن اس کا ولی اس نکاح کو تڑواسکتا ہے۔ مسلمان حاکم کے پاس جاکر درخواست کرے کہ وہ نکاح فسخ کردے، لیکن فسخ کروانے کا حق اس ولی کو ہے جس کا ذکر ماں سے پہلے آیا ہے یعنی باپ سے لے کر دادا کے چچا کے بیٹوں، پوتوں تک۔

مسئلہ ④: کسی ولی نے بالغ لڑکی کا نکاح اس سے پوچھے اور اجازت لیے بغیر کردیا تو وہ نکاح اس کی اجازت پر موقوف ہے۔ اگر لڑکی اجازت دے تو نکاح ہو جائے گا اور اگر وہ راضی نہ ہو اور اجازت نہ دے تو نہیں ہوگا۔ اجازت کا طریقہ آگے آرہا ہے۔

مسئلہ ⑤: بالغ کنواری لڑکی سے ولی نے آکر کہا کہ میں تمہارا نکاح فلاں کے ساتھ کرتا ہوں یا میں نے کردیا ہے، اس پر وہ خاموش رہی یا مسکرادی یا رونے لگی تو بس یہی اجازت ہے۔ اب وہ ولی نکاح کردے تو صحیح ہوجائے گا یا کرچکا تھا تو صحیح ہوگیا۔ یہ ضروری نہیں کہ زبان سے ہی اجازت دے۔ جو لوگ زبردستی کرکے زبان سے قبول کراتے ہیں، برا کرتے ہیں۔

مسئلہ ⑥: ولی نے اجازت لیتے وقت شوہر کا نام نہیں لیا، نہ لڑکی کو پہلے سے معلوم ہے تو ایسے وقت چپ رہنے سے رضامندی ثابت نہیں ہوگی، بلکہ نام و پتا اور اتنا تعارف ضروری ہے جس سے لڑکی اتنا سمجھ جائے کہ یہ فلاں شخص ہے۔ اسی طرح اگر مہر نہیں بتایا اور مہر مثل سے بہت کم پر نکاح کردیا تو عورت کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہوگا، اس کے لیے دوبارہ باقاعدہ اجازت لینی چاہیے۔

مسئلہ ⑦: اگر وہ لڑکی کنواری نہیں، بلکہ ایک نکاح پہلے ہوچکا ہے، یہ دوسرا نکاح ہے، اس سے اس کے ولی نے اجازت لی اور پوچھا تو صرف خاموش رہنے سے اجازت نہیں ہوگی، بلکہ زبان سے کہنا چاہیے، اگر اس نے زبان سے نہیں کہا اور خاموش رہنے پر ولی نے نکاح کردیا تو نکاح موقوف ہوگا، بعد میں اگر وہ زبان سے منظور کرلے تو نکاح ہوجائے گا اور اگر منظور نہ کرے تو نہیں ہوگا۔

مسئلہ ⑧: باپ کے ہوتے ہوئے چچا بھائی وغیرہ کسی اور ولی نے کنواری لڑکی سے اجازت مانگی تو صرف چپ رہنے سے اجازت نہیں ہوگی بلکہ زبان سے اجازت دے تب اجازت ہوگی، البتہ اگر باپ ہی نے ان کو اجازت لینے کے لیے بھیجا ہو تو صرف چپ رہنے سے بھی اجازت ہوجائے گی۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو ولی سب سے مقدم ہو اور شرعاً اسی کو پوچھنے کا حق ہو، جب وہ خود یا اس کا بھیجا ہوا آدمی اجازت لے تب تو چپ رہنے سے اجازت ہوگی، اور اگر حق تھا دادا کا اور پوچھا بھائی نے یا حق تو تھا بھائی کا اور پوچھا چچا نے تو ایسے وقت چپ رہنے سے اجازت نہیں ہوگی۔

مسئلہ ⑨: ولی نے پوچھے بغیر اور اجازت لیے بغیر نکاح کردیا، پھر نکاح کے بعد خود ولی نے یا اس کے بھیجے ہوئے کسی آدمی نے آکر لڑکی کو اطلاع دی کہ تمہارا نکاح فلاں کے ساتھ کردیا گیا ہے، تو اس صورت میں بھی چپ رہنے سے اجازت ہوجائے گی اور نکاح صحیح ہوجائے گا، اور اگر کسی اور نے اطلاع دی تو اگر وہ اطلاع دینے والا نیک اور معتبر آدمی ہے یا اطلاع دینے والے دو شخص ہیں تب بھی چپ رہنے سے نکاح صحیح ہوجائے گا، اور اگر اطلاع دینے والا ایک شخص ہے اور غیر معتبر ہے تو چپ رہنے سے نکاح صحیح نہیں ہوگا بلکہ موقوف رہے گا۔ جب زبان سے اجازت دیدے یا کوئی اور ایسی بات پائی

جائے جس سے اجازت سمجھی جاتی ہے تب صحیح ہوگا۔

مسئلہ ۱۰: یہی حکم لڑکے کا ہے کہ اگر بالغ ہو تو اس پر زبردستی نہیں کر سکتے اور ولی اس کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں کر سکتا، اگر پوچھے بغیر نکاح کرے گا تو اجازت پر موقوف رہے گا، اگر اجازت دے دی تو ہوگیا نہیں دی تو نہیں ہوا، البتہ اتنا فرق ہے کہ لڑکے کے خاموش رہنے سے اجازت نہیں ہوتی، زبان سے کہنا اور بولنا چاہیے۔

مسئلہ ۱۱: اگر لڑکی یا لڑکا نابالغ ہو تو وہ خود مختار نہیں، بغیر ولی کے اس کا نکاح نہیں ہوتا۔ اگر اس نے ولی کے بغیر اپنا نکاح کرلیا یا کسی اور نے کردیا تو ولی کی اجازت پر موقوف ہے، اگر ولی اجازت دے گا تو نکاح ہوگا ورنہ نہیں، اور ولی کو اس کا نکاح کروانے کا پورا اختیار ہے، جس سے چاہے کردے۔ نابالغ لڑکیاں اور لڑکے اس نکاح کو اس وقت رد نہیں کر سکتے، چاہے وہ نابالغ لڑکی کنواری ہو یا پہلے کوئی اور نکاح ہو چکا ہو اور رخصتی بھی ہو چکی ہو، دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔

خیارِ بلوغ:

مسئلہ ۱۲: نابالغ لڑکی یا لڑکے کا نکاح اگر باپ یا دادا نے کیا ہے تو وہ جوان ہونے کے بعد بھی اس نکاح کو رد نہیں کر سکتے، چاہے اپنے جوڑ کے ساتھ کیا ہو یا بے جوڑ کم ذات والے سے کردیا ہو اور چاہے مہرِ مثل پر نکاح کیا ہو، یا اس سے بہت کم یا زیادہ پر نکاح کیا ہو، بہر صورت نکاح صحیح ہے اور بالغ ہونے کے بعد بھی وہ فسخ نہیں کر سکتے۔

مسئلہ ۱۳: اور اگر باپ دادا کے سوا کسی اور ولی نے نکاح کیا ہے اور جس کے ساتھ نکاح کیا ہے وہ لڑکا ذات میں برابر درجہ کا بھی ہے اور مہر بھی مہرِ مثل مقرر کیا ہے، اس صورت میں اس وقت تو نکاح صحیح ہو جائے گا، لیکن بالغ ہونے کے بعد ان کو اختیار ہے، چاہے اس نکاح کو باقی رکھیں، چاہے مسلمان حاکم کے پاس مقدمہ کر کے ختم کرلیں اور اگر اس ولی نے لڑکی کا نکاح کم ذات والے مرد سے کردیا یا مہرِ مثل سے بہت کم پر نکاح کردیا ہے یا لڑکے کا نکاح جس عورت سے کیا ہے اس کا مہر اس کے مہرِ مثل سے بہت زیادہ مقرر کردیا تو وہ نکاح نہیں ہوا۔

مسئلہ ۱۴: جس ولی کو نابالغہ کا نکاح کروانے کا حق ہے، وہ اگر موجود نہیں اور اتنا دور ہے کہ اگر اس کا انتظار کریں اور اس سے مشورہ لیں تو یہ موقع ہاتھ سے جائے گا، اور پیغام دینے والا اتنا انتظار نہیں کرے گا، اور پھر ایسی جگہ مشکل سے ملے گی، تو ایسی صورت میں اس کے بعد والا ولی بھی نکاح کروا سکتا ہے، لہٰذا اگر اس نے اس غیر موجود ولی سے پوچھے بغیر نکاح کروادیا تو نکاح ہوگیا، اور اگر اتنا دور نہ ہو تو بغیر اس کی رائے لیے دوسرے ولی کو نکاح نہیں کرنا چاہیے۔ اگر کرے گا تو اسی ولی

کی اجازت پر موقوف رہے گا، جب وہ اجازت دے گا تب صحیح ہوگا۔

مسئلہ ۱۵: اسی طرح جس ولی کا حق ہے اس کے ہوتے ہوئے دوسرے ولی نے نابالغ کا نکاح کر دیا، جیسے: حق تو تھا باپ کا، اور نکاح کر دیا دادا نے اور باپ سے بالکل رائے نہیں لی تو وہ نکاح باپ کی اجازت پر موقوف رہے گا، یا حق تو تھا بھائی کا اور نکاح کر دیا چچا نے، تو بھائی کی اجازت پر موقوف ہے۔

مسئلہ ۱۶: کوئی عورت پاگل ہوگئی اور اس کا بالغ لڑکا بھی موجود ہے اور باپ بھی ہے، اس کا نکاح کرنا ہو تو اس کا ولی لڑکا ہے، کیونکہ ولی ہونے میں لڑکا باپ سے بھی مقدم ہے۔

مسئلہ ۱۷: جس صورت میں نکاح کی اطلاع ہونے پر زبان سے اجازت دینا ضروری ہو اور عورت نے ہاں زبان سے نہیں کہا، لیکن شوہر اس کے پاس آیا تو اس نے صحبت سے انکار بھی نہیں کیا تب بھی نکاح درست ہوگیا۔

مسئلہ ۱۸: باپ اور دادا کے سوا کسی اور نے نکاح کر دیا تھا اور لڑکی کو نکاح کی خبر تھی، پھر بالغ ہوگئی اور اب تک شوہر نے اس سے صحبت نہیں کی تو جس وقت بالغ ہوئی ہے، فوراً اسی وقت اپنی ناپسندیدگی ظاہر کر دے کہ میں راضی نہیں ہوں یا یوں کہے: ''میں اس نکاح کو باقی رکھنا نہیں چاہتی''، چاہے وہاں کوئی اور ہو یا نہ ہو، بلکہ بالکل تنہا بیٹھی ہو، ہر حال میں کہنا چاہیے، لیکن صرف ایسا کہنے سے نکاح نہیں ٹوٹے گا، بلکہ شرعی حاکم کے پاس جائے، وہ نکاح توڑ دے تب نکاح ٹوٹے گا۔ بالغ ہونے کے بعد اگر ایک لمحہ بھی چپ رہے گی تو نکاح ختم کرانے کا اختیار نہیں رہے گا، اور اگر اس کو اپنے نکاح کی اطلاع نہیں تھی، بالغ ہونے کے بعد اطلاع پہنچی تو جس وقت اطلاع ملی فوراً اسی وقت نکاح سے انکار کر دے، ایک لمحہ بھی چپ رہے گی تو نکاح تڑوانے کا اختیار نہیں رہے گا۔

مسئلہ ۱۹: اور اگر شوہر صحبت کر چکا تھا تب بالغ ہوئی تو بالغ ہوتے ہی فوراً انکار کرنا ضروری نہیں، بلکہ جب تک اس کی رضا کا علم نہیں ہوگا تب تک قبول کرنے نہ کرنے کا اختیار باقی ہے، چاہے جتنا زمانہ گزر جائے، البتہ جب اس نے صاف زبان سے کہہ دیا کہ میں منظور کرتی ہوں یا کوئی اور ایسی بات پائی گئی جس سے رضامندی ثابت ہوئی جیسے: اپنے شوہر کے ساتھ تنہائی میں میاں بیوی کی طرح رہی تو اب اختیار ختم ہوگیا اور نکاح لازم ہوگیا۔

کفاءت (برابری) کا بیان

مسئلہ ①: شریعت میں اس کا بہت زیادہ خیال رکھا گیا ہے کہ بے جوڑ نکاح نہ کیا جائے، یعنی لڑکی کا نکاح کسی ایسے مرد سے نہ کیا جائے جو اس کے برابر کا نہ ہو۔

مسئلہ ②: برابری کا اعتبار پانچ چیزوں میں ہوتا ہے:

۱- نسب ۲- مسلمان ہونا

۳- دینداری ۴- مال

۵- پیشہ

نسب میں برابری:

مسئلہ ③: نسب میں برابری تو یہ ہے کہ مثلاً: شیخ، سید، انصاری اور علوی یہ سب ایک دوسرے کے برابر ہیں یعنی سیدوں کا رتبہ اگر چہ دوسروں سے بڑھ کر ہے، لیکن اگر سید کی لڑکی شیخ کے یہاں بیاہی گئی تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ اپنے جوڑ والے سے نکاح نہیں ہوا، بلکہ یہ بھی جوڑ ہی ہے۔

مسئلہ ④: نسب میں اعتبار باپ کا ہے، ماں کا اعتبار نہیں، اگر باپ سید ہے تو لڑکا بھی سید ہے اور اگر باپ شیخ ہے تو لڑکا بھی شیخ ہے، ماں چاہے جیسی ہو، اگر کسی سید نے کسی غیر سید خاندان کی عورت سے نکاح کر لیا تو اس کی اولاد سید شمار ہوگی اور درجہ میں سیدوں کے برابر ہوگی، البتہ یہ اور بات ہے کہ جس کے ماں باپ دونوں سید خاندان سے ہوں اس کی عزت زیادہ ہے، لیکن نکاح کے معاملے میں سب ایک ہی جوڑ کے کہلائیں گے۔

مسئلہ ⑤: مغل، پٹھان سب ایک درجے کے ہیں اور ان کا درجہ شیخوں، سیدوں سے کم ہے۔ اگر شیخ یا سید کی لڑکی ان کے یہاں بیاہی گئی تو کہا جائے گا کہ جوڑ کے بغیر نکاح ہوا۔

مسلمان ہونے میں برابری:

مسئلہ ⑥: مسلمان ہونے میں برابری کا اعتبار صرف مغل، پٹھان وغیرہ دیگر قوموں میں ہے۔ شیخوں، سیدوں، علویوں اور انصاریوں میں اس کا اعتبار نہیں ہے، تو جو شخص خود مسلمان ہو گیا اور اس کا باپ کافر تھا، وہ شخص اس عورت کے برابر کا

نہیں جو خود بھی مسلمان ہے اور اس کا باپ بھی مسلمان تھا، اور جو شخص خود مسلمان ہے اور اس کا باپ بھی مسلمان ہے، لیکن اس کا دادا مسلمان نہیں، وہ اس عورت کے برابر کا نہیں جس کا دادا بھی مسلمان ہے۔

مسئلہ ۷: جس کے باپ دادا دونوں مسلمان ہوں لیکن پردادا مسلمان نہ ہو تو وہ شخص اس عورت کے برابر سمجھا جائے گا جس کی کئی پشتیں مسلمان ہوں۔ خلاصہ یہ ہے کہ دادا تک مسلمان ہونے میں برابری کا اعتبار ہے، اس کے بعد پردادا اور نگڑ دادا میں برابری ضروری نہیں۔

دینداری میں برابری:

مسئلہ ۸: دینداری میں برابری کا یہ مطلب ہے کہ ایسا شخص جو دین کا پابند نہیں، مثلاً: لُچا، شہدا، شرابی، بدکار آدمی، وہ دیندار عورت کے برابر نہیں سمجھا جائے گا۔

مال میں برابری:

مسئلہ ۹: مال میں برابری کے یہ معنی ہیں کہ بالکل مفلس محتاج شخص مالدار عورت کے برابر کا نہیں ہے، اور اگر وہ بالکل مفلس نہیں بلکہ جتنا مہر نکاح کے وقت دینے کا رواج ہے اتنا مہر اور نفقہ دے سکتا ہے تو وہ عورت کے برابر کا ہے، اگرچہ سارا مہر نہ دے سکے؟ اور یہ ضروری نہیں کہ جتنے مالدار لڑکی والے ہیں لڑکا بھی اتنا ہی مالدار ہو یا اس کے قریب قریب مالدار ہو۔

پیشہ میں برابری:

مسئلہ ۱۰: پیشہ میں برابری یہ ہے کہ جولاہے درزیوں کے میل اور جوڑ کے نہیں، اسی طرح نائی، دھوبی وغیرہ بھی درزی کے برابر نہیں۔

مسئلہ ۱۱: دیوانہ، پاگل آدمی ہوشیار، سمجھدار عورت کا جوڑ نہیں۔

مہر کا بیان

مسئلہ ①: نکاح میں مہر کا ذکر کرے یا نہ کرے، ہر حال میں نکاح ہو جائے گا، لیکن مہر دینا پڑے گا، بلکہ اگر کوئی یہ کہے کہ ہم مہر نہیں دیں گے، مہر کے بغیر نکاح کرتے ہیں تب بھی مہر دینا پڑے گا۔

مہر کی مقدار:

مسئلہ ②: مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم چاندی (۳۴،۰۲ گرام*) یا اس کی قیمت ہے اور زیادہ کی کوئی حد نہیں، جتنا چاہے مقرر کر لے لیکن مہر کا بہت زیادہ مقرر کرنا اچھا نہیں۔ اگر کسی نے دس درہم (یعنی تقریباً ۳۵ گرام چاندی) سے کم مہر مقرر کر کے نکاح کیا تب بھی پورے دس درہم دینے پڑیں گے، شریعت میں اس سے کم مہر نہیں ہو سکتا؛ اور اگر رخصتی سے پہلے ہی طلاق دیدے تو اس کا آدھا دینا پڑے گا۔

مہرِ فاطمی:

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مہر کے بارے میں دو روایتیں ہیں، راجح روایت کے مطابق اس کی مقدار ۴۸۰ درہم = ۱،۶۳۲۹۶ کلو* گرام چاندی ہے۔

مہر مقرر کرنے میں آج کل عام برادریوں میں بڑی افراط وتفریط پائی جاتی ہے۔ بعض لوگ اتنی بڑی بڑی رقمیں مقرر کر دیتے ہیں جن کی ادائیگی کا تصور بھی شوہر نہیں کر سکتا۔ احادیثِ صحیحہ میں اس کی ممانعت آئی ہے، اس سے بچنا چاہیے۔ اس کے مقابلہ میں بعض لوگ مہرِ فاطمی کو ضروری قرار دیتے ہیں اور اس پر اصرار کرتے ہیں اور اسی کو مہرِ شرعی سمجھتے ہیں، حالانکہ شریعت نے مہر کا کوئی آخری درجہ مقرر نہیں کیا ہے۔ خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مہرِ فاطمی سے زیادہ مہر مقرر کرنا ثابت ہے، اس لیے یہاں اس بات کو خوب یاد رکھنا چاہیے کہ جس طرح بہت زیادہ مہر مقرر کرنا برا ہے، اسی طرح لڑکی کا مہر اس کے مہرِ مثل یعنی خاندان کی لڑکیوں سے کم کرنا بھی لڑکی پر ظلم اور اس کی حق تلفی ہے، جس کا اختیار لڑکی کے اولیا کو نہیں ہے۔ البتہ لڑکی اور اولیا سب مہرِ فاطمی مقرر کرنے اور اپنا حق کم کرنے پر دل سے راضی ہو جائیں تو مضایقہ نہیں، لیکن اس معاملہ

(*) آسانی کے لیے پورے ۳۵ گرام بھی کہہ سکتے ہیں۔

(*) آسانی کے لیے ایک کلو 632 گرام یا 1632 گرام کہہ سکتے ہیں۔

میں لڑکی کا حیا وشرم کی وجہ سے خاموش ہونا رضا مندی کے لیے کافی نہیں، اس کی دلی منشا کو کسی طرح معلوم کرنا ضروری ہے، مثلاً: اس کی بے تکلف سہیلیوں یا اور کوئی جس سے وہ بے تکلف اپنے دل کی بات کا اظہار کر دے، اس کے ذریعہ معلوم کرنا ضروری ہے۔

مسئلہ (۳): اگر نکاح کے وقت مہر کا بالکل ہی ذکر نہیں کیا گیا کہ کتنا ہے یا اس شرط پر نکاح کیا کہ بغیر مہر کے نکاح کرتا ہوں، پھر شوہر نے صحبت کی یا دونوں میں سے کوئی مر گیا یا تنہائی میں میاں بیوی اکٹھے ہوگئے اور وہاں صحبت سے کوئی رکاوٹ بھی نہیں تھی تب بھی مہر دلایا جائے گا اور اس صورت میں ''مہرِ مثل'' دینا ہوگا اور اگر اس صورت میں صحبت یا تنہائی سے پہلے مرد نے طلاق دے دی تو عورت مہر کی مستحق نہیں البتہ اس کو صرف ایک جوڑا کپڑا ملے گا اور یہ جوڑا دینا مرد پر واجب ہے، نہیں دے گا تو گنہگار ہوگا۔

مسئلہ (۴): جوڑے میں صرف چار کپڑے مرد پر واجب ہیں: ایک قمیص، ایک شلوار یا ساڑھی جس چیز کا رواج ہو، ایک دوپٹہ اور ایک بڑی چادر جس میں سر سے پیر تک لپٹ سکے، اس کے سوا اور کوئی کپڑا واجب نہیں۔

مسئلہ (۵): مرد کی جیسی حیثیت ہو ویسے کپڑے دینا چاہیے، اگر غریب آدمی ہو تو معمولی کپڑے اور اگر متوسط درجے کا ہو تو درمیانہ جوڑا اور اگر بہت مالدار ہو تو عمدہ ریشمی کپڑے دینا چاہیے، لیکن ہر حال میں یہ خیال رہے کہ اس جوڑے کی قیمت مہرِ مثل کے آدھے سے نہ بڑھے، یعنی بہت قیمتی کپڑے جن کی قیمت مہرِ مثل کے آدھے سے بڑھ جائے مرد پر واجب نہیں۔

مسئلہ (۶): نکاح کے وقت تو کچھ مہر مقرر نہیں کیا گیا لیکن نکاح کے بعد میاں بیوی نے اپنی خوشی سے کچھ مقرر کر لیا تو اب مہرِ مثل نہیں دلایا جائے گا بلکہ دونوں نے اپنی خوشی سے جتنا مقرر کر لیا ہے وہی دلایا جائے گا، البتہ اگر صحبت یا تنہائی سے پہلے ہی طلاق ہوگئی تو اس صورت میں عورت مہر کی مستحق نہیں بلکہ صرف وہی جوڑا ملے گا جس کا بیان اوپر ہو چکا ہے۔

مسئلہ (۷): ہزار روپے اپنی حیثیت کے مطابق مہر مقرر کیا، پھر شوہر نے اپنی خوشی سے کچھ مہر اور بڑھا دیا اور کہا کہ ہم ہزار روپے کی جگہ ڈیڑھ ہزار دے دیں گے تو جتنے روپے زیادہ دینے کے لیے کہا وہ بھی واجب ہو گئے، نہیں دے گا تو گنہگار ہو گا؛ اور اگر صحبت اور تنہائی سے پہلے طلاق ہوگئی تو جس قدر اصل مہر تھا اسی کا آدھا دیا جائے گا، جتنا بعد میں بڑھایا تھا اس کو شمار نہیں کریں گے۔ اسی طرح عورت نے اپنی خوشی اور رضا مندی سے اگر کچھ مہر معاف کر دیا تو جتنا معاف کیا ہے وہ معاف ہو گیا اور اگر پورا معاف کر دیا تو پورا مہر معاف ہو گیا، اب اس کا مطالبہ نہیں کر سکتی۔

مسئلہ (۸): اگر شوہر نے ڈرا دھمکا کر مہر معاف کرالیا تو معاف نہیں ہوگا، شوہر کے ذمہ واجب رہے گا۔

مسئلہ (۹): مہر میں روپیہ، پیسہ، سونا، چاندی مقرر نہیں کیا بلکہ کوئی باغ یا کچھ زمین مقرر ہوئی تو یہ بھی درست ہے، جو باغ وغیرہ مقرر کیا ہے وہی دینا پڑے گا۔

مسئلہ (۱۰): مہر میں کوئی گھوڑا، گائے یا اور کوئی جانور مقرر کیا، لیکن یہ مقرر نہیں کیا کہ فلاں گھوڑا دوں گا، یہ بھی درست ہے۔ اس صورت میں ایک درمیانہ گھوڑا جو نہ بہت اعلیٰ ہو، نہ بہت گھٹیا ہو، دینا چاہیے یا اس کی قیمت دیدے، البتہ اگر صرف اتنا ہی کہا کہ ایک جانور دے دوں گا، اور یہ نہیں بتایا کہ کون سا جانور دے گا تو اس طرح مہر مقرر کرنا صحیح نہیں ہوا، مہرِ مثل دینا پڑے گا۔

مسئلہ (۱۱): جہاں پہلی ہی رات کو پورا مہر دینے کا رواج ہو وہاں عورت کو پہلی ہی رات سارا مہر لینے کا اختیار ہے، اگر پہلی رات نہیں مانگا تو جب مانگے مرد پر دینا واجب ہے۔

مسئلہ (۱۲): جن علاقوں میں یہ رواج ہے کہ مہر کا لین دین طلاق کے بعد یا مرجانے کے بعد ہوتا ہے کہ جب طلاق ہو جاتی ہے تب مہر کا دعویٰ کیا جاتا ہے یا مرد مر گیا اور کچھ مال چھوڑ گیا تو اس مال میں سے لے لیتے ہیں، اور اگر عورت مر گئی تو اس کے وارث مہر کے دعویدار ہوتے ہیں، اور جب تک میاں بیوی ساتھ رہتے ہیں تب تک نہ یہ دیتا ہے، نہ وہ مانگتی ہے تو ایسی جگہ (اس عرف کی وجہ سے) طلاق سے پہلے مہر کا دعویٰ نہیں کر سکتی، البتہ پہلی رات کو جتنے مہر کے پیشگی دینے کا عرف ہے، اتنا مہر پہلے دینا واجب ہے، لیکن اگر کسی جگہ یہ عرف نہ ہو تو پہلے دینا ضروری نہ ہوگا۔

مسئلہ (۱۳): مہر کی نیت سے شوہر نے کچھ دیا تو جتنا دیا اتنا مہر ادا ہو گیا۔ دیتے وقت عورت کو یہ بتانا ضروری نہیں کہ میں مہر دے رہا ہوں۔

مسئلہ (۱۴): مرد نے کچھ دیا لیکن عورت کہتی ہے کہ یہ چیز تم نے مجھے ہبہ کر دی، مہر میں نہیں دی اور مرد کہتا ہے کہ یہ میں نے مہر میں دیا ہے ہبہ میں نہیں، تو مرد ہی کی بات کا اعتبار کیا جائے گا، البتہ اگر کھانے پینے کی کوئی چیز تھی تو اس کو مہر میں سے شمار نہیں کریں گے اور مرد کی اس بات کا اعتبار نہیں۔

مسئلہ (۱۵): نکاح میں مہر مقرر کیا اور بیوی سے صحبت کی یا صحبت تو نہیں کی، لیکن تنہائی میں میاں بیوی کسی ایسی جگہ رہے جہاں صحبت کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی (ایسی تنہائی کو "خلوتِ صحیحہ" کہتے ہیں) تو پورا مہر جتنا مقرر کیا ہے، ادا کرنا واجب ہے، اور اگر ایسی تنہائی بھی نہیں ہوئی تھی کہ دونوں میں سے کوئی مر گیا تب بھی پورا مہر دینا واجب ہے، اور اگر مرد نے

طلاق دے دی تو آدھا مہر دینا واجب ہے۔

مسئلہ (۱۶): اگر دونوں میں سے کوئی بیمار تھا یا رمضان کا روزہ رکھے ہوئے تھا یا حج کا احرام باندھے ہوئے تھا یا عورت کو حیض تھا یا وہاں کوئی شخص موجود تھا، ایسی حالت میں دونوں کی تنہائی ہوئی تو ایسی تنہائی کا اعتبار نہیں۔ (اس کو ''خلوتِ فاسدہ یا غیر صحیحہ'' کہتے ہیں) اس سے پورا مہر واجب نہیں ہوا، اگر طلاق مل جائے تو عورت آدھے مہر کی مستحق ہے، البتہ اگر رمضان کا روزہ نہ تھا، بلکہ قضا یا نفل یا نذر کا روزہ تھا، ایسی حالت میں تنہائی ہوئی تو پورے مہر کی مستحق ہے۔

مسئلہ (۱۷): شوہر نامرد ہے لیکن دونوں میاں بیوی میں خلوتِ صحیحہ (کسی رکاوٹ کے بغیر تنہائی) ہو چکی ہے، تب بھی پورا مہر واجب ہوگا۔ اسی طرح ہیجڑے (تیسری صنف) نے نکاح کر لیا، پھر خلوتِ صحیحہ کے بعد طلاق دے دی تب بھی اس کی بیوی کو پورا مہر ملے گا۔

مسئلہ (۱۸): میاں بیوی تنہائی میں رہے، لیکن لڑکی اتنی چھوٹی ہے کہ صحبت کے قابل نہیں، یا لڑکا بہت چھوٹا ہے کہ صحبت نہیں کر سکتا، تو اس تنہائی سے پورا مہر واجب نہیں ہوا۔

مسئلہ (۱۹): کسی نے نکاحِ فاسد کر لیا تھا، اس لیے میاں بیوی میں جدائی کرا دی گئی، مثلاً: کسی نے دو گواہوں کے سامنے نکاح نہیں کیا یا دو گواہ تو تھے لیکن بہرے تھے، انہوں نے وہ لفظ نہیں سنے جن سے نکاح ہو جاتا ہے، یا کسی کے شوہر نے طلاق دے دی تھی یا مر گیا تھا اور ابھی عدت پوری نہیں ہونے پائی کہ عورت نے دوسرا نکاح کر لیا، یا کوئی اور ایسی بات ہوئی، اس لیے دونوں میں جدائی کرا دی گئی لیکن ابھی مرد نے صحبت نہیں کی ہے تو کچھ مہر نہیں ملے گا، بلکہ اگر مکمل تنہائی بھی ہو چکی ہو تب بھی مہر نہیں ملے گا، البتہ اگر شوہر صحبت کر چکا ہو تو مہرِ مثل دلایا جائے گا، لیکن اگر نکاح کے وقت مہر مقرر کیا گیا تھا اور مہرِ مثل اس سے زیادہ ہے تو وہی مقرر شدہ مہر ملے گا مہرِ مثل نہیں ملے گا۔

مسئلہ (۲۰): کسی نے اپنی بیوی سمجھ کر غلطی سے کسی دوسری عورت سے صحبت کر لی[1] تو اس کو بھی مہرِ مثل دینا پڑے گا، اور اس صحبت کو زِنا نہیں کہا جائے گا، نہ کچھ گناہ ہوگا، بلکہ اگر حمل ہو گیا تو اس بچے کا نسب بھی ٹھیک ہے، اس کے نسب میں کوئی عیب نہیں اور جب معلوم ہو گیا کہ یہ میری بیوی نہیں تو اب اس عورت سے الگ رہے، اب صحبت کرنا درست نہیں اور اس عورت کے لیے بھی عدت گزارنا واجب ہے، بغیر عدت پوری کیے اپنے شوہر کے پاس رہنا اور شوہر کا اس سے صحبت کرنا درست نہیں۔

---

۱ - مثلاً دو شادیاں اکٹھی ہوئیں اور دلہن غلطی سے دلہا کے پاس بھجوا دی گئی۔

مسئلہ ۲۱: جتنا مہر پہلے دینے کا عرف ہے اگر اتنا مہر پہلے نہیں دیا تو عورت کو اختیار ہے کہ جب تک اتنا وصول نہ کرے، تب تک مرد کو ہمبستر نہ ہونے دے، اور اگر ایک دفعہ صحبت کر چکا ہے تب بھی اختیار ہے کہ اب دوسری دفعہ یا تیسری دفعہ عرف کے بقدر مہر وصول کیے بغیر صحبت نہ کرنے دے، اور اگر شوہر اسے سفر میں لے جانا چاہتا ہے تو اسے اختیار ہے کہ اتنا مہر لیے بغیر پردیس میں جانے سے انکار کر دے۔ اسی طرح اگر عورت اس حالت میں اپنے کسی محرم عزیز کے ساتھ سفر میں چلی جائے یا مرد کے گھر سے اپنے میکے چلی جائے، تو مرد اس کو روک نہیں سکتا، اور جب اتنا مہر دیدیا تو اب شوہر کی اجازت کے بغیر کچھ نہیں کر سکتی، اور شوہر کا جہاں جی چاہے اسے لے جائے، اس کے ساتھ جانے سے انکار کرنا درست نہیں۔

مہرِ مثل:

مسئلہ ۲۲: ''مہرِ مثل'' کا مطلب یہ ہے کہ عورت کے باپ کے گھرانے میں سے جو عورت اس کے مثل ہو، یعنی اگر یہ کم عمر ہے تو وہ بھی نکاح کے وقت کم عمر ہو، اگر یہ خوبصورت ہے تو وہ بھی خوبصورت ہو، نکاح کے وقت یہ کنواری ہے تو وہ بھی کنواری ہو، نکاح کے وقت جتنی مالدار یہ ہے اتنی ہی وہ بھی تھی، جس علاقے کی یہ رہنے والی ہے اسی علاقے کی وہ بھی ہو، اگر یہ دیندار، ہوشیار، باسلیقہ، پڑھی لکھی ہے تو وہ بھی ایسی ہی ہو، غرض والد کے خاندان میں جو عورتیں ان باتوں میں اس کی طرح تھیں، ان کا جو مہر مقرر ہوا تھا وہی اس کا ''مہرِ مثل'' ہے۔

مسئلہ ۲۳: باپ کے گھرانے کی عورتوں سے مراد اس کی بہنیں، پھوپھی، چچازاد بہنیں وغیرہ ہیں یعنی اس کی ددھیالی لڑکیاں۔ مہرِ مثل میں ماں کا مہر نہیں دیکھا جاتا، البتہ اگر ماں بھی باپ ہی کے گھرانے میں سے ہو، جیسے: باپ نے اپنی چچا زاد سے نکاح کر لیا تھا تو اس کے مہر کو بھی ''مہرِ مثل'' کہا جائے گا۔

کافروں کے نکاح کا بیان

مسئلہ ۱: کافر اپنے اپنے مذہب کے اعتبار سے جس طریقہ سے نکاح کرتے ہوں، شریعت اس کو بھی معتبر مانتی ہے، اور اگر وہ دونوں ساتھ مسلمان ہو جائیں تو نئے سرے سے نکاح کرنے کی ضرورت نہیں، وہی نکاح اب بھی باقی ہے۔

مسئلہ ۲: اگر دونوں میں سے ایک مسلمان ہو گیا تو دوسرے کو اسلام کی دعوت دی جائے گی، اگر دوسرا مسلمان نہیں ہوا تو نکاح ٹوٹ گیا، اب میاں بیوی کی طرح رہنا درست نہیں۔

مسئلہ ۳: اگر عورت مسلمان ہوگئی اور مرد مسلمان نہیں ہوا تو جب تک پورے تین حیض نہ آئیں تب تک دوسرے مرد سے نکاح درست نہیں۔

بیویوں میں برابری کرنے کا بیان

مسئلہ ۱: جس کی کئی بیویاں ہوں اس پر واجب ہے کہ سب کو برابر رکھے، جتنا خرچہ وغیرہ ایک عورت کو دیا ہے دوسری بھی اتنے کی مستحق ہے، چاہے دونوں کنواری ہوں یا دونوں کنواری نہ ہوں یا ایک کنواری ہو اور دوسری کنواری نہ ہو، سب کا ایک ہی حکم ہے۔ اگر ایک کے پاس ایک رات رہا تو دوسری کے پاس بھی ایک رات رہے۔ ایک کے پاس دو یا تین راتیں رہا تو دوسری کے پاس بھی دو یا تین راتیں رہے۔ جتنا مال، زیور، کپڑے وغیرہ ایک کو دیے، اتنے ہی کی دوسری عورت بھی مستحق ہے۔

مسئلہ ۲: جس کا نیا نکاح ہوا اور جو پہلے سے نکاح میں تھی دونوں کا حق برابر ہے، کوئی فرق نہیں۔

مسئلہ ۳: برابری صرف رات کے رہنے میں ہے، دن کے رہنے میں برابری ضروری نہیں۔ اگر دن میں ایک کے پاس زیادہ رہا اور دوسری کے پاس کم رہا تو کوئی حرج نہیں، مگر رات میں برابری واجب ہے، البتہ جو شخص رات کو ملازمت کرتا ہو اور دن کو گھر میں رہتا ہو، جیسے: چوکیدار وغیرہ تو اس کے لیے دن کو برابری کا حکم ہے۔

مسئلہ ۴: مرد چاہے بیمار ہو چاہے تندرست، بہرحال رہنے میں برابری کرے۔

مسئلہ ۵: ایک عورت سے زیادہ محبت ہے اور دوسری سے کم تو اس میں کوئی گناہ نہیں، کیونکہ دل اپنے اختیار میں نہیں ہوتا۔

مسئلہ ۶: سفر میں جاتے وقت برابری واجب نہیں، جس کو چاہے ساتھ لے جائے، مگر بہتر یہ ہے کہ ناموں کا قرعہ ڈالے، جس کا نام نکلے اس کو لے جائے۔

☆☆☆

اضافہ

منگنی کے وقت ایجاب وقبول:

منگنی کے وقت لڑکے اور لڑکی کے اولیا کا ایجاب وقبول نکاح کا صرف وعدہ ہے، نکاح نہیں، البتہ اگر مجلس نکاح کے لیے منعقد کی گئی ہو اور گواہوں کے سامنے نکاح کی نیت سے ایجاب وقبول ہو تو نکاح منعقد ہو جائے گا۔ [1]

منگنی کے بعد بغیر کسی شرعی عذر کے انکار کرنا:

منگنی کے بعد بغیر کسی شرعی عذر کے رشتہ سے انکار کرنا گناہ ہے، اس لیے کہ منگنی ایک وعدہ ہے اور بلا عذر شرعی وعدہ خلافی کرنا جائز نہیں، البتہ اگر کوئی شرعی عذر پیش آ جائے، مثلاً: لڑکی انکار کر دے یا لڑکے کی کوئی ایسی عادت معلوم ہو جائے جس کی وجہ سے عام طور پر لوگ نکاح کو پسند نہ کرتے ہوں تو ایسی صورت میں انکار کرنا جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔ [2]

تین مرتبہ ایجاب وقبول ضروری نہیں:

ایک مرتبہ ایجاب وقبول کر لینا کافی ہے، دو یا تین مرتبہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ [3]

برادری میں نکاح کرنے کی پابندی:

اگر غیر قوم میں شادی نہ کرنے کی وجہ صرف فخر وتکبر ہو تو یہ پابندی جائز نہیں۔ [4]

عیسائی اور یہودی عورت سے نکاح:

آج کل کے اکثر عیسائی اور یہودی دہریہ اور لا مذہب ہیں اور دہریہ عورت سے مسلمان مرد کا نکاح نہیں ہو سکتا، البتہ اگر کسی عیسائی یا یہودی عورت کے بارے میں تحقیق سے معلوم ہو جائے کہ یہ دہریہ نہیں، اپنے مذہب پر قائم ہے تو اس سے نکاح ہو جائے گا، مگر کچھ خطرات کی بنا پر اس سے بچنا واجب ہے، مثلاً: اولاد کے کافر ہونے کا سخت خطرہ ہے، بلکہ خود شوہر کا دین بھی خطرہ سے خالی نہیں، علاوہ ازیں ایسی عورتیں جاسوسی کا کام کرتی ہیں لہٰذا یہ ملک کی سالمیت کے لیے بہت خطرناک ہیں۔ [5]

۱-إمداد المفتین : ۵۲

۲-إمداد المفتین :٤٨٧

۳-إمداد الفتاوی :۲/۲۳٦

٤-أحسن الفتاوی : ۱۸/۵

۵-خیر الفتاوی : ٤/۳۳٦ ، أحسن الفتاوی : ۵/۸۹ ، إمداد الفتاوی : ۲/۲۱۳

سیدہ کا نکاح غیر سید کے ساتھ:

بالغہ سیدہ کا نکاح اس کی اور اس کے ولی کی اجازت سے ہر قوم کے مسلمانوں میں ہوسکتا ہے، البتہ قریش کے علاوہ دوسرے لوگ چونکہ سیدہ کے کفو نہیں، اس لیے ولی کی اجازت کے بغیر سیدہ کا نکاح قریش کے علاوہ کسی دوسرے خاندان میں درست نہیں۔[1]

نکاح پڑھانے کی اجرت:

نکاح پڑھانے کی اجرت درج ذیل شرائط کے ساتھ جائز ہے:

۱- اجرت جانبین کی رضامندی سے طے شدہ اور معلوم ہو۔

۲- اجرت اسی سے لی جائے جس نے نکاح پڑھانے کے لیے بلایا ہے، اگر لڑکی والوں نے بلایا ہے تو اجرت بھی لڑکی والوں سے لی جائے، لڑکے والوں سے لینا جائز نہیں، اور اگر لڑکے والوں نے بلایا ہے تو اجرت بھی انہی سے لی جائے، اس صورت میں لڑکی والوں سے لینا جائز نہیں۔

۳- اجرت وہی شخص لے جس نے نکاح پڑھایا ہے، لہٰذا بعض علاقوں میں جو یہ رواج ہے کہ نکاح پڑھانے والے کو تھوڑی سی اجرت دے کر باقی رقم شہر کے عہدیدار کو اس کے حق کے طور پر دی جاتی ہے، یہ جائز نہیں بلکہ رشوت اور ناجائز ہے، اس لیے کہ جب اس عہدیدار نے کام نہیں کیا تو اجرت میں اس کا کوئی حق نہیں۔[2]

۱-إمداد المفتين : ٤٥٩

۲-إمداد الفتاوی : ۳/۳٦۹ ، إمداد الأحكام : ۴/٥١١

کتابُ الرّضاع

دودھ پینے اور پلانے کا بیان

مسئلہ ①: جب بچہ پیدا ہو تو ماں پر اسے دودھ پلانا واجب ہے، البتہ اگر باپ مالدار ہو اور کوئی دودھ پلانے والی مہیا کر سکے تو دودھ نہ پلانے میں کوئی گناہ بھی نہیں۔

مسئلہ ②: کسی اور کے بچے کو شوہر کی اجازت کے بغیر دودھ پلانا درست نہیں، البتہ اگر کوئی بچہ بھوک کے مارے تڑپ رہا ہو اور اس کے مر جانے کا ڈر ہو تو ایسے وقت میں اجازت کے بغیر بھی دودھ پلا سکتی ہے۔

مسئلہ ③: دودھ پلانے کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال ہے، دو سال کے بعد دودھ پلانا حرام ہے۔

مسئلہ ④: اگر بچہ کچھ کھانے پینے لگا اور اس وجہ سے دو سال سے پہلے ہی دودھ چھڑا دیا تب بھی کوئی حرج نہیں۔

مسئلہ ⑤: جب بچہ نے کسی اور عورت کا دودھ پیا تو وہ عورت اس کی ماں بن گئی، اور اس کا شوہر اس بچہ کا رضاعی باپ ہو گیا، اور اس کی اولاد اس کی دودھ شریک بھائی بہن ہو گئے اور ان کا آپس میں نکاح حرام ہو گیا۔ جو رشتے نسب کے اعتبار سے حرام ہیں وہ رشتے دودھ کے اعتبار سے بھی حرام ہو جاتے ہیں۔ یہ حکم تب ہے کہ بچہ نے دو برس کے اندر ہی دودھ پیا ہو، اگر بچہ دو سال کے بعد کسی عورت کا دودھ پیے تو اس کا اعتبار نہیں، نہ وہ پلانے والی ماں بنے گی اور نہ اس کی اولاد اس بچے کے بھائی بہن ہوں گے، اس لیے اگر آپس میں نکاح کریں تو جائز ہے۔

مسئلہ ⑥: جب بچے کے حلق میں دودھ چلا گیا تو سب رشتے جو ہم نے اوپر لکھے ہیں، حرام ہو گئے، چاہے دودھ تھوڑا ہو یا زیادہ۔

مسئلہ ⑦: اگر بچے نے چھاتی سے دودھ نہیں پیا، بلکہ عورت نے اپنا دودھ نکال کر اس کے حلق میں ڈال دیا تو اس سے بھی وہ سب رشتے حرام ہو گئے۔ اسی طرح اگر بچے کی ناک میں دودھ ڈال دیا اور وہ حلق تک پہنچ گیا تب بھی سب رشتے حرام ہو گئے، اور اگر کان میں ڈالا تو اس سے کچھ بھی نہ ہوگا۔

مسئلہ ۸: اگر عورت کا دودھ پانی میں یا کسی دوا میں ملا کر بچہ کو پلا دیا تو دیکھا جائے کہ دودھ زیادہ ہے یا پانی یا دونوں برابر ہیں۔ اگر دودھ زیادہ ہو یا دونوں برابر ہوں تو جس عورت کا دودھ ہے وہ پینے والے بچے کی ماں ہوگئی اور سب رشتے حرام ہوگئے، اور اگر پانی یا دوا زیادہ ہے تو اس دودھ کا اعتبار نہیں، وہ عورت ماں نہیں بنی۔

مسئلہ ۹: عورت کا دودھ بکری یا گائے کے دودھ میں مل گیا اور بچے نے پی لیا تو دیکھا جائے کون سا دودھ زیادہ ہے؟ اگر عورت کا دودھ زیادہ یا دونوں برابر ہوں تو سب رشتے حرام ہوگئے، اور جس عورت کا دودھ ہے پینے والا بچہ اس کی اولاد بن گیا، اور اگر بکری یا گائے کا دودھ زیادہ ہے تو حرمت ثابت نہیں ہوئی۔

مسئلہ ۱۰: اگر کسی کنواری لڑکی کا دودھ کسی بچہ نے پی لیا تو اس سے بھی سب رشتے حرام ہوگئے۔

مسئلہ ۱۱: مردہ عورت کا دودھ نکال کر کسی بچہ کو پلا دیا تو اس سے بھی سب رشتے حرام ہوگئے۔

مسئلہ ۱۲: دو بچوں نے ایک بکری یا ایک گائے کا دودھ پیا تو اس سے کچھ نہیں ہوتا، وہ بھائی بہن نہیں بنتے۔

مسئلہ ۱۳: مرد نے اپنی بیوی کا دودھ پیا تو وہ حرام نہیں ہوئی، البتہ بہت گناہ ہوا، کیونکہ دو سال کی عمر ہو جانے کے بعد دودھ پینا حرام ہے۔

مسئلہ ۱۴: ایک لڑکے اور ایک لڑکی نے ایک ہی عورت کا دودھ پیا، ان کا آپس میں نکاح نہیں ہوسکتا، چاہے ایک ہی وقت میں پیا ہو یا ایک نے پہلے دوسرے نے کئی سال کے بعد، دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔

مسئلہ ۱۵: ایک لڑکی نے حامد کی بیوی کا دودھ پیا تو اس لڑکی کا نکاح نہ حامد سے ہوسکتا ہے، نہ اس کے باپ دادا کے ساتھ، نہ حامد کی اولاد کے ساتھ، بلکہ حامد کی جو اولاد دوسری بیوی سے ہے، اس سے بھی اس لڑکی کا نکاح درست نہیں۔

مسئلہ ۱۶: حامد نے خدیجہ کا دودھ پیا اور خدیجہ کے شوہر محمود کی ایک دوسری بیوی زینب تھی جس کو طلاق ہو چکی تھی تو زینب کا حامد سے نکاح نہیں ہوسکتا، کیونکہ حامد زینب کے شوہر کی اولاد ہے اور زینب حامد کے رضاعی باپ کی بیوی ہے، شوہر کی اولاد اور باپ کی بیوی سے نکاح درست نہیں۔ اسی طرح اگر حامد اپنی عورت کو طلاق دے تو وہ عورت محمود کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتی، کیونکہ وہ اس کا سسر ہوا، اسی طرح محمود کی بہن اور حامد کا نکاح نہیں ہوسکتا، کیونکہ یہ دونوں رضاعی پھوپھی بھتیجے ہوئے، چاہے وہ محمود کی سگی بہن ہو یا دودھ شریک بہن ہو، دونوں کا ایک حکم ہے، البتہ حامد کی بہن سے محمود نکاح کر سکتا ہے۔

مسئلہ ۱۷: زاہد کی ایک بہن ساجدہ ہے، ساجدہ نے ایک عورت کا دودھ پیا لیکن زاہد نے نہیں پیا تو اس دودھ

پلانے والی عورت کا نکاح زاہد سے ہوسکتا ہے۔

مسئلہ ۱۸: حامد کے لڑکے نے رقیہ کا دودھ پیا تو رقیہ کا نکاح حامد کے ساتھ ہوسکتا ہے۔

مسئلہ ۱۹: صابر اور ذاکر دو بھائی ہیں اور ذاکر کی ایک دودھ شریک بہن ہے تو صابر کے ساتھ اس کا نکاح ہوسکتا ہے، البتہ ذاکر کے ساتھ نہیں ہوسکتا۔

مسئلہ ۲۰: کسی مرد کا کسی عورت سے رشتہ ہونے لگا، اتنے میں ایک عورت آئی اور اس نے کہا کہ میں نے تو ان دونوں کو دودھ پلایا ہے، لیکن اس عورت کے علاوہ کوئی اور اسے بیان نہیں کرتا تو صرف اس عورت کے کہنے سے دودھ کا رشتہ ثابت نہیں ہوگا، ان دونوں کا نکاح درست ہے، البتہ جب دو معتبر اور دیندار مرد یا ایک دیندار مرد اور دو دیندار عورتیں دودھ پینے کی گواہی دیں تب اس رشتہ کا ثبوت ہوگا اور نکاح حرام ہوگا۔ ایسی گواہی کے بغیر ثبوت نہیں ہوگا، لیکن اگر صرف ایک مرد یا ایک عورت کے کہنے سے یا دو تین عورتوں کے کہنے سے دل گواہی دینے لگے کہ یہ سچ کہتی ہوں گی، ضرور ایسا ہوا ہوگا تو ایسے وقت نکاح نہیں کرنا چاہیے، خواہ مخواہ شک میں پڑنے سے کیا فائدہ؟ لیکن اگر کسی نے کرلیا تب بھی صحیح ہوگیا۔

مسئلہ ۲۱: عورت کا دودھ کسی دوا میں ڈالنا جائز نہیں، اور اگر ڈال دیا تو اس کا کھانا اور لگانا (داخلی اور خارجی استعمال) ناجائز اور حرام ہے۔ اسی طرح دوا کے لیے آنکھ یا کان میں ڈالنا بھی جائز نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ عورت کے دودھ کو استعمال میں لانا کسی طرح درست نہیں۔

کِتَابُ الطَّلَاق

طلاق کی مذمت:

حدیث شریف میں ہے: ''اللہ تعالیٰ کے نزدیک حلال چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز طلاق ہے۔''

مطلب یہ ہے کہ طلاق ضرورت کے تحت جائز رکھی گئی ہے، بغیر ضرورت طلاق دینا بہت بری بات ہے، اس لیے کہ نکاح تو آپس میں الفت ومحبت اور میاں بیوی کی راحت کے لیے ہوتا ہے اور طلاق سے ان نیک مقاصد کا راستہ بند ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری ہوتی ہے، دونوں کو پریشانی ہوتی ہے، آپس میں دشمنی ہوتی ہے، نیز اس کی وجہ سے بیوی کے دیگر رشتہ داروں سے بھی دشمنی پیدا ہو جاتی ہے، جہاں تک ہو سکے ہرگز ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ میاں بیوی کو ایک دوسرے کو برداشت کرنا چاہیے اور پیار محبت سے رہنا چاہیے، البتہ اگر آپس میں ایسی نفرت ہوگئی کہ ایک دوسرے کے حقوق ضائع کرنے کا اندیشہ پیدا ہو گیا اور نباہ کی کوئی صورت ممکن نہ رہی تو ایسی حالت میں طلاق دینے میں کوئی حرج نہیں۔

حدیث شریف میں ہے: ''عورتوں کو طلاق نہ دی جائے مگر بدچلنی کی وجہ سے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا بہت مزہ چکھنے والے مردوں اور بہت مزہ چکھنے والی عورتوں کو۔'' (اس سے معلوم ہوا کہ اگر عورت کی پاکدامنی میں کوئی خلل پیدا ہو جائے تو اس کی وجہ سے طلاق دیدینا درست ہے، اسی طرح اور بھی کوئی ایسا سبب ہو تو حرج نہیں)

حدیث شریف میں ہے: ''نکاح کرو اور طلاق نہ دو، اس لیے کہ طلاق دینے سے عرش ہلتا ہے۔''

حدیث شریف میں ہے: ''شیطان اپنے تخت کو پانی پر بچھاتا ہے، پھر لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے اپنے لشکروں کو بھیجتا ہے۔ ان لشکر والوں میں سے رتبہ کے اعتبار سے شیطان کے سب سے زیادہ قریب وہ شخص ہوتا ہے جو ان میں سب سے زیادہ فتنہ باز ہو، یعنی سب سے زیادہ پسندیدہ وہ چیلہ ہوتا ہے جو سب سے بڑا فتنہ برپا کرے۔ ان میں سے ایک آکر کہتا ہے میں نے یہ فتنہ برپا کیا اور یہ فتنہ برپا کیا، شیطان کہتا ہے تو نے کچھ نہیں کیا یعنی تو نے کوئی بڑا کام نہیں کیا۔ ایک آکر کہتا ہے میں نے فلاں شخص کو اس وقت تک نہیں چھوڑا یہاں تک کہ میں نے اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی کر دی تو شیطان اس کو اپنے قریب کر لیتا ہے اور اپنے گلے لگا لیتا ہے اور کہتا ہے: ''ہاں تو نے بہت بڑا کام کیا۔''

یعنی شیطان کی بہت زیادہ خوشی اس میں ہے کہ میاں بیوی میں جدائی کرادی جائے، لہٰذا جہاں تک ہو سکے مسلمان شیطان کو خوش نہ کرے۔

حدیث شریف میں ہے: ''جو عورت سخت مجبوری کے بغیر خود طلاق طلب کرے اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔''

یعنی اسے سخت گناہ ہوگا، اگرچہ اسلام پر خاتمہ ہونے کی صورت میں اپنے گناہوں کی سزا بھگت کر آخر کار جنت میں داخل ہو جائے گی۔

حدیث شریف میں ہے: ''اپنے آپ کو شوہر سے چھڑانے والی اور بغیر ضرورت خلع مانگنے والی عورتیں منافق ہیں۔''

یعنی وہ عورتیں جو شرارت کر کے اپنے آپ کو مرد کے قبضہ سے نکالیں یعنی ایسی حرکتیں کریں جن سے مرد ناراض ہو کر طلاق دیدے اور وہ عورتیں جو بغیر کسی مجبوری کے شوہروں سے خلع طلب کریں ان میں نفاق پایا جاتا ہے۔ یہ عادت منافقوں کی ہے کہ ظاہر کچھ اور باطن کچھ، ظاہراً تو نکاح ہمیشہ کے لیے ہوتا ہے اور یہ اس میں جدائی طلب کرتی ہیں، اس لیے گناہ گار ہوں گی، اگرچہ کافر نہ ہوں گی۔

طلاق دینے کا طریقہ:

اگر کسی ضرورت سے طلاق دینی پڑے تو اس کے تین طریقے ہیں: ایک بہت اچھا، دوسرا اچھا، تیسرا بدعت اور حرام۔

۱- سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ مرد بیوی کو ایسے وقت جس میں حیض وغیرہ سے عورت پاک ہو ایک طلاق دے، مگر یہ بھی شرط ہے کہ پاکی کے اس تمام زمانہ میں صحبت نہ کی ہو اور عدت گزرنے تک پھر مزید طلاق نہ دے۔ عدت گزرنے سے خود ہی نکاح ختم ہو جائے گا، ایک سے زیادہ طلاق دینے کی ضرورت نہیں، اس لیے کہ طلاق سخت مجبوری میں جائز رکھی گئی ہے لہٰذا بقدرِ ضرورت ہی کافی ہے، کئی طلاقوں کی ضرورت نہیں۔

۲- اچھا طریقہ یہ ہے کہ اس کو پاکی کے تین زمانوں میں تین طلاقیں دے اور اس دوران پاکی کے باوجود صحبت نہ کرے۔

۳- بدعت اور حرام طریقہ وہ ہے کہ جو ان دونوں صورتوں کے خلاف ہو، مثلاً: تین طلاق ایک ساتھ دیدے یا حیض کی حالت میں طلاق دے یا جس پاکی میں صحبت کی تھی اس میں طلاق دے۔ ان سب صورتوں میں اگرچہ طلاق واقع ہو جائے گی مگر گناہ ہوگا۔

یہ سب تفصیل اس صورت میں ہے کہ عورت سے صحبت یا خلوتِ صحیحہ ہوئی ہو اور جس سے صحبت یا خلوت نہ ہوئی ہو اس کا حکم

یہ ہے کہ ایسی عورت کو چاہے حیض کے زمانہ میں طلاق دے یا پاکی کے زمانہ میں، ہر طرح درست ہے، مگر ایک ہی طلاق دے۔

کس کی طلاق واقع ہوگی، کس کی نہیں؟

مسئلہ ۱: نابالغ اور پاگل کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

مسئلہ ۲: سوئے ہوئے آدمی کے منہ سے نکلا کہ تجھ کو طلاق ہے یا یوں کہہ دیا: ''میری بیوی کو طلاق'' تو اس سے طلاق نہیں ہوتی۔

مسئلہ ۳: کسی نے زبردستی کسی سے زبانی طلاق دلوا دی، جیسے: مارا، ڈرایا، دھمکایا کہ طلاق دے دو ورنہ تجھے مار ڈالوں گا، اس مجبوری سے اس نے زبان سے طلاق کے الفاظ کہہ دیے تو بھی طلاق ہو جائے گی۔ اگر صرف تحریر کیا اور زبان سے نہ کہا تو طلاق نہ ہوگی۔

مسئلہ ۴: کسی نے شراب وغیرہ کے نشہ میں اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو بھی طلاق ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر غصے میں طلاق دی تو بھی طلاق ہو جائے گی۔

مسئلہ ۵: شوہر کے سوا کسی اور کو طلاق دینے کا اختیار نہیں، البتہ اگر شوہر نے کسی کو اختیار دیا کہ میری بیوی کو طلاق دے دے تو وہ بھی دے سکتا ہے۔ [اگر بیوی کو اختیار دیا اور اس نے اپنے اوپر طلاق واقع کر لی تو بھی ہو جائے گی۔]

مسئلہ ۶: طلاق دینے کا اختیار صرف مرد کو ہے، جب مرد نے طلاق دے دی تو طلاق ہوگئی، عورت کو اس میں کوئی اختیار نہیں، وہ چاہے یا نہ چاہے، ہر صورت میں طلاق ہوگئی۔ عورت اپنے شوہر کو طلاق نہیں دے سکتی۔

مسئلہ ۷: مرد کو صرف تین طلاقیں دینے کا اختیار ہے، اس سے زیادہ کا اختیار نہیں، اگر چار پانچ طلاقیں دے دیں تب بھی تین ہی ہوئیں۔

مسئلہ ۸: جب مرد نے زبان سے کہہ دیا: میں نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور اتنے زور سے کہا کہ خود ان الفاظ کو سن لیا تو بس اتنا کہتے ہی طلاق ہو جائے گی، چاہے کسی کے سامنے کہے، یا تنہائی میں اور چاہے بیوی سنے یا نہ سنے، ہر حال میں طلاق ہو جائے گی۔

طلاق کی اقسام

پہلی تقسیم باعتبارِ حکم:

حکم کے اعتبار سے طلاق کی تین قسمیں ہیں:

۱-طلاقِ رجعی:

وہ طلاق جس میں نکاح نہیں ٹوٹتا، صاف لفظوں میں ایک یا دو طلاق دینے کے بعد اگر مرد پشیمان ہوا تو نئے سرے سے نکاح کرنا ضروری نہیں، نکاح کیے بغیر بھی میاں بیوی کی طرح رہنا تو درست ہے، البتہ اگر مرد طلاق دے کر اسی پر قائم رہا اور اس سے رجوع نہیں کیا تو جب طلاق کی عدت گزر جائے گی تب نکاح ٹوٹ جائے گا اور عورت جدا ہو جائے گی۔ جب تک عدت نہ گزرے تب تک رکھنے نہ رکھنے دونوں باتوں کا شوہر کو اختیار ہے۔

۲-طلاقِ بائن:

ایسی طلاق ہے جس میں نکاح بالکل ٹوٹ جاتا ہے اور نیا نکاح کیے بغیر اس مرد کے پاس رہنا جائز نہیں ہوتا اگر آیندہ میاں بیوی آپس میں رہنا چاہیں اور دونوں اس پر راضی بھی ہوں تو نئے سرے سے نکاح کرنا پڑے گا۔

۳-طلاقِ مغلّظ:

وہ طلاق جس میں نکاح ایسا ٹوٹتا ہے کہ دوبارہ نکاح کرنا بھی چاہیں تو حلالہ کے بغیر نہیں کر سکتے۔ حلالہ یہ ہے کہ طلاق یافتہ عورت کا عدت گزار کر کسی دوسرے مرد سے نکاح ہو جائے اور صحبت بھی ہو جائے، پھر وہ مرد اپنی مرضی سے اس کو طلاق دے یا مر جائے اور عدت گزر جائے تو پہلے شوہر کے ساتھ نکاح کر سکتی ہے۔[1]

دوسری تقسیم باعتبارِ الفاظ:

الفاظ کے اعتبار سے طلاق کی دو قسمیں ہیں: (۱) صریح (۲) کنایہ

۱-حلالہ کی شرط کے ساتھ نکاح کرنے پر حدیث میں لعنت آئی ہے، اس لیے طلاق دینے کی شرط کے ساتھ نکاح کرنا سخت گناہ ہے، البتہ اگر کسی کو میاں بیوی کی حالت پر رحم آئے اور وہ ان پر احسان کی نیت سے بغیر کسی شرط کے اس عورت سے نکاح کر لے اور پھر صحبت کے بعد طلاق دیدے تو کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ وہ اپنی اس نیت کا کسی کے سامنے اظہار نہ کرے۔

صریح: صاف صاف لفظوں میں کہہ دیا: ''میں نے تجھ کو طلاق دے دی'' یا یوں کہا: ''میں نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی،'' غرض یہ کہ ایسے صاف الفاظ کہہ دیے جس میں طلاق دینے کے سوا کوئی اور معنی نہیں نکل سکتے تو ایسی طلاق کو ''طلاقِ صریح'' کہتے ہیں۔

کنایہ: صاف صاف الفاظ نہیں کہے، بلکہ ایسے الفاظ کہے جن سے طلاق بھی مراد لی جاسکتی ہے اور طلاق کے سوا دوسرے معنی بھی نکل سکتے ہیں، جیسے کوئی کہے: ''میں نے تجھ کو دور کر دیا'' اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ میں نے تجھ کو طلاق دے دی۔ دوسرا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ طلاق تو نہیں دی لیکن اب تجھ کو اپنے پاس نہیں رکھوں گا، ہمیشہ اپنے میکے میں رہ، تیری خبر نہیں رکھوں گا، یا یوں کہے: ''مجھے تجھ سے کوئی واسطہ نہیں'' ''مجھے تجھ سے کچھ مطلب نہیں'' ''تو مجھ سے جدا ہوگئی'' ''میں نے تجھ کو الگ کر دیا'' ''جدا کر دیا'' ''میرے گھر سے چلی جا'' ''نکل جا'' ''ہٹ دور ہو'' ''اپنے ماں باپ کے ہاں جا کے بیٹھ'' ''اپنے گھر جا'' اسی طرح کے دوسرے الفاظ جن میں دونوں مطلب نکل سکتے ہیں اس کو ''کنایہ'' کہتے ہیں۔

مسئلہ ۹: اگر صاف صاف لفظوں میں طلاق دی تو زبان سے نکلتے ہی طلاق پڑ جائے گی، چاہے طلاق دینے کی نیت ہو یا نہ ہو، بلکہ ہنسی دل لگی میں کہا ہو، بہر صورت طلاق ہوگئی اور صاف لفظوں میں طلاق دینے سے طلاقِ رجعی پڑتی ہے اور ایک مرتبہ کہنے سے ایک ہی طلاق پڑے گی، البتہ اگر تین دفعہ کہے یا یوں کہے: ''تجھ کو تین طلاقیں دیں'' تو تین طلاقیں پڑیں۔

مسئلہ ۱۰: کسی نے ایک طلاق دی تو جب تک عورت عدت میں رہے تب تک دوسری طلاق اور تیسری طلاق دینے کا اختیار رہتا ہے، اگر دے گا تو پڑ جائے گی۔

مسئلہ ۱۱: کسی نے یوں کہا: ''تجھ کو طلاق دے دوں گا'' تو اس سے طلاق نہیں ہوئی۔ اسی طرح اگر کسی بات پر یوں کہا: ''اگر فلاں کام کرے گی تو طلاق دے دوں گا'' تب بھی طلاق نہیں ہوئی، چاہے وہ کام کرے، چاہے نہ کرے، البتہ اگر یوں کہہ دے کہ اگر فلاں کام کرے گی تو طلاق ہے تو وہ کام کرنے سے طلاق ہو جائے گی۔

مسئلہ ۱۲: کسی نے طلاق دے کر اس کے ساتھ ہی ان شاء اللہ بھی کہہ دیا تو طلاق نہیں پڑی۔ اسی طرح اگر یوں کہا: ''اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تجھ کو طلاق''، اس سے بھی کسی قسم کی طلاق نہیں پڑتی، البتہ اگر طلاق دے کر ذرا ٹھہر گیا پھر ان شاء اللہ کہا تو طلاق ہوگئی۔

مسئلہ ۱۳: کسی نے اپنی بیوی کو طلاقن کہہ کر پکارا تب بھی طلاق پڑ گئی، اگرچہ مذاق میں کہا ہو۔

مسئلہ ۱۴: کسی نے کہا: ''جب تو فلاں شہر جائے تو تجھ کو طلاق ہے'' تو جب تک وہاں نہیں جائے گی طلاق نہیں پڑے گی۔

مسئلہ ۱۵: اگر صاف صاف طلاق نہیں دی، بلکہ گول مول الفاظ کہے اور اشارہ کنایہ سے طلاق دی تو یہ مبہم الفاظ کہتے وقت اگر طلاق دینے کی نیت تھی تو طلاقِ بائن ہوگئی، نکاح کیے بغیر عورت کو نہیں رکھ سکتا اور اگر طلاق کی نیت نہیں تھی، بلکہ دوسرے معنی کے اعتبار سے کہا تھا تو طلاق نہیں ہوئی، البتہ اگر قرینے سے معلوم ہو جائے کہ طلاق دینے کی ہی نیت تھی، اب وہ جھوٹ بول رہا ہے تو عورت اس کے پاس نہ رہے اور یہی سمجھے کہ طلاق ہوگئی ہے، جیسے بیوی نے غصہ میں آ کر کہا: ''میرا تیرا نباہ نہیں ہوگا، مجھ کو طلاق دے دے''، اس نے کہا: ''اچھا میں نے چھوڑ دیا'' تو یہاں عورت یہی سمجھے کہ شوہر نے طلاق دے دی۔

مسئلہ ۱۶: کسی نے تین دفعہ کہا: ''تجھ کو طلاق، طلاق، طلاق'' تو تینوں پڑ گئیں یا گول مول الفاظ میں تین مرتبہ کہا تب بھی تین طلاقیں ہوگئیں، لیکن اگر نیت ایک ہی طلاق کی ہے، صرف اور صرف تاکید کے لیے تین دفعہ کہا تھا کہ بات خوب پکی ہو جائے تو ایک ہی طلاق ہوئی لیکن عورت کو اس کے دل کا حال چونکہ معلوم نہیں، اس لیے وہ یہی سمجھے کہ تین طلاقیں ہوگئیں۔

رخصتی سے پہلے طلاق:

مسئلہ ۱۷: عورت شوہر کے پاس نہ جانے پائی تھی کہ اس نے طلاق دے دی یا رخصتی تو ہوگئی لیکن میاں بیوی کی آپس میں بغیر کسی شرعی یا طبعی رکاوٹ کے تنہائی نہیں ہونے پائی تھی کہ شوہر نے طلاق دے دی تو طلاقِ بائن ہوگئی، چاہے صاف لفظوں سے دی ہو یا گول مول لفظوں میں۔ ایسی عورت کو جب طلاق دی جائے تو دوسری ہی قسم یعنی بائن طلاق ہوتی ہے اور ایسی عورت کے لیے طلاق کی عدت بھی کوئی نہیں، طلاق کے بعد فوراً دوسرے مرد سے نکاح کر سکتی ہے اور ایسی عورت کو ایک طلاق دینے کے بعد دوسری تیسری طلاق دینے کا اختیار نہیں، اگر دے گا تو نہیں پڑے گی، البتہ اگر پہلی ہی دفعہ یوں کہہ دے: ''تجھ کو دو طلاق یا تین طلاق'' تو جتنی دی ہیں سب پڑ گئیں اور اگر یوں کہا: ''تجھ کو طلاق ہے، طلاق ہے، طلاق ہے''، تب بھی ایسی عورت کو ایک ہی طلاق پڑے گی۔

رخصتی کے بعد طلاق:

مسئلہ ۱۸: رخصتی اور میاں بیوی کی تنہائی کے ساتھ اگر صحبت بھی ہوگئی، اس کے بعد اگر ایک یا دو طلاقیں صاف

لفظوں میں دے دیں تو طلاقِ رجعی ہوگی اور گول مول لفظوں میں دی تو طلاقِ بائن ہوگی۔ رجعی میں رجوع کا حق ہوگا اور بائن میں رجوع کا حق نہیں ہوگا، البتہ اگر تین طلاقیں نہیں دیں تو اسی شوہر سے نیا نکاح (جبکہ میاں بیوی دونوں راضی ہوں) عدت کے اندر بھی ہوسکتا ہے اور عدت کے بعد بھی، اور دوسرے شخص سے عدت کے بعد ہی نکاح ہوسکتا ہے اور عدت ہر صورت میں لازم ہوگی اور جب تک عدت ختم نہ ہو دوسری اور تیسری طلاق بھی دی جاسکتی ہے؛ اور اگر تنہائی تو ایسی ہوگئی کہ صحبت کرنے سے کوئی مانع شرعی یا طبعی موجود نہیں تھا، مگر صحبت نہیں ہوئی تو اس صورت میں اگر صاف لفظوں میں طلاق دی جائے یا گول مول لفظوں میں، دونوں صورتوں میں طلاقِ بائن ہی پڑے گی اور عدت بھی واجب ہوگی اور رجوع کا حق نہیں ہوگا اور عدت پوری کیے بغیر کسی دوسرے سے نکاح بھی نہیں کرسکتی، البتہ اس شخص سے جس نے طلاق دی ہے عدت کے اندر اور عدت ختم ہونے کے بعد ہر حال میں دوبارہ نکاح کرسکتی ہے، شرط یہ ہے کہ تین طلاقیں نہ دی ہوں۔

تین طلاقوں کا حکم:

مسئلہ (۱۹): اگر کسی نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں تو وہ عورت اس مرد کے لیے حرام ہوگئی[۱]، اب اگر دوبارہ نکاح کرے تب بھی عورت کے لیے اس مرد کے پاس رہنا حرام ہے اور نکاح نہیں ہوتا، چاہے صاف لفظوں میں تین طلاقیں دی ہوں یا گول مول لفظوں میں، سب کا ایک ہی حکم ہے۔

مسئلہ (۲۰): تین طلاقیں ایک ساتھ دے دیں، جیسے یوں کہہ دیا: ''تجھ کو تین طلاق'' یا یوں کہا: ''تجھ کو طلاق ہے، طلاق ہے، طلاق ہے'' یا الگ کرکے تین طلاقیں دیں، جیسے: ایک آج دی، ایک کل پرسوں یا ایک اس مہینے میں، ایک دوسرے مہینے میں، ایک تیسرے مہینے میں یعنی عدت کے اندر اندر تینوں طلاقیں دے دیں، سب کا ایک ہی حکم ہے اور صاف لفظوں میں طلاق دے کر پھر رجوع کرنے کا اختیار اس وقت ہوتا ہے جب تین طلاقیں نہ دے، ایک یا دو دے۔ جب تین طلاقیں دے دیں تو اب کچھ نہیں ہوسکتا۔

مسئلہ (۲۱): کسی نے اپنی بیوی کو ایک طلاقِ رجعی دی پھر رجوع کیا پھر دو چار سال میں کسی بات پر غصہ آیا تو ایک طلاقِ رجعی اور دے دی، پھر جب غصہ اترا تو رجوع کیا، یہ دو طلاقیں ہوگئیں، اب اس کے بعد اگر کبھی ایک طلاق اور دے گا تو تین پوری ہوجائیں گی اور اس کا حکم یہ ہوگا کہ عدت کے بعد کسی اور سے نکاح اور اس کی موت یا طلاق کی صورت میں

۱- چاہے اکٹھی دی ہوں یا الگ الگ، صحیح احادیث سے یہی ثابت ہے اور امتِ مسلمہ کا اسی پر اجماع ہے۔

عدت گزارے بغیر اس مرد سے نکاح نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح اگر کسی نے طلاقِ بائن دی جس میں رجوع کرنے کا اختیار نہیں ہوتا، پھر پشیمان ہوا اور میاں بیوی نے راضی ہو کر دوبارہ نکاح کر لیا، کچھ زمانہ کے بعد پھر غصہ آیا اور ایک طلاقِ بائن دے دی اور غصہ اترنے کے بعد پھر نکاح کر لیا، یہ دو طلاقیں ہوئیں۔ اب تیسری دفعہ اگر طلاق دے گا تو پھر وہی حکم ہے کہ دوسرا خاوند کیے بغیر اس سے نکاح نہیں کر سکتی۔

حلالہ کی شرط پر نکاح:

مسئلہ (۲۲): اگر دوسرے مرد سے اس شرط پر نکاح ہوا کہ صحبت کر کے عورت کو چھوڑ دے گا تو اس اقرار لینے کا اعتبار نہیں، اس کو اختیار ہے، چاہے چھوڑے یا نہ چھوڑے اور جب جی چاہے چھوڑے اور اس طرح طے کر کے نکاح کرنا بہت بڑا گناہ اور حرام ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے لوگوں پر لعنت ہوتی ہے، لیکن نکاح ہو جاتا ہے، لہٰذا اگر اس نکاح کے بعد دوسرے خاوند نے صحبت کر کے چھوڑ دیا یا مر گیا تو عورت پہلے خاوند کے لیے حلال ہو جائے گی۔

کسی شرط پر طلاق دینا:

مسئلہ (۲۳): نکاح کرنے سے پہلے کسی عورت کو کہا: ''اگر میں تجھ سے نکاح کروں تو تجھے طلاق ہے،'' تو جب اس عورت سے نکاح کرے گا تو نکاح کرتے ہی طلاقِ بائن پڑ جائے گی اور اگر یوں کہا: ''اگر تجھ سے نکاح کروں تو تجھے دو طلاق''، تو دو بائن طلاقیں ہوگئیں اور اگر تین طلاقوں کا کہا تھا تو تینوں ہوگئیں اور عورت مغلظہ ہوگئی۔[1]

مسئلہ (۲۴): نکاح ہوتے ہی جب اس پر طلاق پڑ گئی تو اس نے اسی عورت سے پھر نکاح کر لیا تو اب یہ دوسرا نکاح کرنے سے طلاق نہیں پڑے گی، البتہ اگر یوں کہا ہو: ''جب بھی تجھ سے نکاح کروں تو تجھے طلاق ہے'' تو جب بھی نکاح کرے گا ہر دفعہ طلاق پڑ جایا کرے گی، اب اس عورت کو رکھنے کی کوئی صورت نہیں، اگر دوسرا خاوند کر کے اس مرد سے نکاح کرے گی تو بھی طلاق پڑ جائے گی۔

مسئلہ (۲۵): کسی نے کہا: ''جس عورت سے نکاح کروں اس کو طلاق'' تو جس سے نکاح کرے گا اس پر طلاق پڑ جائے گی، البتہ طلاق پڑنے کے بعد اگر پھر اُسی عورت سے نکاح کر لیا تو طلاق نہیں پڑے گی۔

مسئلہ (۲۶): جس عورت سے ابھی نکاح نہیں کیا اس کو اس طرح کہا: ''اگر تو فلاں کام کرے تو تجھے طلاق'' تو اس کا اعتبار

۱- مغلظہ اس عورت کو کہتے ہیں جسے تین طلاقیں ہو جائیں۔ ایسی عورت مرد پر حرام ہو جاتی ہے اور حلالہ کے بغیر اس سے دوبارہ نکاح بھی نہیں ہوسکتا۔

نہیں، اگر اس سے نکاح کرلیا اور نکاح کے بعد اس نے وہی کام کیا تب بھی طلاق نہیں پڑی، کیونکہ غیر منکوحہ کو طلاق دینے کی یہی صورت ہے کہ یوں کہے: ''اگر تجھ سے نکاح کروں تو طلاق''، اس کے علاوہ کسی اور طریقہ سے اجنبی عورت پر طلاق نہیں پڑسکتی۔

مسئلہ (۲۷): اگر اپنی بیوی سے کہا: ''اگر تو فلاں کام کرے تو تجھے طلاق''، ''اگر میرے پاس سے جائے تو تجھے طلاق''، ''اگر تو اس گھر میں جائے تو تجھے طلاق'' یا اور کسی کام پر طلاق معلق کردی تو جب وہ کام کرے گی تب طلاق پڑ جائے گی، اگر نہیں کرے گی تو نہیں پڑے گی اور طلاقِ رجعی پڑے گی، البتہ اگر کوئی کنائی لفظ کہے کہ اگر تو فلاں کام کرے تو مجھے تجھ سے کوئی واسطہ نہیں تو جب وہ کام کرے گی تب طلاقِ بائن پڑے گی، بشرطیکہ مرد نے یہ الفاظ کہتے وقت طلاق کی نیت کی ہو۔

مسئلہ (۲۸): اگر یوں کہا: ''اگر فلاں کام کرے تو تجھے دو طلاق یا تین طلاق'' تو جتنی طلاقوں کا کہا اتنی پڑیں گی۔

مسئلہ (۲۹): اپنی بیوی سے کہا: ''اگر تو اس گھر میں جائے تو تجھے طلاق'' اور وہ چلی گئی اور طلاق پڑ گئی پھر عدت کے اندر اندر اس نے رجوع کرلیا یا دوبارہ نکاح کرلیا تو اب دوبارہ گھر میں جانے سے طلاق نہیں پڑے گی، البتہ اگر یوں کہا ہو: ''جتنی مرتبہ اس گھر میں جائے ہر مرتبہ تجھ کو طلاق'' یا یوں کہا ہو: ''جب کبھی تو گھر میں جائے ہر مرتبہ تجھے طلاق'' تو اس صورت میں عدت کے اندر یا پھر نکاح کر لینے کے بعد دوسری مرتبہ گھر میں جانے سے دوسری طلاق ہوگئی، پھر عدت کے اندر یا تیسرے نکاح کے بعد اگر تیسری دفعہ گھر میں جائے گی تو تیسری طلاق ہو جائے گی، اب تین طلاقوں کے بعد اس سے نکاح درست نہیں، البتہ اگر دوسرے مرد سے نکاح ہو جانے کے بعد جدائی ہو جائے پھر اس مرد سے نکاح کرے تو اب اس گھر میں جانے سے طلاق نہیں ہوگی۔

مسئلہ (۳۰): کسی نے اپنی بیوی سے کہا: ''اگر تو فلاں کام کرے تو تجھ کو طلاق۔'' ابھی اس نے وہ کام نہیں کیا تھا کہ اس نے ایک فوری طلاق دے دی اور کچھ مدت بعد پھر اس عورت سے نکاح کیا اور اس نکاح کے بعد اب اس نے وہی کام کیا تو طلاق واقع ہوگئی اور اگر طلاق پانے کے بعد عدت کے اندر اس نے وہی کام کیا تب بھی دوسری طلاق ہوگئی، البتہ اگر طلاق پانے اور عدت گزر جانے کے بعد اس نکاح سے پہلے اس نے وہی کام کرلیا اور پھر دونوں کا نکاح ہو گیا تو اس نکاح کے بعد اب وہ کام کرنے سے طلاق نہیں ہوگی۔

مسئلہ (۳۱): کسی نے اپنی بیوی سے کہا: ''اگر تجھے حیض آئے تو تجھے طلاق۔'' اس کے بعد اس نے خون دیکھا تو ابھی سے طلاق واقع نہ ہوگی بلکہ جب پورے تین دن تین رات خون آتا رہے تو اس کے بعد یہ حکم لگایا جائے گا کہ جس وقت سے

خون آیا تھا اسی وقت طلاق ہوگئی تھی اور اگر یوں کہا: ''جب تجھے ایک حیض آئے یا پورا حیض تو تجھے طلاق'' تو حیض کے ختم ہونے پر طلاق واقع ہوگی۔

مسئلہ ۳۲: اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا: ''اگر تو روزہ رکھے تو تجھے طلاق'' تو روزہ رکھتے ہی فوراً طلاق ہو جائے گی، البتہ اگر یوں کہا: ''اگر تو ایک روزہ رکھے یا پورا دن روزہ رکھے تو تجھے طلاق'' تو روزہ کے مکمل ہونے پر طلاق واقع ہوگی، اگر روزہ توڑ دے تو طلاق نہ ہوگی۔

مسئلہ ۳۳: عورت نے گھر سے باہر جانے کا ارادہ کیا، مرد نے کہا: ''ابھی مت جاؤ'' عورت نہ مانی، اس پر مرد نے کہا: ''اگر تو باہر جائے تو تجھے طلاق'' تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر فوراً باہر جائے گی تو طلاق ہو جائے گی اور اگر فوراً نہ گئی، کچھ دیر بعد گئی تو طلاق نہیں ہوگی، کیونکہ اس کا مطلب یہی تھا کہ ابھی مت جاؤ، بعد میں جانا، یہ مطلب نہیں تھا کہ عمر بھر کبھی نہیں جانا۔

مسئلہ ۳۴: کسی نے یوں کہا: ''جس دن تجھ سے نکاح کروں، تجھ کو طلاق'' پھر رات کے وقت نکاح کیا تب بھی طلاق پڑ گئی، کیونکہ بول چال میں اس کا مطلب یہ ہے کہ جس وقت تجھ سے نکاح کروں تجھے طلاق ہے۔

بیمار کی طلاق:

مسئلہ ۳۵: بیماری کی حالت میں کسی نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، پھر عورت کی عدت ابھی ختم نہیں ہوئی تھی کہ اسی بیماری میں مر گیا تو شوہر کے مال میں سے بیوی کا جتنا حصہ ہوتا ہے اتنا اس عورت کو بھی ملے گا، چاہے ایک طلاق دی ہو یا دو تین اور چاہے طلاقِ رجعی دی ہو یا بائن، سب کا ایک ہی حکم ہے۔ اگر عدت ختم ہونے کے بعد مرا تو عورت میراث میں حصہ دار نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر مرد اسی بیماری میں نہیں مرا، بلکہ تندرست ہو گیا، پھر بیمار ہو گیا تب بھی عورت حصہ نہیں پائے گی، چاہے عدت ختم ہو چکی ہو یا نہ ختم ہوئی ہو۔

مسئلہ ۳۶: عورت نے طلاق مانگی تھی، اس لیے مرد نے طلاق دے دی، تب بھی عورت میراث کی مستحق نہیں، چاہے شوہر عدت کے اندر انتقال کرے یا عدت کے بعد، دونوں کا ایک ہی حکم ہے، البتہ اگر طلاقِ رجعی دی ہو اور عدت کے اندر انتقال کر جائے تو میراث پائے گی۔

مسئلہ ۳۷: بیماری کی حالت میں عورت سے کہا: ''اگر تو گھر سے باہر جائے تو تجھے بائن طلاق ہے'' پھر عورت باہر گئی اور طلاق بائن پڑ گئی تو اس صورت میں حصہ نہیں پائے گی، کیونکہ اس نے خود ایسا کام کیا جس سے طلاق پڑی اور اگر یوں

کہا: ''اگر تو کھانا کھائے تو تجھ کو طلاقِ بائن ہے'' یا یوں کہا: ''اگر تو نماز پڑھے تو تجھے طلاقِ بائن ہے،'' ایسی صورت میں اگر وہ عدت کے اندر مر جائے گا تو عورت کو حصہ ملے گا، کیونکہ عورت کے اختیار سے طلاق نہیں پڑی، کھانا کھانا اور نماز پڑھنا تو ضروری ہے، اس کو چھوڑ نہیں سکتی تھی اور اگر طلاقِ رجعی دی ہو تو پہلی صورت میں بھی (یعنی جب غیر ضروری کام کیا) عدت کے اندر اندر مرنے سے حصہ پائے گی۔ غرض یہ کہ طلاقِ رجعی میں بہر حال حصہ ملتا ہے، بشرطیکہ عدت کے اندر فوت ہوا ہو۔

مسئلہ (۳۸): کسی تندرست آدمی نے اپنی بیوی سے کہا: ''جب تو گھر سے باہر نکلے تو تجھے طلاقِ بائن ہے''، پھر جس وقت وہ گھر سے باہر نکلی، اس وقت وہ بیمار تھا اور اسی بیماری میں عدت کے اندر مر گیا تب بھی عورت حصہ نہیں پائے گی، [کیونکہ عورت کے ایسے فعل سے طلاق پڑی جو ضروری نہ تھا اس لیے کہ یہاں وہ صورت مراد ہے جس میں عورت گھر سے نکلنے پر مجبور نہیں تھی گویا عورت نے خود طلاق کو اختیار کیا۔]

مسئلہ (۳۹): تندرستی کے زمانہ میں کہا: ''جب تیرا باپ آئے تو تجھے بائن طلاق''، جب وہ آیا تو اس وقت وہ مرد بیمار تھا اور اسی بیماری میں مر گیا تو حصہ نہیں پائے گی اور اگر بیماری کی حالت میں یہ کہا ہو اور اسی بیماری میں عدت کے اندر مر گیا ہو تو حصہ پائے گی، [کیونکہ پہلی صورت میں شوہر کی طرف سے بیوی کو میراث سے محروم کرنے کا قصد نہیں پایا گیا، اس لیے کہ حالتِ صحت میں شوہر کے مال میں بیوی کا حق متعلق نہیں ہوتا، دوسری صورت میں بیوی کا حق متعلق ہو گیا تھا، شوہر نے اس کو محروم کرنے کی کوشش کی لہٰذا عورت محروم نہیں ہو گی۔]

طلاقِ رجعی کے بعد رجوع:

مسئلہ (۴۰): جب کسی نے ایک یا دو رجعی طلاقیں دیں تو عدت ختم ہونے سے پہلے پہلے مرد کو اختیار ہے کہ اس سے رجوع کرے، اس صورت میں دوبارہ نکاح کرنے کی ضرورت نہیں، عورت چاہے راضی ہو یا راضی نہ ہو، اس کو اختیار نہیں اور اگر تین طلاقیں دے دیں تو اس کا حکم پہلے بیان ہو چکا ہے، اس میں رجوع کا اختیار نہیں۔

مسئلہ (۴۱): رجوع کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ یا تو صاف صاف زبان سے کہہ دے کہ میں تجھ سے رجوع کرتا ہوں یا عورت سے نہیں کہا کسی اور سے کہا کہ میں نے اپنی بیوی سے رجوع کر لیا، بس اتنا کہہ دینے سے وہ دوبارہ اس کی بیوی ہو گئی۔

مسئلہ (۴۲): رجوع کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ زبان سے تو کچھ نہیں کہا، لیکن عورت سے صحبت کر لی یا اس کا بوسہ لیا، پیار کیا یا شہوت کے ساتھ اس کو ہاتھ لگایا تو ان سب صورتوں میں پھر وہ اس کی بیوی بن گئی، دوبارہ نکاح کرنے کی ضرورت نہیں۔

مسئلہ ۴۳: جب طلاق سے رجوع کرنے کا ارادہ ہو تو بہتر ہے کہ دو چار لوگوں کو گواہ بنا لے، کیونکہ شاید کبھی کوئی اختلاف یا تنازع پیش آئے تو کوئی انکار نہ کر سکے۔ اگر کسی کو گواہ نہ بنایا، تب بھی رجوع صحیح ہے۔

مسئلہ ۴۴: اگر عورت کی عدت گزر گئی تو اس کے بعد رجوع نہیں کر سکتا، اب اگر عورت راضی ہو تو دوبارہ نکاح کرنا پڑے گا، نکاح کیے بغیر عورت کو نہیں رکھ سکتا۔ اگر شوہر رکھے بھی تو عورت کے لیے اس کے پاس رہنا درست نہیں۔

مسئلہ ۴۵: جس عورت کو حیض آتا ہو اس کے لیے طلاق کی عدت تین حیض ہیں۔ جب تین حیض پورے ہو جائیں تو عدت گزر جائے گی، پھر اگر تیسرا حیض پورے دس دن آیا ہے تب تو جس وقت خون بند ہوا اور دس دن پورے ہوئے اس وقت عدت ختم ہو گئی اور رجوع کرنے کا جو اختیار مرد کو تھا وہ ختم ہو گیا، چاہے عورت نہا چکی ہو یا ابھی تک نہ نہائی ہو اور اگر تیسرا حیض دس دن سے کم آیا اور خون بند ہو گیا، لیکن ابھی عورت نے غسل نہیں کیا اور نہ کوئی نماز اس کے اوپر واجب ہوئی تو اب بھی مرد کا اختیار باقی ہے، البتہ اگر خون بند ہونے پر اس نے غسل کر لیا یا غسل تو نہیں کیا، لیکن ایک نماز کا وقت گزر گیا، یعنی ایک نماز کی قضا اس کے ذمے واجب ہو گئی، ان دونوں صورتوں میں مرد کا اختیار ختم ہو گیا۔ اب نکاح کیے بغیر عورت کو نہیں رکھ سکتا۔

مسئلہ ۴۶: جس عورت سے ابھی صحبت نہ کی ہو، اگرچہ تنہائی ہو چکی ہو، اس کو ایک طلاق دینے سے رجوع کا اختیار نہیں رہتا کیونکہ اس کو جو طلاق دی جائے گی وہ طلاقِ بائن ہو گی، جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا۔

مسئلہ ۴۷: اگر دونوں ایک جگہ تنہائی میں تو رہے، لیکن مرد کہتا ہے کہ میں نے صحبت نہیں کی، پھر اس اقرار کے بعد طلاق دے دی تو رجوع کا اختیار نہیں رہا۔

مسئلہ ۴۸: جس عورت کو ایک یا دو رجعی طلاق ملی ہوں، جس میں مرد کو طلاق سے رجوع کا اختیار رہتا ہے، ایسی عورت کے لیے مناسب ہے کہ خوب بناؤ سنگار کر کے رہا کرے، شاید مرد کا دل اس کی طرف راغب ہو اور رجوع کر لے۔ اگر مرد کا ارادہ رجوع کرنے کا نہ ہو تو اس کے لیے مناسب ہے کہ جب گھر میں آئے تو کھانس کھنکار کر آئے تا کہ وہ اپنا بدن اگر کچھ کھلا ہو تو چھپا لے اور کسی بے موقع جگہ نگاہ نہ پڑے اور جب عدت پوری ہو جائے تو عورت کہیں اور جا کر رہے۔

مسئلہ ۴۹: جس عورت کو ایک یا دو بائن طلاقیں دے دیں تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر کسی اور مرد سے نکاح کرنا چاہے تو عدت کے بعد نکاح کرے، عدت کے اندر نکاح درست نہیں اور خود اسی شوہر سے نکاح کرنا ہو تو عدت کے اندر بھی ہو سکتا ہے۔

اِیلا

(بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھانا)

مسئلہ ①: جس نے قسم کھالی اور بیوی سے کہا: ''اللہ کی قسم! اب صحبت نہیں کروں گا'' یا بیوی سے کہا: ''اللہ کی قسم! تجھ سے کبھی صحبت نہیں کروں گا''، ''قسم کھاتا ہوں کہ تجھ سے صحبت نہیں کروں گا'' تو اس طرح کے الفاظ کا حکم یہ ہے کہ اگر اس نے صحبت نہیں کی تو چار مہینے گزرنے پر عورت کو طلاقِ بائن ہو جائے گی اور اگر چار مہینے کے اندر ہی اندر اس نے اپنی قسم توڑ ڈالی اور صحبت کر لی تو طلاق نہیں ہوگی، البتہ قسم توڑنے کا کفارہ دینا پڑے گا، ایسی قسم کھانے کو شریعت میں ''ایلا'' کہتے ہیں۔

مسئلہ ②: ہمیشہ کے لیے صحبت نہ کرنے کی قسم نہیں کھائی بلکہ صرف چار مہینے کے لیے قسم کھائی اور یوں کہا: ''اللہ کی قسم! چار مہینے تک تجھ سے صحبت نہیں کروں گا'' تو اس سے ایلا ہو گیا، اس کا بھی یہی حکم ہے کہ اگر چار مہینے تک صحبت نہیں کرے گا تو طلاقِ بائن پڑ جائے گی اور اگر چار مہینے سے پہلے صحبت کر لی تو قسم کا کفارہ دیدے۔

مسئلہ ③: اگر چار مہینے سے کم کے لیے قسم کھائی تو اس کا اعتبار نہیں، اس سے ایلا نہیں ہوگا۔ چار مہینے سے ایک دن بھی کم کر کے قسم کھائے تب بھی ایلا نہیں ہوگا، البتہ جتنے دنوں کی قسم کھائی ہے اتنے دنوں سے پہلے پہلے صحبت کرے گا تو قسم توڑنے کا کفارہ دینا پڑے گا اور اگر صحبت نہیں کی تو عورت کو طلاق نہیں ہوگی اور قسم بھی پوری ہو جائے گی۔

مسئلہ ④: کسی نے صرف چار مہینے کے لیے قسم کھائی اور پھر اپنی قسم نہیں توڑی تو چار مہینے کے بعد طلاق ہو جائے گی اور طلاق کے بعد اگر پھر اسی مرد سے نکاح ہو گیا تو اب اس نکاح کے بعد اگر چار مہینے تک صحبت نہ کرے تو کوئی حرج نہیں، اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی اور اگر ہمیشہ کے لیے قسم کھالی اور یوں کہا: ''قسم کھاتا ہوں کہ اب تجھ سے صحبت نہیں کروں گا'' یا یوں کہا: ''اللہ کی قسم! تجھ سے کبھی صحبت نہیں کروں گا''، پھر اپنی قسم نہیں توڑی اور چار مہینے کے بعد طلاق ہو گئی، اس کے بعد پھر اسی سے نکاح کر لیا اور نکاح کے بعد پھر چار مہینے تک صحبت نہیں کی تو اب پھر دوسری طلاق ہو جائے گی اور اب دوسرے شوہر سے نکاح کیے بغیر اس سے نکاح بھی نہیں ہو سکتا، اگر دوسرے یا تیسرے نکاح کے بعد صحبت کر لیتا تو قسم ٹوٹ جاتی اور طلاق نہ ہوتی، البتہ قسم توڑنے کا کفارہ دینا پڑتا۔

مسئلہ ⑤: اگر اسی طرح یکے بعد دیگرے تینوں نکاحوں میں تین طلاقیں ہو گئیں، اس کے بعد عورت نے دوسرے

شوہر سے نکاح کر لیا، جب اس نے چھوڑ دیا تو عدت پوری کر کے پھر اسی مرد سے نکاح کر لیا اور اس نے پھر صحبت نہیں کی تو اب طلاق نہیں ہوگی، چاہے جب تک صحبت نہ کرے، لیکن جب کبھی صحبت کرے گا تو قسم کا کفارہ دینا پڑے گا، کیونکہ قسم تو یہ کھائی تھی کہ کبھی صحبت نہیں کروں گا، وہ ٹوٹ گئی۔

مسئلہ (۶): اگر عورت کو طلاقِ بائن دے دی، پھر اس سے صحبت نہ کرنے کی قسم کھالی تو ایلا نہیں ہوا، دوبارہ نکاح کرنے کے بعد اگر صحبت نہ کرے تو طلاق نہیں ہوگی، لیکن جب صحبت کرے گا تو قسم توڑنے کا کفارہ دینا پڑے گا اور اگر طلاقِ رجعی دینے کے بعد عدت کے اندر ایسی قسم کھائی تو ایلا ہو گیا، اب اگر رجوع کر لے اور صحبت نہ کرے تو چار مہینے کے بعد طلاق ہو جائے گی اور اگر صحبت کر لی تو قسم کا کفارہ دے۔

مسئلہ (۷): اللہ کی قسم نہیں کھائی بلکہ یوں کہا: ''اگر تجھ سے صحبت کروں تو تجھ کو طلاق ہے''، تب بھی ایلا ہو گیا، صحبت کرے گا تو رجعی طلاق ہو جائے گی اور قسم کا کفارہ اس صورت میں نہیں دینا پڑے گا اور اگر صحبت نہیں کی تو چار مہینے کے بعد طلاقِ بائن ہو جائے گی اور اگر یوں کہا: ''اگر تجھ سے صحبت کروں تو میرے ذمہ ایک حج ہے یا ایک روزہ ہے یا اتنے روپیہ کی خیرات ہے یا ایک قربانی ہے'' تو ان سب صورتوں میں ایلا ہو گیا، اگر صحبت کرے گا تو جو بات کہی ہے وہ کرنا پڑے گی اور کفارہ نہیں دینا پڑے گا اور اگر صحبت نہیں کی تو چار مہینے کے بعد طلاق ہو جائے گی۔

خلع

مسئلہ ١: اگر میاں بیوی میں کسی طرح نباہ نہ ہو سکے اور مرد طلاق بھی نہ دیتا ہو تو عورت کے لیے جائز ہے کہ کچھ مال دے کر یا اپنا مہر دے کر مرد سے کہے: ''اتنا روپیہ لے کر میری جان چھوڑ دو'' یا یوں کہے: ''جو میرا مہر تیرے ذمہ ہے اس کے عوض میری جان چھوڑ دو'' اس کے جواب میں مرد کہے: ''میں نے چھوڑ دیا'' تو اس سے عورت پر ایک طلاقِ بائن پڑ گئی۔ مرد کو اس میں رجوع کا اختیار نہیں، البتہ اگر مرد نے اسی جگہ بیٹھے بیٹھے جواب نہیں دیا بلکہ اس جگہ سے اٹھ گیا یا مرد تو نہیں اٹھا، عورت اٹھ گئی، پھر مرد نے کہا میں نے چھوڑ دیا تو اس سے کچھ نہیں ہوا، جواب اور سوال دونوں ایک ہی جگہ ہونے چاہییں، اس طرح نکاح ختم کر کے جان چھڑانے کو ''خلع'' کہتے ہیں۔

مسئلہ ٢: مرد نے کہا: ''میں نے تجھ سے خلع کیا'' عورت نے کہا: ''میں نے قبول کیا'' تو خلع ہو گیا، البتہ اگر عورت نے اسی جگہ جواب نہ دیا اور وہاں سے اٹھ گئی یا عورت نے قبول ہی نہ کیا تو خلع نہیں ہوا، لیکن عورت اگر اپنی جگہ بیٹھی رہی اور مرد یہ کہہ کر اٹھ گیا اور عورت نے اس کے اٹھنے کے بعد قبول کیا تو خلع ہو گیا۔

مسئلہ ٣: مرد نے صرف اتنا کہا کہ میں نے تجھ سے خلع کیا اور عورت نے قبول کر لیا، روپے پیسے کا ذکر نہ مرد نے کیا نہ عورت نے، تب بھی جو حق مرد کا عورت پر ہے اور جو حق عورت کا مرد پر ہے، سب معاف ہو گیا، اگر مرد کے ذمے مہر باقی ہو تو وہ بھی معاف ہو گیا اور اگر عورت مہر حاصل کر چکی ہے تو اس کا واپس کرنا واجب نہیں، البتہ عدت کے ختم ہونے تک روٹی، کپڑا اور رہنے کا گھر دینا پڑے گا، لیکن اگر عورت نے کہہ دیا کہ عدت کا روٹی، کپڑا اور رہنے کا گھر بھی تجھ سے نہیں لوں گی تو وہ بھی معاف ہو گیا۔

مسئلہ ٤: اگر اس کے ساتھ کچھ مال کا ذکر بھی کر دیا، جیسے یوں کہا: ''سو روپے کے عوض میں نے تجھ سے خلع کیا''، پھر عورت نے قبول کر لیا تو خلع ہو گیا، اب عورت کے ذمے سو روپے دینے واجب ہو گئے۔ اپنا مہر لے چکی ہو تب بھی سو روپے دینے پڑیں گے اور اگر مہر ابھی تک نہ لیا ہو تب بھی دینے پڑیں گے اور مہر بھی نہیں ملے گا کیونکہ وہ خلع کی وجہ سے معاف ہو گیا۔

مسئلہ ٥: خلع میں اگر مرد کا قصور ہو تو مرد کے لیے روپیہ اور مال لینا یا جو مہر مرد کے ذمے ہے اس کے عوض میں خلع کرنا بڑا گناہ اور حرام ہے، اگر کچھ مال لے لیا تو اس کو اپنے خرچ میں لانا بھی حرام ہے اور اگر عورت ہی کا قصور ہو تو جتنا مہر دیا ہے اس سے

زیادہ مال نہیں لینا چاہیے، مہر ہی کے عوض میں خلع کرلے۔ اگر مہر سے زیادہ لے لیا تو بھی نامناسب تو ہوا لیکن گناہ نہیں۔

مسئلہ ۶: عورت خلع کرنے پر راضی نہیں تھی، مرد نے اس پر زبردستی کی اور خلع کرنے پر مجبور کیا یعنی مار پیٹ کر، دھمکا کر خلع کیا تو طلاق ہوگئی، لیکن مال عورت پر واجب نہیں ہوا اور اگر مرد کے ذمے مہر باقی ہو تو وہ بھی معاف نہیں ہوا۔

مسئلہ ۷: یہ سب باتیں اس وقت ہیں جب خلع کا لفظ کہا ہو یا یوں کہا: ''سو روپے پر یا ہزار روپے کے عوض میں میری جان چھوڑ دے'' یا یوں کہا: ''میرے مہر کے عوض میں مجھے چھوڑ دے'' اور اگر اس طرح نہیں کہا بلکہ طلاق کا لفظ کہا، جیسے یوں کہے: سو روپے کے عوض میں مجھے طلاق دے دے تو اس کو خلع نہیں کہیں گے۔ اگر مرد نے اس مال کے عوض طلاق دے دی تو ایک طلاقِ بائن پڑ گئی اور اس میں کوئی حق معاف نہیں ہوا، نہ وہ حق معاف ہوئے جو مرد کے اوپر ہیں اور نہ وہ جو عورت کے اوپر ہیں۔ مرد نے اگر مہر نہ دیا ہو تو وہ بھی معاف نہیں ہوا، عورت اس کی دعویدار ہو سکتی ہے اور مرد یہ سو روپے عورت سے لے لے گا۔

مسئلہ ۸: مرد نے کہا میں نے سو روپے کے بدلے طلاق دی تو عورت کے قبول کرنے پر موقوف ہے، اگر قبول نہ کرے تو نہیں پڑے گی اور اگر قبول کرلے تو ایک طلاقِ بائن پڑے گی لیکن جس جگہ مرد کی یہ پیش کش سنی تھی اگر وہ جگہ بدل جانے کے بعد قبول کیا تو طلاق نہیں پڑی۔

مسئلہ ۹: عورت نے کہا مجھے طلاق دیدو، مرد نے کہا تو اپنا مہر وغیرہ، اپنے سب حق معاف کردے تو طلاق دے دوں گا۔ اس پر عورت نے کہا: ''اچھا میں نے معاف کیا''، اس کے بعد مرد نے طلاق نہیں دی تو کچھ معاف نہیں ہوا اور اگر اسی مجلس میں طلاق دے دی تو معاف ہوگیا۔

مسئلہ ۱۰: عورت نے کہا: ''تین سو روپے کے بدلے مجھے تین طلاقیں دے دو''، اس پر مرد نے ایک ہی طلاق دی تو صرف ایک سو روپے مرد کو ملیں گے اور اگر دو طلاقیں دیں تو دو سو روپے اور اگر تینوں دے دیں تو پورے تین سو روپے عورت سے دلائے جائیں گے اور سب صورتوں میں طلاقِ بائن ہو جائے گی، کیونکہ طلاق مال کے بدلے میں ہے۔

مسئلہ ۱۱: نابالغ لڑکا اور پاگل آدمی اپنی بیوی سے خلع نہیں کرسکتا۔

ظہار

(بیوی کو ماں کے ساتھ تشبیہ دینا)

مسئلہ ①: کسی نے اپنی بیوی سے کہا: ''تو میری ماں کے برابر ہے'' یا یوں کہا: ''تو میرے لیے ماں کے برابر ہے، تو میرے نزدیک ماں کے برابر ہے، اب تو میرے نزدیک ماں جیسی ہے، ماں کی طرح ہے''، تو دیکھو اسکا کیا مطلب ہے؟

اگر یہ مطلب لیا کہ عزت و احترام میں ماں کے برابر ہے یا یہ مطلب لیا کہ تو بالکل بڑھیا ہے، عمر میں میری ماں کے برابر ہے، تب تو اس طرح کہنے سے کچھ نہیں ہوا۔ اسی طرح اگر یہ الفاظ کہتے وقت کوئی نیت نہیں کی اور کوئی مطلب نہیں لیا، یوں ہی کہہ دیا تب بھی کچھ نہیں ہوا اور اگر اس طرح کہنے سے طلاق دینے اور چھوڑنے کی نیت کی ہے تو اس کو ایک طلاقِ بائن ہوگئی اور اگر طلاق دینے کی بھی نیت نہیں تھی اور عورت کا چھوڑنا بھی مقصود نہیں تھا، بلکہ مطلب صرف اتنا ہے کہ اگرچہ تو میری بیوی ہے، اپنے نکاح سے تجھ کو الگ نہیں کرتا لیکن اب تجھ سے کبھی صحبت نہیں کروں گا، تجھ سے صحبت کرنے کو اپنے اوپر حرام کرلیا۔ غرض یہ کہ اس کے چھوڑنے کی نیت نہیں کی، صرف صحبت کو اپنے اوپر حرام کرلیا، اس کو شریعت میں ''ظہار'' کہتے ہیں۔ اس کا حکم یہ ہے کہ وہ عورت رہے گی تو اسی کے نکاح میں، لیکن مرد جب تک اس کا کفارہ نہ ادا کرے تب تک صحبت کرنا یا شہوت کے ساتھ ہاتھ لگانا، چومنا، پیار کرنا حرام ہے، جب تک کفارہ نہیں دے گا وہ عورت اس پر حرام رہے گی، چاہے جتنے سال بھی گزر جائیں۔ جب کفارہ دے دے تو دونوں میاں بیوی کی طرح رہ سکیں گے، دوبارہ سے نکاح کرنے کی ضرورت نہیں اور اس کا کفارہ اسی طرح دیا جاتا ہے جس طرح روزہ توڑنے کا کفارہ دیا جاتا ہے۔

مسئلہ ②: اگر کفارہ دینے سے پہلے ہی صحبت کرلی تو بڑا گناہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ سے توبہ استغفار کرے اور اب سے پکا ارادہ کرے کہ بغیر کفارہ دیے پھر کبھی صحبت نہیں کروں گا اور عورت کو چاہیے کہ جب تک مرد کفارہ نہ دے تب تک اس کو اپنے پاس نہ آنے دے۔

مسئلہ ③: اگر بہن کے برابر یا بیٹی یا پھوپھی یا اور کسی ایسی عورت کے برابر کہا جس کے ساتھ نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہوتا ہے تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔

مسئلہ ④: کسی نے کہا: ''تو میرے لیے خنزیر کے برابر ہے'' تو اگر طلاق دینے اور چھوڑنے کی نیت تھی تو طلاق ہو

گئی اور اگر ظہار کی نیت کی یعنی یہ مطلب لیا کہ طلاق تو نہیں دیتا، لیکن صحبت کو اپنے اوپر حرام کرتا ہوں تو کچھ نہیں ہوا، اسی طرح اگر کچھ نیت نہیں کی تب بھی کچھ نہیں ہوا۔

مسئلہ ⑤: اگر ظہار میں چار مہینے یا اس سے زیادہ مدت تک صحبت نہیں کی اور کفارہ نہیں دیا تو طلاق نہیں ہوگی، اس سے ایلا نہیں ہوتا۔

مسئلہ ⑥: جب تک کفارہ نہ دے تب تک دیکھنا، بات چیت کرنا حرام نہیں، البتہ شرم گاہ کو دیکھنا درست نہیں۔

مسئلہ ⑦: اگر ہمیشہ کے لیے ظہار نہیں کیا بلکہ کچھ مدت مقرر کردی، مثلاً یوں کہا: ''سال بھر کے لیے یا چار مہینے کے لیے تو میرے لیے ماں کے برابر ہے'' تو جتنی مدت مقرر کی ہے اتنی مدت تک ظہار رہے گا، اگر اس مدت کے اندر صحبت کرنا چاہے تو کفارہ دے اور اگر اس مدت کے بعد صحبت کرے تو کچھ نہیں دینا پڑے گا، عورت حلال ہو جائے گی۔

مسئلہ ⑧: ظہار میں بھی اگر فوراً ان شاء اللہ کہہ دیا تو کچھ نہیں ہوا۔

مسئلہ ⑨: نابالغ لڑکا اور پاگل آدمی ظہار نہیں کرسکتا، اگر کرے گا تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا، اسی طرح اگر کوئی کسی اجنبی عورت سے ظہار کرے جس سے ابھی نکاح نہیں کیا ہے تو بھی کچھ نہیں ہوتا، اس سے نکاح کرنا درست ہے۔

مسئلہ ⑩: ظہار کا لفظ اگر کئی دفعہ کہے تو جتنی دفعہ کہا اتنی ہی دفعہ کفارہ دینا پڑے گا، البتہ اگر دوسری اور تیسری مرتبہ کہنے سے پہلی کی تاکید کی نیت کی ہو، نئے سرے سے ظہار مقصود نہ ہو تو ایک ہی کفارہ دے۔

مسئلہ ⑪: اگر کئی بیویوں سے ایسا کہا تو جتنی بیویاں ہوں گی اتنے ہی کفارے دینے ہوں گے۔

مسئلہ ⑫: اگر برابر کا لفظ نہیں کہا، نہ مثل اور طرح کا لفظ کہا، بلکہ یوں کہا: ''تو میری ماں ہے'' یا یوں کہا: ''تو میری بہن ہے'' تو اس سے کچھ نہیں ہوا، عورت حرام نہیں ہوئی، لیکن ایسا کہنا برا اور گناہ ہے، اسی طرح پکارتے وقت بیوی کو یوں کہنا: ''میری بہن فلاں کام کردو!'' یہ بھی برا ہے، مگر اس سے بھی کچھ نہیں ہوتا۔

مسئلہ ⑬: کسی نے یوں کہا: ''اگر تجھ کو رکھوں تو ماں کو رکھوں'' یا یوں کہا: ''اگر تجھ سے صحبت کروں تو گویا ماں سے کروں''، اس سے بھی کچھ نہیں ہوا۔

مسئلہ ⑭: اگر یوں کہا: ''تو میرے لیے ماں کی طرح حرام ہے'' تو اگر طلاق دینے کی نیت کی ہو تو طلاق ہو جائے گی اور اگر ظہار کی نیت کی ہو یا کوئی نیت نہ کی ہو تو ظہار ہو جائے گا، کفارہ دے کر صحبت کرنا درست ہے۔

ظہار کا کفارہ:

مسئلہ ۱: ظہار کا کفارہ وہی ہے جو روزہ کا کفارہ ہے، دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

مسئلہ ۲: اگر طاقت ہو تو مرد ساٹھ روزے لگا تار رکھے، درمیان میں کوئی روزہ چھوٹنے نہ پائے اور جب تک روزے پورے نہ ہو جائیں اس وقت تک عورت سے صحبت نہ کرے، اگر روزے مکمل ہونے سے پہلے اسی عورت سے صحبت کر لی تو تمام روزے نئے سرے سے رکھے، چاہے دن کو اس عورت سے صحبت کی ہو یا رات کو اور چاہے قصداً کی ہو یا بھول کر، سب کا ایک ہی حکم ہے۔

مسئلہ ۳: اگر پہلی تاریخ سے روزے رکھنا شروع کیے تو چاند کے حساب سے پورے دو مہینے روزے رکھ لے، چاہے پورے ساٹھ دن ہوں اور تیس تیس دن کا مہینہ ہو یا اس سے کم دن ہوں، دونوں طرح کفارہ ادا ہو جائے گا اور اگر پہلی تاریخ سے روزے رکھنا شروع نہیں کیے بلکہ مہینے کے درمیان سے رکھنا شروع کیے تو پورے ساٹھ دن روزے رکھے۔

مسئلہ ۴: اگر روزے کی طاقت نہ ہو تو ساٹھ فقیروں کو دو وقت کا کھانا کھلائے یا کچا اناج دیدے، اگر سب فقیروں کو ابھی نہیں کھلایا تھا کہ درمیان میں صحبت کر لی تو گناہ تو ہوا مگر اس صورت میں کفارہ دوبارہ نہیں دینا پڑے گا۔

مسئلہ ۵: کسی کے ذمے ظہار کے دو کفارے تھے، اس نے ساٹھ مسکینوں کو چار چار سیر گیہوں دے دیے اور یہ سمجھا کہ ہر کفارے سے دو دو سیر دیتا ہوں، تب بھی ایک ہی کفارہ ادا ہوا، دوسرا کفارہ پھر ادا کرے اور اگر ایک کفارہ روزہ توڑنے کا تھا، دوسرا ظہار کا تو دونوں ادا ہو گئے۔

لعان

(بیوی پر تہمت لگانے کا حکم)

مسئلہ ۱: جب کوئی اپنی بیوی پر زِنا کی تہمت لگائے یا جو بچہ پیدا ہوا اس کے بارے میں کہے کہ یہ میرا بچہ نہیں، نہ معلوم کس کا ہے؟ تو اس کا حکم یہ ہے کہ عورت قاضی اور شرعی حاکم کے پاس جائے، حاکم دونوں سے باری باری قسم لے لے۔ پہلے شوہر سے اس طرح کہلائے کہ میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں: جو تہمت میں نے اس پر لگائی ہے اس میں میں سچا ہوں۔ چار دفعہ اسی طرح کہے، پھر پانچویں دفعہ کہے: ''اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔'' جب مرد پانچوں دفعہ کہہ

دے تو عورت چار مرتبہ اس طرح کہے: ''میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر کہتی ہوں کہ اس نے جو تہمت مجھ پر لگائی ہے اس تہمت میں یہ جھوٹا ہے'' اور پانچویں دفعہ کہے: ''اگر اس تہمت میں یہ سچا ہو تو مجھ پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہو۔'' جب دونوں قسم کھالیں تو حاکم دونوں میں جدائی کرا دے گا اور ایک طلاقِ بائن ہو جائے گی اور اب یہ بچہ باپ کا نہیں کہلائے گا، ماں کے حوالے کر دیا جائے گا، اس کو شریعت میں ''لعان'' کہتے ہیں۔

عدت کا بیان

مسئلہ ۱: جب کسی عورت کا شوہر طلاق دیدے یا خلع اور ایلا وغیرہ سے نکاح ختم ہو جائے یا شوہر مر جائے تو ان سب صورتوں میں کچھ مدت تک عورت کو ایک ہی گھر میں رہنا پڑتا ہے، جب تک یہ مدت ختم نہ ہو جائے اس وقت تک کہیں اور نہیں جا سکتی اور نہ ہی کسی اور مرد سے نکاح کر سکتی ہے۔ جب وہ مدت پوری ہو جائے تو جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے۔ اس طرح یہ مدت گزارنے کو ''عدت'' کہتے ہیں۔

مسئلہ ۲: اگر شوہر نے طلاق دے دی تو تین حیض آنے تک شوہر ہی کے گھر جس میں طلاق دی ہے، بیٹھی رہے۔ اس گھر سے باہر نہ نکلے، نہ دن کو نہ رات کو، نہ کسی دوسرے سے نکاح کرے۔ جب پورے تین حیض ختم ہو گئے تو عدت پوری ہو گئی اور گھر سے نکلنے اور نکاح کرنے کی پابندی ختم ہو گئی۔ مرد نے چاہے ایک طلاق دی ہو یا دو تین طلاقیں دی ہوں اور طلاق بائن دی ہو یا رجعی، سب کا ایک ہی حکم ہے۔

مسئلہ ۳: اگر چھوٹی لڑکی کو طلاق ہو گئی جس کو ابھی حیض نہیں آتا یا اتنی بڑھیا ہے کہ اب حیض آنا بند ہو گیا ہے، ان دونوں کی عدت تین مہینے ہے۔

مسئلہ ۴: کسی لڑکی کو طلاق ہو گئی اور اس نے مہینوں کے حساب سے عدت شروع کی، پھر عدت کے اندر ہی ایک یا دو مہینہ کے بعد حیض آ گیا تو اب پورے تین حیض آنے تک عدت گزارے، جب تک تین حیض پورے نہ ہوں عدت ختم نہیں ہو گی۔

مسئلہ ۵: اگر کسی کو حمل ہے اور اسی زمانہ میں طلاق ہو گئی تو بچہ پیدا ہونے تک بیٹھی رہے، یہی اس کی عدت ہے۔ جب بچہ پیدا ہو گا تو عدت ختم ہو گی۔ طلاق کے بعد تھوڑی ہی دیر میں اگر بچہ پیدا ہو گیا تب بھی عدت ختم ہو گئی۔

مسئلہ ٦: اگر کسی نے حیض کے زمانہ میں طلاق دے دی تو جس حیض میں طلاق دی ہے وہ شمار نہیں ہوگا اس کے علاوہ تین حیض پورے کرے۔

مسئلہ ٧: طلاق کی عدت اسی عورت پر ہے جس کو صحبت کے بعد طلاق ہوئی ہو یا صحبت تو ابھی نہیں ہوئی مگر میاں بیوی میں تنہائی ہوچکی ہے تب طلاق ہوئی، چاہے ایسی تنہائی ہوئی ہو جس سے پورا مہر دلایا جاتا ہے یا ایسی تنہائی ہو جس سے پورا مہر واجب نہیں ہوتا،[1] بہر حال عدت گزارنا واجب ہے اور اگر ابھی بالکل کسی قسم کی تنہائی نہیں ہونے پائی تھی کہ طلاق ہوگئی تو ایسی عورت پر عدت نہیں۔

مسئلہ ٨: کسی عورت کو اپنی بیوی سمجھ کر غلطی سے صحبت کرلی،[2] پھر معلوم ہوا کہ وہ اس کی بیوی نہیں تھی تو اس عورت پر بھی عدت لازم ہوگی، جب تک عدت ختم نہ ہو اس وقت تک اپنے شوہر کو بھی صحبت نہ کرنے دے، ورنہ دونوں پر گناہ ہوگا۔ اس کی عدت بھی وہی ہے جو ابھی بیان ہوئی، اگر اسی دن حمل ہوگیا تو بچہ ہونے تک انتظار کرے اور عدت گزارے، یہ بچہ ناجائز نہیں، اس کا نسب ٹھیک ہے، جس نے غلطی سے صحبت کی ہے اسی کا بچہ ہے۔

مسئلہ ٩: کسی نے نکاح فاسد کیا مثلاً: کسی عورت سے نکاح کیا، پھر معلوم ہوا کہ اس کا شوہر ابھی زندہ ہے اور اس نے طلاق نہیں دی یا معلوم ہوا کہ اس مرد وعورت نے بچپن میں ایک عورت کا دودھ پیا ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر مرد نے اس سے صحبت کرلی، پھر صورتِ حال معلوم ہونے کے بعد جدائی ہوگئی تو بھی عدت گزارنا ہوگی۔ جس وقت مرد نے توبہ کرکے جدائی اختیار کی اسی وقت سے عدت شروع ہوگئی اور اگر ابھی صحبت نہیں ہوئی تھی تو عدت واجب نہیں بلکہ ایسی عورت سے اگر تنہائی بھی ہوچکی ہو تب بھی عدت واجب نہیں، عدت اسی وقت واجب ہوتی ہے جب صحبت ہوچکی ہو۔

مسئلہ ١٠: عدت کے اندر کھانا پینا، کپڑا اسی مرد کے ذمہ واجب ہے جس نے طلاق دی۔

مسئلہ ١١: کسی نے اپنی بیوی کو طلاقِ بائن دی یا تین طلاقیں دے دیں، پھر عدت کے اندر غلطی سے اس سے صحبت کرلی تو اس صحبت کی وجہ سے ایک اور عدت واجب ہوگئی، اب تین حیض اور پورے کرے، جب تین حیض گزر جائیں گے تو دونوں عدتیں ختم ہوجائیں گی۔

١- اس کا بیان مہر کی بحث میں گزر چکا ہے۔

٢- جیسے کوئی عورت اس کے بستر پر سو رہی تھی، اس نے جگائے بغیر اس کے ساتھ صحبت کی۔

مسئلہ ۱۲: مرد نے طلاقِ بائن دی ہے اور جس گھر میں عورت عدت گزار رہی ہے مرد بھی اسی میں رہتا ہے تو خوب اچھی طرح پردے کا اہتمام کرے۔

موت کی عدت:

مسئلہ ۱۳: کسی کا شوہر مر گیا تو وہ چار مہینے اور دس دن تک عدت گزارے، شوہر کے مرتے وقت جس گھر میں رہتی تھی اسی گھر میں رہنا چاہیے، باہر نکلنا درست نہیں، البتہ اگر کوئی غریب عورت ہے جس کے پاس گزارے کے جتنا بھی خرچ نہیں اس نے کھانا پکانے وغیرہ کی نوکری کر لی تو اس کے لیے گھر سے باہر نکلنا درست ہے، لیکن رات کو اپنے گھر ہی میں رہا کرے، چاہے صحبت ہو چکی ہو یا نہ ہوئی ہو اور چاہے کسی قسم کی تنہائی ہوئی ہو یا نہ اور چاہے حیض آتا ہو یا نہ، سب کا ایک ہی حکم ہے کہ چار مہینے دس دن عدت گزارنا چاہیے، البتہ اگر وہ عورت حاملہ تھی، اس حالت میں شوہر کی وفات ہوئی تو بچہ پیدا ہونے تک عدت گزارے، اب مہینوں کا اعتبار نہیں، اگر شوہر کے مرنے سے کچھ ہی دیر بعد بچہ پیدا ہو گیا تو بھی عدت ختم ہو گئی۔

مسئلہ ۱۴: پورے گھر میں جہاں جی چاہے رہے۔ یہ جو رواج ہے کہ ایک خاص جگہ مقرر کر کے رہتی ہیں کہ غمزدہ کی چارپائی اور خود غمزدہ وہاں سے ہلنے نہیں پاتی، یہ بالکل مہمل اور فضول بات ہے، اس کو چھوڑ دینا چاہیے۔

مسئلہ ۱۵: اگر کسی کا شوہر چاند کی پہلی تاریخ کو فوت ہوا اور عورت کو حمل نہیں تو چاند کے حساب سے چار مہینے دس دن پورے کرے اور اگر پہلی تاریخ کو فوت نہیں ہوا تو ہر مہینہ تیس تیس دن کا شمار کر کے چار مہینے دس دن پورے کرنے چاہئیں اور طلاق کی عدت کا بھی یہی حکم ہے کہ اگر حیض نہیں آتا، نہ حمل ہے اور چاند کی پہلی تاریخ کو طلاق ہو گئی تو چاند کے حساب سے تین مہینے پورے کر لے، چاہے انتیس کا چاند ہو یا تیس کا اور اگر پہلی تاریخ کو طلاق نہیں ہوئی تو ہر مہینہ تیس تیس دن کا لگا کر تین مہینے پورے کرے۔

مسئلہ ۱۶: کسی نے نکاحِ فاسد کیا تھا، مثلاً: بغیر گواہوں کے نکاح کر لیا، یا بیوی نکاح میں تھی اور اس کی بہن سے نکاح کر لیا، پھر وہ شوہر مر گیا تو ایسی عورت جس کا نکاح صحیح نہیں ہوا، مرد کے مرنے پر چار مہینے دس دن عدت نہ گزارے، بلکہ تین حیض تک عدت گزارے، حیض نہ آتا ہو تو تین مہینے گزارے اور حمل سے ہو تو بچہ پیدا ہونے تک عدت گزارے۔

مسئلہ ۱۷: کسی نے اپنی بیماری میں طلاقِ بائن دے دی اور طلاق کی عدت ابھی پوری نہیں ہونے پائی تھی کہ وہ مر گیا تو دیکھا جائے کہ طلاق کی عدت گزارنے میں زیادہ دن لگیں گے یا موت کی عدت پوری کرنے میں؟ جس عدت میں

زیادہ دن لگیں گے وہ عدت پوری کرے اور اگر بیماری میں طلاقِ رجعی دی ہے اور ابھی طلاق کی عدت نہیں گزری تھی کہ شوہر مر گیا تو اس عورت پر وفات کی عدت لازم ہے۔

مسئلہ ۱۸: کسی کا شوہر مر گیا مگر اس کو خبر نہیں ملی، چار مہینے دس دن گزر جانے کے بعد خبر آئی تو اس کی عدت پوری ہو چکی، جب سے خبر ملی ہے تب سے عدت گزارنا ضروری نہیں، اسی طرح اگر شوہر نے طلاق دے دی، مگر عورت کو پتہ نہیں چلا، کچھ دنوں کے بعد خبر ملی اور جتنی عدت اس کے ذمہ تھی وہ خبر ملنے سے پہلے ہی گزر چکی تھی تو اس کی بھی عدت پوری ہو گئی، خبر ملنے کے بعد عدت گزارنا واجب نہیں۔

مسئلہ ۱۹: کسی کام کے لیے گھر سے باہر گئی تھی کہ اچانک اس کا شوہر مر گیا تو فوراً وہاں سے چلی آئے اور جس گھر میں رہتی تھی وہیں رہے۔

مسئلہ ۲۰: وفات کی عدت میں عورت کو روٹی، کپڑا نہیں دلایا جائے گا۔ اپنے پاس سے خرچ کرے۔

مسئلہ ۲۱: بعض جگہ دستور ہے کہ شوہر کے مرنے کے بعد سال بھر تک عدت کے طور پر بیٹھی رہتی ہے، یہ بالکل حرام ہے۔

عدت کے دوران سوگ:

مسئلہ ۲۲: جس عورت کو طلاقِ رجعی ملی ہے اس کی عدت تو صرف یہی ہے کہ اتنی مدت تک گھر سے باہر نہ نکلے اور نہ کسی اور مرد سے نکاح کرے۔ اس کے لیے بناؤ سنگار وغیرہ درست ہے اور جس کو تین طلاقیں مل گئیں یا ایک طلاقِ بائن ملی یا اور کسی طرح سے نکاح ٹوٹ گیا یا شوہر فوت ہو گیا، ان سب صورتوں کا حکم یہ ہے کہ جب تک عدت میں رہے تب تک نہ تو گھر سے باہر نکلے، نہ دوسرا نکاح کرے، نہ بناؤ سنگار کرے، یہ سب باتیں اس پر حرام ہیں۔ اس سنگار نہ کرنے کو ''سوگ'' (عدت گذارنا) کہتے ہیں۔

مسئلہ ۲۳: جب تک عدت ختم نہ ہو تب تک خوشبو لگانا، زیور پہننا، پھول پہننا، سرمہ لگانا، پان کھا کر منہ لال کرنا، منجن لگانا، سر میں تیل ڈالنا، کنگھی کرنا، مہندی لگانا، اچھے کپڑے پہننا، ریشمی اور رنگے ہوئے بھڑ کیلے کپڑے پہننا، یہ سب باتیں اس پر حرام ہیں، البتہ اگر بھڑ کیلے نہ ہوں تو درست ہے، چاہے جیسا رنگ ہو، مطلب یہ ہے کہ زیب و زینت کا کپڑا نہ ہو۔

مسئلہ ۲۴: سر میں درد ہونے کی وجہ سے تیل ڈالنے کی ضرورت پڑے تو جس تیل میں خوشبو نہ ہو وہ ڈالنا درست ہے۔ اسی طرح ضرورت کے وقت بطورِ دوا کے سرمہ لگانا بھی درست ہے، لیکن رات کو لگا کر دن کو صاف کر لے۔ سر دھونا اور

نہانا بھی درست ہے، ضرورت کے وقت کنگھی کرنا بھی درست ہے، لیکن باریک کنگھی سے کنگھی نہ کرے جس میں بال چکنے ہو جاتے ہیں بلکہ موٹے دندانے والی کنگھی کرے تاکہ خوبصورتی نہ آنے پائے۔

مسئلہ ٢٥: سوگ کرنا اس عورت پر واجب ہے جو بالغ ہو، نابالغ لڑکی پر واجب نہیں، اس کے لیے یہ سب باتیں درست ہیں، البتہ گھر سے نکلنا اور دوسرا نکاح کرنا اس کے لیے بھی درست نہیں۔

مسئلہ ٢٦: جس کا نکاح صحیح نہیں ہوا تھا وہ توڑ دیا گیا یا مرد مر گیا تو ایسی عورت پر بھی سوگ کرنا واجب نہیں۔

مسئلہ ٢٧: شوہر کے علاوہ کسی اور کے مرنے پر سوگ کرنا درست نہیں، البتہ اگر شوہر منع نہ کرے تو اپنے عزیز اور رشتہ دار کے مرنے پر بھی تین دن تک بناؤ سنگار چھوڑ دینا درست ہے، اس سے زیادہ بالکل حرام ہے اور اگر شوہر منع کرے تو تین دن بھی نہ چھوڑے۔

ثبوتِ نسب

مسئلہ ١: جب کسی شوہر والی عورت کے اولاد ہوگی تو وہ اسی کے شوہر کی کہلائے گی۔ کسی شبہہ کی بنا پر یہ کہنا کہ یہ بچہ اس کے شوہر کا نہیں ہے، بلکہ فلاں کا ہے، درست نہیں اور اس بچے کو ناجائز کہنا بھی درست نہیں۔

مسئلہ ٢: حمل کی مدت کم سے کم چھ مہینے ہے اور زیادہ سے زیادہ دو سال، یعنی کم سے کم چھ مہینے بچہ پیٹ میں رہتا ہے، پھر پیدا ہوتا ہے، چھ مہینے سے پہلے پیدا نہیں ہوتا اور زیادہ سے زیادہ دو سال پیٹ میں رہ سکتا ہے، اس سے زیادہ پیٹ میں نہیں رہ سکتا۔

مسئلہ ٣: شریعت کا قاعدہ ہے کہ جب تک کسی نہ کسی صورت میں صحیح نسب ثابت ہونے کا امکان ہو تب تک بچہ کو ناجائز نہیں کہا جائے گا۔ جب بالکل مجبوری ہو جائے اور کسی صورت میں نسب ثابت کرنا ممکن نہ ہو تب ناجائز ہونے کا حکم لگایا جائے گا اور عورت کو گنہگار ٹھہرایا جائے گا۔

مسئلہ ٤: کسی نے اپنی بیوی کو طلاق رجعی دے دی، پھر دو سال سے کم میں اس کا کوئی بچہ پیدا ہوا تو یہ اسی شوہر کا ہے۔ اس کو ناجائز کہنا درست نہیں۔ شریعت کی رو سے اس کا نسب ٹھیک ہے۔ اگر دو سال سے ایک دن بھی کم ہو تب بھی یہی حکم ہے، ایسا سمجھیں گے کہ طلاق سے پہلے کا حمل ہے اور دو سال تک بچہ پیٹ میں رہا اور اب بچہ پیدا ہونے کے بعد اس کی

عدت ختم ہوئی، البتہ اگر وہ عورت بچہ جننے سے پہلے خود ہی اقرار کر چکی ہو کہ میری عدت ختم ہوگئی تو یہ بچہ ثابت النسب نہیں۔ اگر دو سال کے بعد بچہ ہوا اور ابھی تک عورت نے اپنی عدت ختم ہونے کا اقرار نہیں کیا ہے تب بھی وہ بچہ اسی شوہر ہی کا ہے، چاہے جتنے برس میں ہوا ہو اور ایسا سمجھیں گے کہ طلاق دیدینے کے بعد عدت میں صحبت کی تھی اور طلاق سے رجوع کر لیا تھا اس لیے وہ عورت اب بچہ پیدا ہونے کے بعد اسی کی بیوی ہے اور دونوں کا نکاح نہیں ٹوٹا۔ اگر بچہ مرد کا نہ ہو تو وہ کہہ دے کہ میرا نہیں ہے اور جب انکار کرے گا تو ''لعان'' کا حکم ہوگا۔ اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

مسئلہ ۵: اگر طلاقِ بائن دیدی تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر دو سال کے اندر اندر بچہ پیدا ہو جائے تب تو اسی مرد کا ہوگا اور اگر دو سال کے بعد ہو تو اس کا نہیں، البتہ اگر دو سال کے بعد پیدا ہونے پر بھی مرد دعویٰ کرے کہ یہ بچہ میرا ہے تو اس کا ہوگا اور ایسا سمجھیں گے کہ عدت کے اندر شبہہ کی وجہ سے صحبت کر لی ہوگی، اس سے حمل ہو گیا۔

مسئلہ ۶: اگر ایسی لڑکی کو طلاق مل گئی جو ابھی بالغ تو نہیں ہوئی لیکن بلوغ کے قریب قریب ہوگئی ہے، پھر طلاق کے بعد پورے نو مہینے میں بچہ پیدا ہوا تو وہ شوہر کا نہیں اور اگر نو مہینے سے کم میں پیدا ہوا تو شوہر کا ہے، البتہ وہ لڑکی عدت کے اندر ہی یعنی تین مہینے سے پہلے اقرار کر لے کہ مجھے حمل ہے تو بھی بچہ شوہر کا ہوگا۔ دو سال کے اندر اندر پیدا ہونے سے باپ کا کہلائے گا۔

مسئلہ ۷: شوہر کی موت کے وقت سے اگر دو برس کے اندر بچہ پیدا ہوا تو وہ شوہر کا بچہ ہے، البتہ اگر وہ عورت اپنی عدت ختم ہو جانے کا اقرار کر چکی ہو تو وہ بچہ شوہر کا نہیں ہوگا اور اگر دو برس کے بعد پیدا ہو تب بھی شوہر کا نہیں۔

تنبیہ: ان مسائل سے معلوم ہوا کہ جاہل لوگوں کی جو عادت ہے کہ کسی کے مرنے کے بعد نو مہینہ سے ایک دو مہینہ بھی زیادہ گزر کر بچہ پیدا ہوا تو اس عورت کو بدکار سمجھتے ہیں، یہ بہت بڑا گناہ ہے۔

مسئلہ ۸: نکاح کے بعد چھ مہینے سے کم میں بچہ پیدا ہوا تو وہ شوہر کا نہیں اور اگر پورے چھ مہینے یا اس سے زیادہ مدت میں ہوا ہو تو وہ شوہر کا ہے، اس میں بھی شک کرنا گناہ ہے، البتہ اگر شوہر انکار کرے اور کہے کہ یہ میرا نہیں ہے تو لعان کا حکم ہوگا۔

مسئلہ ۹: نکاح ہو گیا لیکن ابھی رواج کے مطابق رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ بچہ پیدا ہو گیا اور شوہر اس سے انکار نہیں کرتا کہ یہ اس کا بچہ ہے تو وہ بچہ شوہر ہی کا سمجھا جائے گا۔ اگر شوہر کا نہ ہو تو وہ انکار کرے اور انکار کرنے پر لعان کا حکم ہوگا۔

مسئلہ ۱۰: اگر شوہر کئی سالوں سے گھر میں نہیں اور یہاں بچہ پیدا ہو گیا (اور شوہر اس کو اپنا ہی بتاتا ہے) تب بھی وہ شرعاً ناجائز نہیں، اسی شوہر کا ہے، البتہ اگر شوہر ولادت کی خبر سن کر بچے کو اپنا ماننے سے انکار کرے گا تو لعان کا حکم ہوگا۔

پرورش کا حق

مسئلہ ۱: میاں بیوی میں جدائی ہوگئی اور عورت کی گود میں بچہ ہے تو اس کی پرورش کا حق ماں کو ہے، باپ اس کو نہیں چھین سکتا لیکن بچہ کا سارا خرچ باپ ہی کو دینا پڑے گا۔ اگر ماں خود پرورش نہ کرے، باپ کے حوالے کردے تو باپ کو لینا پڑے گا، عورت کو زبردستی نہیں دے سکتا۔

مسئلہ ۲: اگر ماں نہ ہو یا ہو لیکن اس نے بچہ کو لینے سے انکار کردیا تو پرورش کا حق نانی اور پرنانی کو ہے، ان کے بعد دادی اور پردادی۔ یہ بھی نہ ہوں تو سگی بہنوں کا حق ہے کہ وہ اپنے بھائی کی پرورش کریں، سگی بہنیں نہ ہوں تو سوتیلی بہنیں۔ ماں شریک بہنوں کا حق باپ شریک بہنوں سے پہلے ہے، پھر خالہ، پھر پھوپھی کا۔

مسئلہ ۳: اگر ماں نے کسی ایسے مرد سے نکاح کرلیا جو بچہ کا محرم رشتہ دار نہیں تو اب اس کو بچہ کی پرورش کا حق نہیں رہا، البتہ اگر بچہ کے محرم رشتہ دار سے نکاح کیا، جیسے: اس کے چچا سے نکاح کرلیا یا ایسا ہی کوئی اور رشتہ ہو تو ماں کا حق باقی ہے، ماں کے سوا کوئی اور عورت جیسے بہن، خالہ وغیرہ کسی غیر محرم مرد سے نکاح کرلے تو اس کا بھی یہی حکم ہے کہ اب اس کو بچہ کی پرورش کا حق نہیں رہا۔

مسئلہ ۴: عورت کا حق بچہ کے غیر محرم سے نکاح کر لینے کی وجہ سے ختم ہوگیا تھا لیکن پھر اس مرد نے طلاق دی یا انتقال کرگیا تو اب پھر اس کا حق لوٹ آئے گا اور بچہ اس کے حوالہ کردیا جائے گا۔

مسئلہ ۵: بچہ کے رشتہ داروں میں سے اگر کوئی عورت بچہ کی پرورش کے لیے نہ ملے تو پھر باپ زیادہ مستحق ہے، پھر دادا وغیرہ، اسی ترتیب سے جو ہم نکاح ولی کے بیان میں ذکر کر چکے ہیں، لیکن اگر نامحرم رشتہ دار ہو اور بچہ اسے دینے میں آئندہ چل کر کسی خرابی کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں ایسے شخص کے سپرد کریں گے جس پر ہر طرح سے اطمینان ہو۔

پرورش کی مدت:

مسئلہ ۶: لڑکا جب تک سات سال کا نہ ہو تب تک اس کی پرورش کا حق رہتا ہے، جب سات سال کا ہوگیا تو اب باپ اس کو زبردستی لے سکتا ہے اور لڑکی کی پرورش کا حق نو سال تک رہتا ہے۔ جب نو سال کی ہوگئی تو باپ لے سکتا ہے۔ اب اس کو روکنے کا حق نہیں۔

نفقہ کا بیان

(خوراک، پوشاک، رہائش)

مسئلہ ①: بیوی کا نان نفقہ (روٹی، کپڑا) شوہر کے ذمہ واجب ہے، عورت چاہے کتنی مالدار ہو مگر خرچ مرد ہی کے ذمہ ہے اور رہنے کے لیے گھر دینا بھی مرد کے ذمہ ہے۔

مسئلہ ②: نکاح ہو گیا، لیکن رخصتی نہیں ہوئی، تب بھی عورت نفقہ کی حقدار ہے، البتہ اگر مرد نے رخصتی کرانا چاہا، پھر بھی رخصتی نہیں ہوئی تو نفقہ کی حقدار نہیں۔

مسئلہ ③: جتنا مہر (رخصتی سے) پہلے دینے کا رواج ہے وہ مرد نے نہیں دیا، اس لیے وہ مرد کے گھر نہیں جاتی تو اس کو نان نفقہ دلایا جائے گا اور اگر بلا وجہ مرد کے گھر نہ جاتی ہو تو نفقہ کی حقدار نہیں، جس وقت جائے گی تب سے دلایا جائے گا۔

مسئلہ ④: جتنی مدت تک شوہر کی اجازت سے اپنے ماں باپ کے گھر رہے اتنی مدت کا نفقہ بھی مرد سے لے سکتی ہے۔

مسئلہ ⑤: عورت بیمار ہو گئی تو بیماری کے زمانہ کے نفقہ کی حقدار ہے، چاہے مرد کے گھر میں بیمار ہو یا اپنے میکے میں، لیکن اگر بیماری کی حالت میں مرد نے بلایا، پھر بھی نہیں آئی تو اب نفقہ کی حقدار نہیں رہی اور بیماری کی حالت میں صرف نفقہ کا خرچ ملے گا۔ دوا اور علاج کا خرچہ مرد کے ذمہ واجب نہیں۔[1] اگر دیدے تو اس کا حسن اخلاق ہے۔

مسئلہ ⑥: عورت حج کرنے گئی تو اتنے زمانہ کا نان نفقہ مرد کے ذمہ نہیں، البتہ اگر شوہر بھی ساتھ ہو تو اس زمانہ کا خرچ بھی ملے گا، لیکن روٹی کپڑے کا جتنا خرچ گھر میں ملتا تھا اتنے ہی کی مستحق ہے۔ جو کچھ زیادہ لگے وہ اپنے پاس سے خرچ کرے اور ریل، جہاز وغیرہ کا کرایہ بھی مرد کے ذمہ نہیں۔

مسئلہ ⑦: روٹی کپڑے میں دونوں کی رعایت کی جائے گی۔ اگر دونوں مالدار ہوں تو مالداروں والا ملے گا اور اگر دونوں غریب ہوں تو غریبوں کی طرح اور مرد غریب ہو اور عورت مالدار یا عورت غریب ہو، مرد مالدار تو ایسا خرچہ دے کہ مالداروں سے کم ہو اور غریبوں سے زیادہ ہو۔

---

۱ - یعنی وہ ادا نہ کرے یا نہ کر سکے تو مطالبہ کر کے وصول نہیں کیا جا سکتا۔

مسئلہ ۸: عورت اگر بیمار ہے اور گھریلو کام نہیں کر سکتی یا ایسے بڑے گھرانے کی ہے کہ اپنے ہاتھ سے پینے، کوٹنے، کھانا پکانے کا کام نہیں کرتی بلکہ اس کو عیب سمجھتی ہے تو پکا پکایا کھانا دیا جائے گا اور اگر دونوں باتوں میں سے کوئی بات نہ ہو تو گھر کا سب کام کاج اپنے ہاتھ سے کرنا واجب ہے۔ یہ سب کام خود کرے، مرد کے ذمہ صرف اتنا ہے کہ کھانے پینے کا تمام ضروری سامان اور برتن وغیرہ لا دے، وہ اپنے ہاتھ سے پکائے اور کھائے۔

مسئلہ ۹: دائی، نرس یا لیڈی ڈاکٹر کی اجرت اس پر ہے جس نے اسے بلایا، مرد نے بلایا ہو تو مرد پر اور عورت نے بلایا ہو تو اس پر اور اگر بن بلائے آ گئی تو مرد پر۔

مسئلہ ۱۰: روٹی کپڑے کا خرچ ایک سال کا یا اس سے کچھ کم زیادہ پیشگی دے دیا تو اب اس میں سے کچھ لوٹایا نہیں جا سکتا۔

مسئلہ ۱۱: بیوی اتنی کم عمر ہے کہ صحبت کے قابل نہیں، تو اگر مرد نے کام کاج کے لیے یا دل بہلانے کے لیے اس کو اپنے گھر میں رکھ لیا تو اس کا روٹی کپڑا مرد کے ذمہ واجب ہے اور اگر اپنے پاس نہیں رکھا بلکہ میکے بھیج دیا تو واجب نہیں اور اگر شوہر نابالغ ہو، لیکن عورت بڑی ہے تو اسے نان نفقہ ملے گا۔

بیوی کی رہائش

مسئلہ ۱: مرد کے ذمہ یہ بھی واجب ہے کہ بیوی کے رہنے کے لیے کوئی ایسی جگہ دے جس میں شوہر کا کوئی رشتہ دار نہ رہتا ہو، بلکہ خالی ہو تاکہ میاں بیوی بالکل بے تکلفی سے رہ سکیں، البتہ اگر عورت خود سب کے ساتھ رہنا گوارا کرے تو دوسروں کے ساتھ ایک گھر میں بھی رہنا درست ہے۔

مسئلہ ۲: گھر میں سے ایک کمرہ عورت کے لیے الگ کر دے تاکہ وہ اپنا گھریلو سامان اس میں حفاظت سے رکھے اور خود اس میں رہے اور اس کا تالا چابی اپنے پاس رکھے، کسی اور کا اس میں دخل نہ ہو، صرف عورت ہی کے قبضے میں رہے تو بس حق ادا ہو گیا، عورت کو اس سے زیادہ کا حق نہیں، یہ نہیں کہہ سکتی کہ پورا گھر میرے لیے الگ کر دو۔

مسئلہ ۳: جس طرح عورت کو اختیار ہے کہ اپنے لیے کوئی الگ گھر مانگے جس میں مرد کا کوئی رشتہ دار نہ رہے صرف عورت ہی کے قبضے میں رہے، اسی طرح مرد کو اختیار ہے کہ جس گھر میں عورت رہتی ہے وہاں اس کے رشتہ داروں کو نہ

آنے دے، نہ ماں کو، نہ باپ کو، نہ بھائی کو، نہ کسی اور رشتہ دار کو۔

مسئلہ ۴: عورت اپنے ماں باپ کو دیکھنے کے لیے ہفتے میں ایک دفعہ جاسکتی ہے اور ماں باپ کے سوا دوسرے رشتہ داروں کے لیے سال بھر میں ایک دفعہ سے زیادہ کا اختیار نہیں۔ اسی طرح اس کے ماں باپ بھی ہفتہ میں صرف ایک مرتبہ اس کے پاس آسکتے ہیں۔ مرد کو اختیار ہے کہ اس سے زیادہ جلدی جلدی نہ آنے دے اور ماں باپ کے سوا دیگر رشتہ دار سال بھر میں صرف ایک دفعہ آسکتے ہیں، اس سے زیادہ آنے کا اختیار نہیں، لیکن مرد کو اختیار ہے کہ زیادہ دیر نہ ٹھہرنے دے، نہ ماں باپ کو نہ کسی اور کو۔ ہاں! وہ اجازت دے اور راضی ہو تو کوئی حد مقرر نہیں۔ جب چاہیں آجا سکتے ہیں۔ جاننا چاہیے کہ رشتہ داروں سے مراد وہ رشتہ دار ہیں جن سے نکاح ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام ہے اور جو ایسے نہ ہوں وہ اجنبی ہیں۔

مسئلہ ۵: اگر باپ بہت زیادہ بیمار ہے اور اس کی کوئی خبر لینے والا نہیں تو ضرورت کے مطابق وہاں روز جایا کرے۔ اگر باپ بے دین یا کافر ہو تب بھی یہی حکم ہے بلکہ اگر شوہر منع بھی کرے تب بھی جانا چاہیے، لیکن شوہر کے منع کرنے پر جانے سے نان نفقہ کا حق نہیں رہے گا۔

مسئلہ ۶: غیر لوگوں کے گھر نہیں جانا چاہیے، اگر شادی بیاہ وغیرہ کی کوئی مروّجہ محفل ہو (جس میں گناہ کے کام ہوتے ہیں) اور شوہر اجازت بھی دے دے تو بھی جانا درست نہیں۔ شوہر اجازت دے گا تو وہ بھی گنہگار ہوگا بلکہ (غیر شرعی امور پر مشتمل) تقریبات کے دوران اپنے محرم رشتہ دار کے یہاں جانا بھی درست نہیں۔

مسئلہ ۷: جس عورت کو طلاق مل گئی وہ بھی عدت پوری ہونے تک روٹی کپڑے اور رہنے کے گھر کی مستحق ہے، البتہ جس کا خاوند مر گیا اس کو روٹی کپڑا اور گھر ملنے کا حق نہیں، مگر اس کو میراث سے حصہ ملے گا۔

مسئلہ ۸: اگر نکاح عورت ہی کی وجہ سے ٹوٹا، جیسے: خدانخواستہ مرتد ہو کر اسلام سے پھر گئی، اس لیے نکاح ٹوٹ گیا تو ان سب صورتوں میں عدت کے اندر اس کو روٹی کپڑا نہیں ملے گا، البتہ رہنے کا گھر ملے گا، اگر وہ خود ہی چلی جائے تو اور بات ہے، پھر نہیں دیا جائے گا۔

اضافہ

مفقود

(لاپتہ شخص کی بیوی کا حکم)

مسئلہ ۱: جس عورت کا شوہر لاپتہ ہو جائے اور یہ معلوم نہ ہو کہ وہ کہاں ہے، زندہ ہے یا مردہ اور عورت اس کے لیے انتظار بھی نہیں کر سکتی تو اس شوہر سے علیحدگی کی صورت یہ ہے کہ عورت شرعی قاضی کی عدالت میں اپنا مقدمہ پیش کرے اور شرعی شہادت کے ذریعے یہ ثابت کرے کہ میرا نکاح فلاں شخص سے ہوا تھا، اس کے بعد گواہوں سے اس کا لاپتہ ہونا ثابت کر دے، اس کے بعد قاضی خود بھی اس شخص کی تحقیق و تلاش کروائے اور جب کسی بھی ذریعہ سے اس کی کوئی خبر یا پتہ ملنے سے مایوسی ہو جائے تو قاضی عورت کو چار سال تک انتظار کرنے کا حکم دے، پھر اگر ان چار سالوں میں بھی کسی طرح اس شخص کا حال معلوم نہیں ہوا تو چار سال ختم ہونے پر اس شخص کو مردہ تصور کیا جائے گا۔ چار سال پورے ہونے پر عورت دوبارہ قاضی کے پاس جائے اور قاضی اس شخص کی موت کا حکم لگا کر عورت کو چار مہینہ دس دن عدت گزارنے کا حکم دے گا اور عدت کے اختتام پر عورت کو دوسری جگہ نکاح کرنے کا اختیار ہوگا۔

جہاں شرعی قاضی نہ ہو وہاں مستند علماء کی مجلس کا فیصلہ قاضی کے فیصلے کے برابر سمجھا جائے گا۔[1]

فسخ نکاح کی درخواست کے بعد چار سال انتظار کرنے کا حکم اس وقت ہے جب کہ عورت کے لیے نفقہ اور گزارہ کا بھی کچھ انتظام ہو اور وہ عصمت و عفت کے ساتھ یہ مدت گزارنے پر قادر بھی ہو اور اگر اس کے گزارنے کا کوئی انتظام نہ ہو، نہ شوہر کے مال سے نہ عزیز و اقارب یا حکومت کی کفالت سے اور عورت خود بھی پردہ و عفت کے ساتھ محنت مزدوری نہیں کر سکتی تو جب تک صبر کر سکے شوہر کا انتظار کرے، جس کی مدت ایک ماہ سے کم نہ ہو، اس کے بعد قاضی یا کسی مسلمان حاکم کی عدالت میں فسخ نکاح کا دعویٰ دائر کرے اور اگر نفقہ کا انتظام ہے مگر بغیر شوہر کے انتظار میں رہنے میں اس کی عفت و عصمت کو خطرات درپیش ہوں تو ایک سال انتظار کرنے کے بعد قاضی کی عدالت میں دعویٰ دائر کر دے اور دونوں صورتوں میں گواہوں کے ذریعہ ثابت کرے

۱- ماخوذ از حیلہ ناجزہ: ۶۰-۶۱

کہ اس کا شوہر اتنی مدت سے غائب ہے اور اس نے اس کے لیے کوئی نان نفقہ نہیں چھوڑا، نہ کسی کو نفقہ کا ضامن بنایا اور دوسری صورت میں حلفیہ بیان دے کہ وہ بغیر شوہر کے اپنی عصمت کی حفاظت نہیں کر سکتی، اس ثبوت کے بعد قاضی اس کے نکاح کو فسخ کر سکتا ہے۔[1]

تحریری طلاق:

طلاق لکھ کر دینے سے بھی ہو جاتی ہے، اسی طرح طلاق نامہ پر دستخط کر دینے اور انگوٹھا لگانے سے بھی واقع ہو جاتی ہے۔[2]

غصہ میں طلاق:

غصہ کے تین درجات ہیں:

١ - ابتدائی درجہ یہ ہے کہ اس میں عقل کے اندر کوئی تغیر اور فتور نہیں آتا، جو کچھ کہتا ہے اپنے ارادہ سے کہتا ہے اور اس کو سمجھتا ہے، اس صورت میں اس کی باتیں عام لوگوں کی باتوں کی طرح شرعاً معتبر ہیں اور اس کی طلاق واقع اور نافذ ہوگی۔

٢ - اعلیٰ اور انتہائی درجہ یہ ہے کہ غصہ اس حد تک پہنچ جائے کہ اسے اپنے اقوال وافعال کی کوئی خبر نہ رہے۔ یہ صورت بے ہوشی اور جنون کی طرح ہے۔ ایسے شخص کے اقوال وافعال معتبر نہیں اور اس کی دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

٣ - درمیانی درجہ یہ ہے کہ مجنون کی طرح تو نہیں ہوا، مگر پہلے درجہ سے بڑھ گیا اور حالت یہ ہوگئی کہ بغیر ارادہ منہ سے الٹی سیدھی باتیں نکلتی ہیں، لیکن جو کچھ بولتا ہے اس کا اسے علم وشعور ہوتا ہے۔ اس صورت میں اس کے اقوال وافعال پہلی صورت کی طرح نافذ ومعتبر ہیں اور اس کی طلاق بھی واقع اور نافذ ہے۔[3]

جبراً طلاق لکھوانا:

جبراً طلاق لکھوانے سے طلاق واقع نہیں ہوتی، اسی طرح جبراً طلاق نامہ پر دستخط کروانے یا انگوٹھا لگوانے سے بھی طلاق واقع نہیں ہوتی۔[4]

---

١ - ماخوذ از احسن الفتاوی: ٥/ ٤٢١، ٤٢٢

٢ - إمداد المفتين: ٥٣٢، أحسن الفتاوى: ٥/١٤٨

٣ - إمداد الفتاوى: ٢/ ٣٠٥، خير الفتاوى: ٥/ ١٥١

٤ - إمداد المفتين: ٥٣٣، أحسن الفتاوى: ٥/ ١٦٥

سفر میں عدت شروع ہو جانا:

اگر کوئی عورت اپنے شوہر کے ساتھ شوہر کے آبائی شہر کے علاوہ کسی دوسری جگہ مقیم ہو اور شوہر کا وہیں انتقال ہو جائے تو اگر شوہر کا آبائی شہر جائے اقامت سے مسافت سفر سے کم ہو تو بیوی وہاں آکر عدت گزارے اور اگر مسافت سفر سے زیادہ ہو تو جائے اقامت ہی میں عدت پوری کرے۔[1]

عدت کے دوران سفر کرنا:

شوہر کی وفات کے وقت عورت جس گھر میں رہائش پذیر ہو، شدید مجبوری کے بغیر اس گھر سے نکلنا جائز نہیں، البتہ اپنے معاشی انتظام کے لیے عورت دن میں یا رات کے کچھ حصہ میں اپنے گھر سے نکل سکتی ہے، مگر اس کے لیے سفر شرعی کی مقدار (۷۸ کلومیٹر) تک دور جانا جائز نہیں۔[2]

عدت میں سفرِ حج:

عدت کے اندر سفر کرنا جائز نہیں، چاہے حج کا سفر ہو یا کسی اور مقصد کے لیے۔[3]

عدت میں علاج کے لیے نکلنا:

علاج معالجہ کے لیے نکلنا جائز ہے، کیونکہ یہ ضرورت میں داخل ہے۔[4]

۱- أحسن الفتاوى: ٥/ ٤٣١

۲- أحسن الفتاوى: ٥/ ٥٣٩

۳- إمداد الفتاوى: ٢/ ٤٨٦

٤- إمداد الفتاوى: ٢/ ٤٨٧

کتاب الأیمان

(قسم کھانا)

حتی الامکان قسم سے بچنا چاہیے:

مسئلہ ۱: بلا ضرورت بات بات میں قسم کھانا بری بات ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کے نام کی بے ادبی ہوتی ہے۔ جہاں تک ہو سکے سچی بات پر بھی قسم نہیں کھانی چاہیے۔

قسم کے الفاظ:

مسئلہ ۲: جس نے اللہ تعالیٰ کی قسم کھائی اور یوں کہا: ''اللہ کی قسم، خدا کی قسم، اللہ تعالیٰ کی عزت وجلال کی قسم، اللہ تعالیٰ کی بزرگی اور بڑائی کی قسم'' تو قسم ہوگئی، اب اس کی خلاف ورزی جائز نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیا، صرف اتنا کہہ دیا: ''میں قسم کھاتا ہوں کہ فلاں کام نہیں کروں گا'' تو بھی قسم ہوگئی۔

مسئلہ ۳: اگر یوں کہا: ''اللہ تعالیٰ گواہ ہے، اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں، اللہ تعالیٰ کو حاضر وناظر جان کر کہتا ہوں'' تب بھی قسم ہوگئی۔

مسئلہ ۴: قرآن کی قسم، کلام اللہ کی قسم، کلام مجید کی قسم کھا کر کوئی بات کہی تو قسم ہوگئی اور اگر کلام مجید کو ہاتھ میں لے کر یا اُس پر ہاتھ رکھ کر کوئی بات کہی لیکن اس کی قسم نہیں کھائی تو قسم نہیں ہوئی۔

مسئلہ ۵: یوں کہا: ''اگر فلاں کام کروں تو بے ایمان ہو کر مروں، مرتے وقت ایمان نصیب نہ ہو، بے ایمان ہو جاؤں'' یا اس طرح کہا: ''اگر فلاں کام کروں تو میں مسلمان نہیں'' تو قسم ہوگئی، اس کی مخالفت کرنے سے کفارہ دینا پڑے گا، لیکن اس سے ایمان نہیں جائے گا۔

مسئلہ ۶: کسی نے کہا: ''تیرے گھر کا کھانا مجھ پر حرام ہے'' یا یوں کہا: ''فلاں چیز میں نے اپنے اوپر حرام کر لی'' تو

ایسا کہنے سے وہ چیز حرام نہیں ہوئی لیکن یہ قسم ہوگئی، اب اگر کھائے گا تو کفارہ دینا پڑے گا۔

جن الفاظ سے قسم نہیں ہوتی:

مسئلہ ۷: اگر فلاں کام کروں تو میرے ہاتھ ٹوٹ جائیں، آنکھیں پھوٹ جائیں، کوڑھ کی بیماری ہو جائے، اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہو، آسمان پھٹ پڑے، دانے دانے کا محتاج ہو جاؤں، اللہ تعالیٰ کی مار پڑے، اللہ تعالیٰ کی پھٹکار پڑے، اگر فلاں کام کروں تو خنزیر کھاؤں، مرتے وقت کلمہ نصیب نہ ہو،(۱) قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے رسوا ہوں؛ ان باتوں سے قسم نہیں ہوتی، اس کی خلاف ورزی پر کفارہ نہیں دینا پڑے گا۔(۲)

مسئلہ ۸: اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی قسم کھانے سے قسم نہیں ہوتی، جیسے: رسول اللہ ﷺ کی قسم، کعبہ کی قسم، اپنی آنکھوں کی قسم، اپنی جوانی کی قسم، اپنے ہاتھ پاؤں کی قسم، اپنے باپ کی قسم، اپنے بچے کی قسم، اپنے پیاروں کی قسم، تمہارے سر کی قسم، تمہاری جان کی قسم، تمہاری قسم، اپنی قسم؛ اس طرح قسم کھا کر اس کی خلاف ورزی سے کفارہ نہیں دینا پڑے گا، لیکن اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کسی قسم کھانا بہت بڑا گناہ ہے۔ حدیث شریف میں اس کی سخت ممانعت آئی ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کی قسم کھانے سے بچنا چاہیے۔

مسئلہ ۹: کسی دوسرے کے قسم دلانے سے قسم نہیں ہوتی، جیسے کسی نے تم سے کہا: ''تمہیں اللہ کی قسم! یہ کام ضرور کرو'' تو یہ قسم نہیں ہوئی، اس کو توڑنا درست ہے۔

مسئلہ ۱۰: قسم کھا کر اس کے ساتھ ہی انشاء اللہ کا لفظ کہہ دیا جیسے کوئی اس طرح کہے: ''اللہ کی قسم! فلاں کام انشاء اللہ نہیں کروں گا'' تو قسم نہیں ہوئی۔

گذشتہ کام پر قسم:

مسئلہ ۱۱: جو بات ہو چکی ہے اس پر جھوٹی قسم کھانا بڑا گناہ ہے، جیسے: کسی نے نماز نہیں پڑھی اور جب کسی نے پوچھا تو کہہ دیا: ''اللہ تعالیٰ کی قسم! میں نماز پڑھ چکا ہوں''؛ یا کسی سے گلاس ٹوٹ گیا اور جب پوچھا گیا تو کہہ دیا: ''اللہ تعالیٰ کی قسم!

۱- اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ مرنا تو ایمان کے ساتھ ہو مگر مرتے وقت زبان سے کلمہ نہ نکلے، حالانکہ مرتے وقت کلمہ پڑھنا ایک اچھی بات ہے اور اگر کہیں یہ رواج ہو کہ اس عبارت سے یہ مراد لیتے ہوں کہ مرتے وقت ایمان ختم ہو جائے تو اس کا حکم وہی ہوگا جو اس سے پہلے مسئلہ میں مذکور ہے یعنی قسم ہوگئی اور پوری نہ کرنے سے کفارہ دینا لازم ہے۔

۲- اس لیے کہ ان تمام صورتوں میں قسم کی حقیقت نہیں پائی جاتی اور ان الفاظ سے قسم کھانے کا عرف بھی نہیں۔ (فتح القدير: ٤/٤٦٣، شامیه: ٣/٧٢١)

میں نے نہیں توڑا،'' جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھالی تو یہ بہت بڑا گناہ ہے اتنا بڑا کہ اس کا کوئی کفارہ نہیں، بس اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار کر کے اپنا گناہ معاف کروائے، سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتا اور اگر غلطی سے جھوٹی قسم کھالی، جیسے کسی نے کہا: ''اللہ تعالیٰ کی قسم! ابھی فلاں آدمی نہیں آیا'' اور اپنے دل میں یقین کے ساتھ یہی سمجھتا ہے کہ سچی قسم کھا رہا ہوں، پھر معلوم ہوا کہ وہ اس وقت آ گیا تھا تو اس میں گناہ نہیں ہوگا اور کوئی کفارہ بھی نہیں۔

آیندہ ہونے والے کام پر قسم:

مسئلہ ۱۲: اگر ایسی بات پر قسم کھائی جو ابھی نہیں ہوئی، بلکہ آیندہ ہوگی جیسے کوئی کہے: ''اللہ تعالیٰ کی قسم! آج بارش برسے گی، اللہ تعالیٰ کی قسم! آج میرا بھائی آئے گا'' پھر وہ نہیں آیا اور بارش نہیں برسی تو کفارہ دینا پڑے گا۔

مسئلہ ۱۳: کسی نے قسم کھائی: ''اللہ کی قسم! آج قرآن ضرور پڑھوں گا'' تو قرآن پڑھنا واجب ہو گیا، نہیں پڑھے گا تو گناہ ہوگا اور کفارہ دینا پڑے گا اور کسی نے قسم کھائی کہ اللہ کی قسم! آج فلاں کام نہیں کروں گا تو وہ کام کرنا درست نہیں، اگر کرے گا تو قسم توڑنے کا کفارہ دینا پڑے گا۔

گناہ کرنے کی قسم:

مسئلہ ۱۴: کسی نے گناہ کرنے کی قسم کھائی کہ اللہ تعالیٰ کی قسم! آج فلاں کی چیز چراؤں گا، اللہ تعالیٰ کی قسم! آج نماز نہیں پڑھوں گا، اللہ تعالیٰ کی قسم! اپنے ماں باپ سے کبھی نہیں بولوں گا تو ایسی قسم کا توڑ دینا واجب ہے۔ توڑ کر کفارہ دے دے، ورنہ گناہ ہوگا۔

غصہ میں قسم:

مسئلہ ۱۵: غصہ میں قسم کھائی کہ تجھ کو ایک پائی نہیں دوں گا، پھر ایک پائی یا زیادہ دے دیا تب بھی قسم ٹوٹ گئی، کفارہ دے۔

قسم کا کفارہ:

مسئلہ ۱۶: اگر کسی نے قسم توڑ دی تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ:

(۱) دس مسکینوں کو دو وقت کا کھانا کھلا دے یا (ہر ایک کو صدقۃ الفطر کے جتنی) اناج کی متعین مقدار دے دے۔ ہر فقیر کو پونے دو کلو گندم (یا اس کی قیمت) دینا چاہیے، بلکہ احتیاطاً پورے دو کلو دے دے اور اگر جو دے تو اس کا دوگنا دے۔

فقیر کو کھانا کھلانے کا طریقہ وہی ہے جو روزے کے کفارے میں بیان ہو چکا ہے۔

(۲) یا دس فقیروں کو کپڑا پہنا دے۔ ہر فقیر کو اتنا کپڑا دے جس سے بدن کا زیادہ حصہ ڈھک جائے، جیسے: چادر یا بڑا لمبا کرتا دیدیا تو کفارہ ادا ہو گیا، لیکن وہ کپڑا بہت پرانا نہیں ہونا چاہیے۔ اگر ہر فقیر کو صرف ایک ایک لنگی یا صرف ایک ایک پاجامہ دیدیا تو کفارہ ادا نہیں ہوا اور اگر لنگی کے ساتھ کرتہ بھی ہو تو ادا ہو گیا۔ یہ حکم اس صورت میں ہے کہ مرد کو کپڑا دے اور اگر کسی غریب عورت کو کپڑا دیا تو اتنا کپڑا ہونا چاہیے کہ سارا بدن ڈھک جائے اور اس سے نماز پڑھ سکے، اس سے کم ہو گا تو کفارہ ادا نہیں ہو گا۔

(۳) اگر کوئی ایسا غریب ہے کہ نہ تو کھانا کھلا سکتا ہے اور نہ کپڑا دے سکتا ہے تو مسلسل تین روزے رکھے، اگر الگ الگ کر کے تین روزے پورے کر لیے تو کفارہ ادا نہیں ہوا، تینوں مسلسل رکھنے چاہئیں۔ اگر دو روزے رکھنے کے بعد درمیان میں کسی عذر کی وجہ سے ایک روزہ چھوٹ گیا تو اب دوبارہ تین روزے رکھے۔

مسئلہ ۱۷: قسم توڑنے سے پہلے ہی کفارہ ادا کر دیا، اس کے بعد قسم توڑی تو کفارہ صحیح نہیں ہوا۔ اب قسم توڑنے کے بعد دوبارہ کفارہ دینا چاہیے اور جو کچھ غریبوں کو دے چکا ہے اس کو واپس لینا درست نہیں۔

مسئلہ ۱۸: کسی نے کئی دفعہ قسم کھائی مثلاً ایک دفعہ کہا: ''اللہ کی قسم! فلاں کام نہیں کروں گا'' اس کے بعد پھر کہا: ''اللہ کی قسم! فلاں کام نہیں کروں گا''، اسی دن یا اس کے دوسرے تیسرے دن اسی طرح کئی مرتبہ یوں کہا: ''خدا کی قسم، اللہ کی قسم، کلام اللہ کی قسم فلاں کام ضرور کروں گا''، پھر وہ قسم توڑ دی تو ان سب قسموں کا ایک ہی کفارہ دے دے۔

مسئلہ ۱۹: کسی کے ذمہ قسموں کے بہت سے کفارے جمع ہو گئے تو راجح قول کے مطابق ہر ایک کا الگ الگ کفارہ دینا چاہیے۔ زندگی میں نہ دے سکے تو مرنے سے پہلے پہلے وصیت کرنا واجب ہے۔

مسئلہ ۲۰: کفارہ میں کپڑا یا کھانا دینا انہی مساکین کو درست ہے جن کو زکوٰۃ دینا درست ہے۔

بھول کر یا زبردستی قسم توڑنا:

مسئلہ ۲۱: کسی نے قسم کھائی کہ آج میں فلاں چیز نہیں کھاؤں گا، پھر بھول کر کھالی یا کسی نے زبردستی منہ کھول کر کھلا دی تب بھی کفارہ دے۔

گھر میں جانے کی قسم:

مسئلہ ۲۲: کسی نے قسم کھائی کہ کبھی تیرے گھر نہیں جاؤں گا، پھر اس کے دروازہ کی دہلیز پر کھڑا ہو گیا یا دروازے

کے چھجے کے نیچے کھڑا ہو گیا، اندر نہیں گیا تو قسم نہیں ٹوٹی اور اگر دروازے کے اندر چلا گیا تو قسم ٹوٹ گئی۔

مسئلہ (۲۳): کسی نے قسم کھائی کہ اس گھر میں نہیں جاؤں گا، پھر جب وہ گھر گر کر بالکل کھنڈر بن گیا تب اس میں گیا تو بھی قسم ٹوٹ گئی اور اگر بالکل میدان ہو گیا، زمین برابر ہو گئی اور گھر کا نام و نشان بالکل مٹ گیا یا اس جگہ کھیت بن گیا یا مسجد بن گئی یا باغ بنا لیا گیا، تب اس میں گیا تو قسم نہیں ٹوٹی۔

مسئلہ (۲۴): قسم کھائی کہ اس گھر میں نہیں جاؤں گا پھر جب وہ گھر گر گیا اور دوبارہ تعمیر کیا گیا تب اس میں گیا تو بھی قسم ٹوٹ گئی۔

مسئلہ (۲۵): کسی نے قسم کھائی کہ تیرے گھر نہیں جاؤں گا، پھر کسی درخت وغیرہ سے چھلانگ لگا کر چھت پر چڑھ گیا تو قسم ٹوٹ گئی، اگرچہ نیچے نہ اترے۔

مسئلہ (۲۶): کسی نے گھر میں بیٹھے ہوئے قسم کھائی کہ اب یہاں کبھی نہیں آؤں گا، اس کے بعد بھی وہاں بیٹھا رہا تو قسم نہیں ٹوٹی، چاہے جتنے دن وہیں بیٹھا رہے، جب باہر جا کر پھر آئے گا تب قسم ٹوٹ جائے گی اور اگر قسم کھائی کہ یہ کپڑا نہیں پہنوں گا، یہ کہہ کر فوراً اتار دیا تو قسم نہیں ٹوٹی اور اگر فوراً نہیں اتارا، کچھ دیر پہنے رہا تو قسم ٹوٹ گئی۔[1]

مسئلہ (۲۷): قسم کھائی کہ اس گھر میں نہیں رہوں گا، اس کے بعد فوراً اس گھر سے سامان اٹھا کر لے جانے کا بندوبست شروع کر دیا تو قسم نہیں ٹوٹی اور اگر فوراً نہیں شروع کیا، کچھ دیر ٹھہر گیا تو قسم ٹوٹ گئی۔

مسئلہ (۲۸): قسم کھائی کہ اب تیرے گھر میں قدم نہیں رکھوں گا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ نہیں آؤں گا، اگر سوار ہو کر آیا اور گھر میں اسی سواری پر بیٹھا رہا، قدم زمین پر نہیں رکھے تب بھی قسم ٹوٹ گئی۔

مسئلہ (۲۹): کسی نے قسم کھا کر کہا: ''تیرے گھر کبھی نہ کبھی ضرور آؤں گا''، پھر آنے کا اتفاق نہیں ہوا تو جب تک زندہ ہے قسم نہیں ٹوٹے گی، مرتے وقت قسم ٹوٹ جائے گی، اس کو چاہیے کہ مرنے سے پہلے قسم کا کفارہ ادا کرنے کی وصیت کر دے۔

۱- پہلے مسئلہ میں قسم کے بعد وہیں بیٹھے رہنے کی صورت میں اس لیے قسم نہیں ٹوٹے گی کہ یہاں ''کبھی آنا'' اسی وقت ثابت ہوگا جب یہ شخص پہلے یہاں سے نکل جائے اور پھر دوبارہ اس گھر میں داخل ہو، جبکہ یہ ابھی تک نکلا ہی نہیں اور دوسرے مسئلہ میں اگر کپڑا فوراً اتار دیا تو قسم نہیں ٹوٹے گی کیونکہ قسم کھانے میں اصل یہ ہے کہ اس کو پورا کیا جائے، توڑا نہ جائے اور قسم کھانے والا اسی وقت قسم پوری کر سکتا ہے جب اس کو اتنا وقت ملے جس میں وہ کام کر سکے، اگر اس کو قسم پورا کرنے کے بقدر بھی وقت نہیں دیا جائے گا تو گویا یہ لازم آئے گا کہ شریعت اس کو ایک ایسے کام کا حکم دے رہی ہے جو اس کے بس میں نہیں جبکہ شریعت کبھی بھی ایسا حکم نہیں دیتی، اس لیے اتنی مقدار شریعت میں مستثنیٰ اور معاف ہے، البتہ اگر قسم پوری ہو سکنے کی مدت سے زیادہ پہنے رکھے گا تو قسم ٹوٹ جائے گی کیونکہ اب کوئی عذر باقی نہیں رہا۔ (فتح القدير : ٤/٣٨٤)

مسئلہ ۳۰: قسم کھائی کہ فلاں کے گھر نہیں جاؤں گا تو جس گھر میں وہ رہتا ہو وہاں نہیں جانا چاہیے۔ چاہے اس کا اپنا گھر ہو یا کرایہ پر رہتا ہو یا عاریۃً لیا ہوا ہو۔

مسئلہ ۳۱: قسم کھائی کہ تیرے پاس کبھی نہیں آؤں گا، پھر کسی سے کہا کہ آپ مجھے اٹھا کر وہاں پہنچا دیں اور اس نے اٹھا کر پہنچا دیا تب بھی قسم ٹوٹ گئی، البتہ اگر اس کے کہے بغیر کسی نے اس کو اٹھا کر وہاں پہنچا دیا تو قسم نہیں ٹوٹی۔ اسی طرح اگر قسم کھائی کہ اس گھر سے کبھی نہیں نکلوں گا، پھر کسی سے کہا کہ مجھے اٹھا کر گھر سے باہر نکال دو اور اس نے اٹھا کر نکال دیا تو قسم ٹوٹ گئی اور اگر اس کے کہے بغیر کسی نے نکال دیا تو قسم نہیں ٹوٹی۔

کھانے پینے کی قسم:

مسئلہ ۳۲: قسم کھائی کہ یہ دودھ نہیں پیوں گا، پھر وہی دودھ جما کر دہی بنا لیا تو اس کے کھانے سے قسم نہیں ٹوٹے گی۔

مسئلہ ۳۳: بکری کے بچے کے متعلق قسم کھائی کہ اس کا گوشت نہیں کھاؤں گا، پھر جب وہ بڑا ہو کر بکرا بن گیا تب اس کا گوشت کھایا تو بھی قسم ٹوٹ گئی۔

مسئلہ ۳۴: قسم کھائی کہ گوشت نہیں کھاؤں گا، پھر مچھلی یا کلیجی یا اوجھڑی کھائی تو قسم نہیں ٹوٹی۔[1]

مسئلہ ۳۵: قسم کھائی کہ یہ گندم نہیں کھاؤں گا، پھر ان کو پسوا کر اس کی روٹی کھائی یا اُس کے ستو کھائے تو قسم نہیں ٹوٹی اور اگر خود اُبال کر کھا لی یا بھنوا کر چبائی تو قسم ٹوٹ گئی، البتہ اگر یہ مطلب لیا ہو کہ گندم کے آٹے کی کوئی چیز بھی نہیں کھاؤں گا تو ان تمام چیزوں کے کھانے سے قسم ٹوٹ جائے گی۔

مسئلہ ۳۶: اگر قسم کھائی کہ یہ آٹا نہیں کھاؤں گا تو اس کی روٹی کھانے سے قسم ٹوٹ جائے گی اور اگر اس کا حلوا یا کچھ اور پکا کر کھایا تب بھی قسم ٹوٹ گئی اور اگر ویسا ہی کچا آٹا پھانک لیا تو قسم نہیں ٹوٹی۔

مسئلہ ۳۷: قسم کھائی کہ روٹی نہیں کھاؤں گا تو اس علاقے میں جن چیزوں کی روٹی کھائی جاتی ہے ان چیزوں کی روٹی کھانے سے قسم ٹوٹ جائے گی۔

مسئلہ ۳۸: قسم کھائی کہ سری نہیں کھاؤں گا تو چڑیا، بٹیر، مرغ وغیرہ کا سر کھانے سے قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اگر بکری یا گائے کی سری کھائی تو قسم ٹوٹ گئی۔

۱- کیونکہ ان چیزوں کو عرفِ عام میں گوشت نہیں کہتے اور قسم کا تعلق عرف میں مراد لیے جانے والے معنی کے ساتھ ہوتا ہے۔

مسئلہ ۳۹: قسم کھائی کہ میوہ نہیں کھاؤں گا تو انار، سیب، انگور، چھوارا، بادام، اخروٹ، کشمش، منقّے یا کھجور کھانے سے قسم ٹوٹ جائے گی۔ اگر خربوزہ، تربوز، ککڑی یا کھیرا کھائے تو قسم نہیں ٹوٹی۔

نہ بولنے کی قسم:

مسئلہ ۴۰: قسم کھائی کہ فلاں آدمی سے نہیں بولوں گا، پھر سوتے میں اس سے کچھ کہا اور اس کی آواز سے وہ جاگ گیا تو قسم ٹوٹ گئی۔

مسئلہ ۴۱: قسم کھائی کہ والد کی اجازت کے بغیر فلاں سے نہیں بولوں گا، پھر والد نے اجازت دے دی، لیکن اجازت کی خبر ابھی اس کو نہیں ملی تھی کہ اس سے بات کر لی اور بات کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ والد نے اجازت دے دی تھی تب بھی قسم ٹوٹ گئی۔

مسئلہ ۴۲: قسم کھائی کہ اس لڑکے سے کبھی بات نہیں کروں گا، پھر جب وہ جوان ہو گیا یا بوڑھا ہو گیا تب اس سے بات کی تو بھی قسم ٹوٹ گئی۔

مسئلہ ۴۳: قسم کھائی کہ کبھی تیرا منہ نہیں دیکھوں گا، تیری صورت نہیں دیکھوں گا، تو مطلب یہ ہے کہ تجھ سے ملاقات نہیں کروں گا، میل جول نہیں رکھوں گا۔ اگر کہیں دور سے صورت دیکھ لی تو قسم نہیں ٹوٹی۔

بیچنے اور خریدنے کی قسم:

مسئلہ ۴۴: قسم کھائی کہ فلاں چیز نہیں خریدوں گا، پھر کسی سے کہہ دیا کہ تم مجھے خرید کر دو، اس نے خرید کر دے دی تو قسم نہیں ٹوٹی۔ اسی طرح اگر یہ قسم کھائی کہ اپنی فلاں چیز نہیں بیچوں گا، پھر خود نہیں بیچی بلکہ دوسرے سے کہا کہ تم بیچ دو اور اس نے بیچ دی تو قسم نہیں ٹوٹی۔ اسی طرح کرایہ پر لینے کا بھی یہی حکم ہے۔ اگر قسم کھالی کہ میں یہ مکان کرایہ پر نہیں لوں گا، پھر کسی دوسرے کے ذریعہ سے کرایہ پر لے لیا تو قسم نہیں ٹوٹی،[1] البتہ اگر قسم کھانے کا یہی مطلب تھا کہ نہ تو خود یہ کام کروں گا نہ کسی دوسرے سے کرواؤں گا تو دوسرے آدمی کے کرنے سے بھی قسم ٹوٹ جائے گی۔ غرض یہ کہ جو مطلب ہوگا اسی کے مطابق حکم لگایا جائے گا۔ اگر قسم کھانے والی پردہ نشین عورت یا ایسا آدمی ہے جو خود خرید و فروخت وغیرہ نہیں کرتا تو اس صورت میں اگر یہ کام دوسرے سے کہہ کر کرالیے تب بھی قسم ٹوٹ جائے گی۔[2]

۱- کیونکہ جو شخص خریدنے، بیچنے اور کرایہ پر لینے کا معاملہ کرتا ہے اسی کو خریدنے بیچنے والا کہا جاتا ہے۔ یہاں قسم اٹھانے والے نے خود خریدا بیچا نہیں اس لیے قسم نہ ٹوٹی۔

۲- اس لیے کہ جب یہ خود خریدتا بیچتا نہیں تو اس کی قسم کا مطلب یہ ہے کہ کسی اور سے یہ کام نہیں کرائے گا۔

مسئلہ ۲۵: قسم کھائی کہ میں اپنے اس لڑکے کو نہیں ماروں گا، پھر کسی اور سے کہہ کر پٹوا دیا تو قسم نہیں ٹوٹی۔

نماز روزہ کی قسم:

مسئلہ ۲۶: کسی نے قسم کھائی کہ میں روزہ نہیں رکھوں گا پھر روزہ کی نیت کر لی تو تھوڑی ہی دیر گزرنے سے بھی قسم ٹوٹ جائے گی، پورا دن گزرنے کا انتظار نہیں کیا جائے گا، اگر تھوڑی دیر بعد روزہ توڑ دیا تب بھی قسم کا کفارہ دینا پڑے گا اور اگر یوں کہا: ''ایک روزہ بھی نہیں رکھوں گا'' تو جب تک پورا دن نہ گزرے اور روزہ کھولنے کا وقت نہ آئے اس وقت تک قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اگر وقت آنے سے پہلے ہی روزہ توڑ دیا تو قسم نہیں ٹوٹی۔[1]

مسئلہ ۲۷: قسم کھائی کہ میں نماز نہیں پڑھوں گا، پھر پشیمان ہوا اور نماز پڑھنے کھڑا ہو گیا تو جب پہلی رکعت کا سجدہ کیا اُسی وقت قسم ٹوٹ گئی، سجدہ کرنے سے پہلے قسم نہیں ٹوٹی، اگر ایک رکعت پڑھ کر نماز توڑ دے تب بھی قسم ٹوٹ گئی لیکن ایسی قسمیں کھانا بہت بڑا گناہ ہے، اگر کسی سے ایسی غلطی ہو گئی تو اس کو فوراً توڑ دے اور کفارہ دے۔

متفرقات

مسئلہ ۱: قسم کھائی کہ اس قالین پر نہیں لیٹوں گا، پھر قالین کے اوپر چادر بچھا کر لیٹ گیا تو قسم ٹوٹ گئی اور اگر اس قالین کے اوپر ایک اور قالین یا کوئی دری بچھائی اور اس کے اوپر لیٹ گیا تو قسم نہیں ٹوٹی۔

مسئلہ ۲: قسم کھائی کہ زمین پر نہیں بیٹھوں گا، پھر زمین پر کپڑا، چٹائی یا ٹاٹ وغیرہ بچھا کر بیٹھ گیا تو قسم نہیں ٹوٹی اور اگر عورت اپنے اوڑھے ہوئے دوپٹے کا آنچل بچھا کر بیٹھ گئی تو قسم ٹوٹ گئی، البتہ اگر دوپٹہ اتار کر بچھا لیا اور بیٹھ گئی تو قسم نہیں ٹوٹی۔

مسئلہ ۳: قسم کھائی کہ اس چارپائی یا اس تخت پر نہیں بیٹھوں گا، پھر اس پر دری یا قالین وغیرہ بچھا کر بیٹھ گیا تو قسم ٹوٹ گئی۔ اگر اس چارپائی کے اوپر ایک اور چارپائی رکھی یا تخت کے اوپر ایک اور تخت رکھ لیا، پھر اوپر والی چارپائی یا تخت پر بیٹھ گیا تو قسم نہیں ٹوٹی۔[2]

مسئلہ ۴: قسم کھائی کہ فلاں کو کبھی نہیں نہلاؤں گا، پھر اس کے مرنے کے بعد نہلایا تو قسم ٹوٹ گئی۔

۱- ایک روزہ تو اس وقت ہوتا ہے جب پورا دن روزہ رکھے، جبکہ صرف ''روزہ'' کہنے سے ایک لمحے کا روزہ بھی مراد ہوتا ہے۔

۲- قسم میں عرف کا اعتبار ہوتا ہے۔ جس صورت کو عرف میں چارپائی، قالین اور زمین پر بیٹھنا کہا جاتا ہے وہاں قسم ٹوٹے گی اور جہاں عرف میں یہ نہیں سمجھا جاتا وہاں نہیں ٹوٹے گی۔

مسئلہ ۵: شوہر نے قسم کھائی کہ تجھ کو کبھی نہیں ماروں گا، پھر غصہ میں بالوں سے پکڑ کر گھسیٹا یا گلا گھونٹ دیا یا زور سے دانتوں سے کاٹا تو قسم ٹوٹ گئی اور اگر دل لگی اور پیار میں کاٹا تو قسم نہیں ٹوٹی۔

مسئلہ ۶: قسم کھائی کہ فلاں کو ضرور ماروں گا اور وہ ایسا کہنے سے پہلی ہی مر چکا ہو تو اگر اس کا مرنا معلوم نہیں تھا، اس وجہ سے قسم کھائی تو قسم نہیں ٹوٹے گی اور اگر جان بوجھ کر قسم کھائی تو کھاتے ہی قسم ٹوٹ گئی۔

مسئلہ ۷: اگر کسی نے کوئی کام کرنے کی قسم کھائی مثلاً یوں کہا: ''خدا کی قسم! انار ضرور کھاؤں گا'' تو عمر بھر میں ایک دفعہ کھا لینا کافی ہے اور اگر کسی کام کے نہ کرنے کی قسم کھائی جیسے یوں کہا: ''خدا کی قسم! انار نہیں کھاؤں گا'' تو ہمیشہ کے لیے چھوڑنا پڑے گا، جب بھی کھائے گا تو قسم ٹوٹ جائے گی،[1] البتہ اگر ایسا ہوا کہ گھر میں انار، انگور وغیرہ آئے اور خاص ان اناروں کے بارے میں کہا: ''یہ نہیں کھاؤں گا'' تو وہ نہ کھائے، ان کے علاوہ اور منگا کر کھائے تو کوئی حرج نہیں۔

نذر (منت) ماننا

نذر پوری کرنا:

مسئلہ ۱: کسی کام پر کسی عبادت کی منت (نذر) مانی پھر وہ کام پورا ہو گیا جس کے لیے منت مانی تھی تو اب منت کا پورا کرنا واجب ہے، اگر منت پوری نہیں کرے گا تو بہت گناہ ہوگا، لیکن اگر کسی ناجائز کام کی منت ہو تو اس کا پورا کرنا واجب نہیں [بلکہ جائز ہی نہیں] جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے۔

روزہ کی نذر:

مسئلہ ۲: کسی نے کہا: ''یا اللہ! اگر میرا فلاں کام ہو جائے تو میں پانچ روزے رکھوں گا'' تو جب کام ہو جائے گا تو پانچ روزے رکھنا واجب ہے اور اگر کام نہیں ہوا تو روزے واجب نہیں۔ اگر صرف اتنا ہی کہا کہ پانچ روزے رکھوں گا تو اختیار ہے چاہے تو پانچوں روزے لگاتار رکھے یا ایک ایک دو دو کر کے پانچ روزے پورے کر لے، دونوں صورتیں درست ہیں اور اگر نذر ماننے وقت یہ کہہ دیا کہ پانچوں روزے لگاتار رکھوں گا یا دل میں یہ نیت تھی تو مسلسل رکھنے پڑیں گے۔ اگر درمیان میں ایک آدھ چھوٹ جائے تو دوبارہ نئے سرے سے رکھے۔

۱- کیونکہ ''کرنا'' ایک دفعہ سے بھی ثابت ہو جاتا ہے اور ''نہ کرنا'' اس وقت کہا جاتا ہے جب وہ کام کبھی بھی نہ کیا جائے ورنہ وہ کرنا شمار ہوگا۔ (شامیة: ۸۴۳/۳)

مسئلہ ۳: اگر یہ کہا کہ جمعہ کا روزہ رکھوں گا یا فلاں مہینے کی پہلی تاریخ سے دسویں تاریخ تک روزے رکھوں گا تو خاص جمعہ ہی کو اور اس مہینے کی خاص انہی تاریخوں میں روزہ رکھنا واجب نہیں، جب چاہے دس روزے رکھ لے، لیکن یہ دس روزے لگاتار رکھنے پڑیں گے، چاہے اس مہینے میں رکھے، چاہے کسی اور مہینے میں، سب جائز ہے۔ اسی طرح اگر یہ کہا: ''اگر آج میرا یہ کام ہو جائے تو کل ہی روزہ رکھوں گا'' تب بھی اختیار ہے کہ جب چاہے رکھے۔(۱)

مسئلہ ۴: کسی نے نذر مانتے وقت یوں کہا: ''شعبان کے مہینے کے روزے رکھوں گا'' تو شعبان کے پورے مہینے کے روزے لگاتار رکھنے پڑیں گے۔ اگر درمیان میں کسی وجہ سے پانچ دس روزے چھوٹ جائیں تو ان کے بدلے اتنے روزے اور رکھ لے، سارے روزے دوبارہ نہ رکھے اور یہ بھی اختیار ہے کہ شعبان کے مہینے میں نہ رکھے، کسی دوسرے مہینے میں رکھے لیکن سب لگاتار رکھے۔

نماز کی نذر:

مسئلہ ۵: کسی نے منت مانی کہ میری گم شدہ چیز مل جائے تو میں آٹھ رکعت نماز پڑھوں گا تو اس کے مل جانے پر آٹھ رکعت نماز پڑھنا پڑے گی، چاہے ایک ساتھ آٹھ رکعتیں پڑھے یا چار چار یا دو دو اور اگر چار رکعت کی منت مانی تو چاروں ایک ہی سلام سے پڑھنی ہوں گی، الگ الگ دو دو پڑھنے سے نذر ادا نہیں ہوگی۔

مسئلہ ۶: کسی نے ایک رکعت پڑھنے کی منت مانی تو پوری دو رکعتیں پڑھنی پڑیں گی، اگر تین کی منت مانی تو پوری چار، اگر پانچ کی منت مانی تو پوری چھ رکعتیں پڑھے۔ ان سے زیادہ کا بھی یہی حکم ہے۔

رقم کی نذر:

مسئلہ ۷: یوں منت مانی کہ دس روپے خیرات کروں گا یا ایک روپیہ خیرات کروں گا تو جتنا کہا ہے اتنا خیرات کرے۔ اگر یوں کہا: ''پچاس روپے خیرات کروں گا'' اور اس کے پاس اس وقت صرف دس ہی روپے ہیں تو دس روپے ہی دینے پڑیں گے،(۲) البتہ اگر دس روپے کے علاوہ کچھ سامان بھی ہے تو اس کی قیمت بھی لگائی جائے گی، مثال کے طور پر کسی کے

۱- اس لیے کہ منت میں کسی زمانے (دن یا مہینہ) یا جگہ یا فقیر کی تعیین کرنے سے تعیین لازم نہیں ہوتی، کسی دوسرے وقت یا دوسری جگہ یا دوسرے فقیر کو دینے سے بھی منت پوری ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اگر منت میں کوئی چیز متعین کر دی کہ فلاں چیز دوں گا تو بعینہ وہی چیز دینا لازم نہیں بلکہ اس کی قیمت کے برابر نقدی یا کوئی دوسری چیز بھی دے سکتا ہے۔ یہ اصول اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے، آگے آنے والے بہت سے مسائل میں اسی اصول کی بنا پر تعیین لازم نہ ہونے کا حکم بتایا گیا ہے۔

۲- اس لیے کہ اس سے زائد کا وہ مالک نہیں اور جس چیز کا منت مانتے وقت مالک نہ ہو اس کا صدقہ ضروری نہیں ہوتا۔

پاس دس روپے نقد ہیں اور پندرہ روپے کا سامان ہے، یہ سب پچیس روپے ہوئے تو صرف پچیس روپے خیرات کرنا واجب ہے، اس سے زیادہ واجب نہیں۔

مسئلہ ۸: کسی نے کہا: ''دس روپے اس طرح خیرات کروں گا کہ ہر فقیر کو ایک ایک روپیہ دوں گا'' پھر پورے دس روپے ایک ہی فقیر کو دے دیے تو بھی جائز ہے، ہر فقیر کو ایک ایک روپیہ دینا واجب نہیں۔ اگر دس روپے بیس فقیروں کو دے دیے تو بھی جائز ہے اور اگر کہا: ''دس روپے دس فقیروں پر خیرات کروں گا'' تو بھی اختیار ہے، چاہے دس کو دے، چاہے کم یا زیادہ کو۔

کھانا کھلانے کی نذر:

مسئلہ ۹: اگر یوں منت مانی کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلاؤں گا تو اگر دل میں یہ خیال ہے کہ ایک وقت یا دو وقت کھلاؤں گا تب تو اسی طرح کھلائے اور اگر دل میں کوئی خیال نہیں تو دو وقت دس مسکینوں کو کھانا کھلائے اور اگر کچا اناج دے تو اس میں بھی یہی بات ہے کہ اگر دل میں کوئی خیال تھا کہ اتنا اتنا ہر ایک کو دوں گا تو اتنا ہی دے اور اگر کوئی خیال نہیں تھا تو ہر ایک کو اتنا دے جتنا صدقۂ فطر کے بیان میں گزرا۔

مسئلہ ۱۰: اگر یوں کہا: ''اتنے روپے کی روٹی فقیروں میں بانٹوں گا'' تو اختیار ہے چاہے اتنے روپے کی روٹی دے، چاہے اتنے روپے کی کوئی اور چیز یا اتنے روپے نقد دے دے۔

مسئلہ ۱۱: اگر کہا: ''دس نمازیوں یا دس حافظوں کو کھانا کھلاؤں گا'' تو دس فقیروں کو کھلائے چاہے وہ نمازی اور حافظ ہوں یا نہ ہوں۔ (۱)

نذر میں جگہ، وقت یا فقیر وغیرہ کی تعیین:

مسئلہ ۱۲: کسی نے کہا: ''دس روپے مکہ مکرمہ میں خیرات کروں گا'' تو مکہ میں خیرات کرنا واجب نہیں، جہاں چاہے خیرات کرے یا یوں کہا: ''جمعہ کے دن خیرات کروں گا یا فلاں فقیر کو دوں گا'' تو جمعہ کے دن خیرات کرنا اور اسی فقیر کو دینا ضروری نہیں، اسی طرح اگر روپے مقرر کر کے کہا کہ یہی روپے اللہ تعالیٰ کی راہ میں دوں گا تو وہی روپے دینا واجب نہیں، چاہے وہی دے یا دوسرے دیدے۔

مسئلہ ۱۳: اسی طرح اگر منت مانی کہ جامع مسجد میں نماز پڑھوں گا یا مکہ مکرمہ میں نماز پڑھوں گا تو بھی اختیار ہے

۱- کیونکہ نذر کسی خاص وقت، جگہ اور کسی خاص فقیر کے ساتھ لازماً مختص نہیں ہوتی۔ لہٰذا وقت، جگہ اور فقیر کی تعیین کے باوجود بھی ان چیزوں کی پابندی ضروری نہیں۔ (حاشیۂ بہشتی زیور)

جہاں چاہے پڑھے۔

جانور ذبح کرنے کی نذر:

مسئلہ ۱۴: کسی نے کہا: ''اگر میرا بھائی صحت یاب ہو جائے تو ایک بکری ذبح کروں گا'' یا یوں کہا: ''ایک بکری کا گوشت خیرات کروں گا'' تو منت ہوگئی۔ اگر یوں کہا: ''قربانی کروں گا'' تو قربانی کے دنوں میں ذبح کرنا چاہیے[1] اور دونوں صورتوں میں اس کا گوشت فقیروں کے سوا اور کسی کو دینا یا خود کھانا درست نہیں۔ جتنا خود کھایا یا مالداروں کو دے دیا اتنا دوبارہ خیرات کرنا پڑے گا۔

مسئلہ ۱۵: ایک گائے قربانی کرنے کی منت مانی، پھر گائے نہیں ملی تو سات بکریاں ذبح کر دے۔

مسئلہ ۱۶: منت مانی تھی کہ جب میرا بھائی آئے تو سو روپے خیرات کروں گا، پھر آنے کی خبر سن کر اس نے آنے سے پہلے ہی روپے خیرات کر دیے تو منت پوری نہیں ہوئی، آنے کے بعد پھر خیرات کرے۔

غیر شرعی کام کی نذر:

مسئلہ ۱۷: اگر یوں کہا کہ میرا بھائی تندرست ہو جائے تو ناچ کرواؤں گا یا باجا بجواؤں گا تو یہ منت گناہ ہے، تندرست ہونے کے بعد ایسا کرنا جائز نہیں۔

مسئلہ ۱۸: یہ منت مانی کہ اگر فلاں کام ہو جائے تو میلاد کرواؤں گا تو منت نہیں ہوئی یا یہ منت کی کہ فلاں بات ہو جائے تو فلاں مزار پر چادر چڑھاؤں گا، یہ منت بھی نہیں ہوئی، اس کا پورا کرنا واجب نہیں۔ [بلکہ جائز ہی نہیں]

غیر اللہ کے لیے نذر:

مسئلہ ۱۹: اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے لیے منت ماننا مثلاً یوں کہنا: ''اے بڑے پیر! اگر میرا کام ہو جائے تو میں تمہاری خاطر فلاں کام کروں گا'' حرام اور شرک ہے، بلکہ اس منت کی چیز کا کھانا بھی حرام ہے۔ اسی طرح قبروں اور مزاروں پر جانا اور درخواست کرنا حرام اور شرک ہے۔

۱- الا یہ کہ قربانی کے لفظ سے کسی بھی وقت ذبح کرنے کی نیت کی ہو تو پھر قربانی کے دنوں میں ہی ذبح کرنا ضروری نہیں ہوگا۔

متفرقات

مسئلہ (۲۰): اگر ایسے کام کے ہونے پر منت مانی جس کے ہونے کی خواہش ہے کہ یہ کام ہو جائے مثلاً کہے: ''اگر میں تندرست ہو گیا تو ایسا کروں گا، اگر میرا بھائی خیریت سے آجائے تو ایسا کروں گا، اگر میرا باپ مقدمہ سے بری ہو جائے تو ایسا کروں گا'' تو جب وہ کام ہو جائے تو منت پوری کرے اور اگر اس طرح کہا: ''اگر میں نے تجھ سے بات کی تو دو روزے رکھوں گا'' یا یہ کہا: ''اگر آج میں نے نماز نہیں پڑھی تو اتنے روپے خیرات کروں گا'' پھر اس نے بات کر لی یا نماز نہیں پڑھی تو اختیار ہے چاہے قسم کا کفارہ دے دے اور چاہے تو دو روزے رکھے اور اتنے روپے خیرات کرے۔

مسئلہ (۲۱): یہ منت مانی کہ ایک ہزار مرتبہ درود شریف پڑھوں گا یا ہزار مرتبہ کلمہ پڑھوں گا تو منت ہو گئی اور پڑھنا واجب ہو گیا اور اگر کہا کہ ہزار دفعہ سبحان اللہ پڑھوں گا یا ہزار دفعہ لاحول پڑھوں گا تو منت نہیں ہوئی اور پڑھنا واجب نہیں۔(۱)

مسئلہ (۲۲): منت مانی کہ دس مرتبہ قرآن مجید ختم کروں گا یا ایک پارہ پڑھوں گا تو منت ہو گئی۔

مسئلہ (۲۳): یہ منت مانی کہ فلاں خستہ حال مسجد بنواؤں گا یا فلاں پل بنواؤں گا تو یہ منت بھی منعقد نہیں، اس کے ذمہ کچھ واجب نہیں۔(۲)

۱- اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ شریعت میں نذر کے لازم ہونے کے لیے دو شرطیں ہیں:
(۱) جس کام کی نذر مانی جائے وہ عبادتِ مقصودہ ہو۔ (۲) اس کی جنس سے کوئی فرد فرض یا واجب ہو۔ (یعنی اس کام کی کوئی صورت فرض یا واجب ہو) دونوں میں سے اگر کوئی ایک شرط بھی نہ پائی جائے گی تو نذر لازم نہیں ہوگی۔ اب اس قاعدہ کی روشنی میں سمجھ لیں کہ ''سبحان اللہ'' اور ''لاحول'' پڑھنے کی نذر لازم نہیں ہوگی اس لیے کہ یہ کبھی بھی فرض یا واجب نہیں ہوتے اور درود شریف پڑھنے کی نذر صحیح اور لازم ہے اس لیے کہ اس کی ایک قسم فرض ہے۔ وہ اس طرح کہ ہر شخص پر عمر بھر میں ایک بار درود شریف پڑھنا فرض ہے۔ (أحسن الفتاوی: ۵/۴۸۱)

۲- اس لیے کہ مسجد بنانا بذاتِ خود اصل عبادتِ مقصودہ نہیں، اصل مقصود تو اس میں نماز پڑھنا اور عبادت کرنا ہے اور پل بنوانا نہ عبادتِ مقصودہ ہے اور نہ کوئی صورت ایسی ہے جس میں پل بنانا فرض یا واجب ہو، جبکہ نذر منعقد ہونے کے لیے مذکورہ دونوں شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔ (أحسن الفتاوی: ۵/۴۷۷) البتہ از خود ثواب سمجھ کر یہ کام کر دے تو بلاشبہ باعث اجر ہے۔

اضافہ

نذرِ ذبح میں قیمت صدقہ کرنا:

اگر کسی نے نذر مانی کہ اگر میرا فلاں کام ہوگیا تو اس بکرے کو جو گھر پر پلا ہوا ہے ذبح کرکے اس کا گوشت فقراء میں تقسیم کروں گا تو کام ہو جانے پر اسی بکرے کو ذبح کرنا ضروری نہیں، اس لیے کہ جانور ذبح کرنے کی نذر ماننے سے اصل مقصود گوشت تقسیم کرنے کی نذر ہوتا ہے۔ لہٰذا اختیار ہے چاہے وہی بکرا ذبح کرکے صدقہ کرے یا بکرا زندہ صدقہ کردے یا اس کی قیمت صدقہ کرے یا قیمت کے برابر کوئی دوسری چیز صدقہ کرے۔[1]

☆......☆......☆

۱- أحسن الفتاوی: ۵/ ۴۸۲، إمداد الأحکام: ۳/ ۳۵

کِتَابُ الحُدُود

حدود "حد" کی جمع ہے، "حد" شریعت کی طرف سے مقدار متعین کی گئی سزا کو کہتے ہیں[1] اور حدود یہ ہیں:

(۱) حدِ زِنا (۲) حدِ سرقہ
(۳) حدِ رہزنی (۴) حدِ شُربِ خمر (شراب پینے کی سزا)
(۵) حدِ قذف (تہمت لگانے کی سزا)
(٦) حدِ ارتداد

حدِ زِنا
(زِنا کی سزا)

حدِ زِنا کا سبب:

دارالاسلام میں کسی مکلّف یعنی عاقل و بالغ اور قوتِ گویائی رکھنے والے کا اپنے اختیار سے حشفہ[2] کے بقدر اپنے آلہ تناسل کو کسی قابل شہوت (چاہے فی الحال ہو یا کبھی رہی ہو اور اب بوڑھی ہو چکی ہو) عورت جو اس کی ملک نکاح وغلامی اور اس کے شبہ سے خالی ہو اس کی آگے کی راہ میں داخل کرنا یا مرد کا مذکورہ عورت کو ایسا کرنے کی قدرت دینا یا عورت کا اپنے اختیار سے مرد کو ایسا فعل کرنے کی قدرت دینا۔

حدِ زِنا کی تفصیل:

"محصن" مرد و عورت کے لیے رجم یعنی سنگساری ہے جبکہ "غیر محصن" کے لیے سو کوڑے ہیں۔

محصن وہ شخص ہوتا ہے جو آزاد، عاقل، بالغ، مسلمان ہو اور جس نے صحیح نکاح کے بعد جماع کیا ہو اور جماع کے وقت بیوی میں بھی یہ مذکورہ تمام صفات پائی جاتی ہوں۔

۱- شریعت میں سزائیں دو طرح کی ہیں:
(۱) وہ سزا جس کی مقدار شریعت نے خود متعین کردی ہو۔ اس کو "حد" کہتے ہیں۔ یہ مذکورہ بالا چھ جرائم پر جاری ہوتی ہے۔
(۲) وہ سزا جس کی مقدار شریعت نے متعین نہیں کی، قاضی کی صوابدید پر چھوڑ دیا ہے کہ وہ جرم کی نوعیت اور مجرم کی حالت دیکھ کر اس سزا کی نوعیت اور مقدار کا فیصلہ کرے۔ اس کو "تعزیر" کہتے ہیں۔

۲- عضوِ تناسل کے اگلے حصے کو عربی میں "حشفہ" اور اردو میں "سپاری" کہتے ہیں۔

ثبوتِ زِنا کے دو طریقے

۱- گواہی:

چار مرد گواہ لفظِ زِنا کے ساتھ زبان سے گواہی دیں۔ جب وہ چاروں گواہی دے دیں تو اس کے بعد قاضی ان سے زِنا کی کیفیت، پھر زِنا کے وقت، پھر زنا کی جانے والی عورت، پھر زِنا کی جگہ کے بارے میں دریافت کرے گا۔ اگر قاضی کی نظر میں وہ گواہ عادل ہوں تو اب قاضی مجرم سے اس کے احصان کے بارے میں پوچھے گا۔ اگر مجرم نے احصان کا اقرار کیا یا اس کے انکار پر گواہوں نے اس کے محصن ہونے کی گواہی دی تو اس کو رجم کیا جائے گا اور اگر مجرم نے کہا کہ میں محصن نہیں ہوں اور گواہوں نے بھی اس کے احصان کی گواہی نہ دی تو قاضی مجرم سے احصان کی مذکورہ بالا صفات کے بارے میں باری باری پوچھے گا۔ اگر اس نے ٹھیک ٹھیک بیان کر دیا تو مجرم کو کوڑے لگائے جائیں گے۔

۲- اقرار:

اقرار کنندہ عاقل، بالغ اپنے بارے میں چار مرتبہ چار الگ مجلسوں میں زِنا کا اقرار کرے۔ چار مختلف مجلسوں میں اقرار شرط ہے جس کی صورت یہ ہے کہ اس کے ہر مرتبہ کے اقرار کے بعد قاضی اس کو واپس لوٹا دے اور وہ واپس پلٹ جائے یہاں تک کہ حاکم یا قاضی کی نظر سے غائب ہو جائے اور پھر آئے اور آ کر اقرار کرے۔ قاضی کو چاہیے کہ وہ اقرار کنندہ کی حوصلہ شکنی کی کوشش کرے اور ناگواری کا اظہار کرے۔ جب چار مرتبہ اقرار ہو جائے تو قاضی اس کی حالت پر غور کرے۔ جب معلوم ہو کہ وہ صحیح العقل ہے تو اس سے دریافت کرے کہ زِنا کیا ہوتا ہے اور کیونکر ہوتا ہے اور کس کے ساتھ کیا ہے اور کہاں کیا ہے اور کب کیا ہے؟ جب معلوم ہو جائے، اس نے واقعی زِنا کیا ہے تو اب اس سے دریافت کرے کہ آیا وہ محصن ہے اور احصان کیا ہوتا ہے؟ ٹھیک ٹھیک بیان کرنے پر اس پر حد قائم کرے گا۔ اگر اقرار کنندہ حد قائم کیے جانے سے پہلے یا حد قائم کیے جانے کے دوران اپنے اقرار سے پھر جائے تو اس کو چھوڑ دیا جائے گا، چاہے یہ مرد کی طرف سے ہو یا عورت کی طرف سے ہو۔ اسی طرح اگر حد لگائے جانے کے دوران وہ بھاگ جائے تو اس کو کچھ نہیں کہا جائے گا۔

حد لگانے کا طریقہ:

مسئلہ ۱: رَجم کی صورت میں عورت کے لیے سینہ تک گڑھا کھودنا بہتر ہے۔ مرد کے لیے گڑھا نہ کھودا جائے گا۔

کوڑوں کی مار کے لیے مرد کی قمیص اتار لی جائے گی۔عورت کی قمیص نہیں اتاری جائے گی، البتہ زائد کپڑے مثلاً: کوٹ وغیرہ اتار لیے جائیں گے اور عورت کو بٹھا کر حد لگائی جائے گی۔

کوڑے جسم کے مختلف حصوں پر لگائیں گے، البتہ سر، چہرے، شرمگاہ، سینہ اور پیٹ پر کوڑے نہیں ماریں گے۔

یہ بھی جائز ہے کہ ایک دن پچاس کوڑے لگائے جائیں اور بقیہ پچاس دوسرے دن لگائے جائیں۔

مسئلہ ۲: اگر زانیہ کو حمل ٹھہر چکا ہو تو چاہے اس کی حد کچھ بھی ہو، رَجم ہو یا کوڑے ہوں، وضع حمل سے پہلے اس پر حد نہیں لگائی جائے گی تا کہ بچہ ہلاک نہ ہو جو بے قصور ہے۔ پھر اگر حد رَجم ہے اور کوئی بچے کی پرورش کرنے والا ہے تو وضع حمل کے فوراً بعد رجم کیا جائے گا اور اگر پرورش کرنے والا نہ ہو تو حد کا نفاذ اس وقت تک ملتوی رکھا جائے گا جب تک بچہ خود کھانے پینے نہ لگے اور اگر حد کوڑے ہوں تو وہ نفاس سے فراغت کے بعد لگائے جائیں گے۔

مسئلہ ۳: اپنی بیوی کے ساتھ پیچھے کی راہ میں جماع کرنا بھی حرام ہے۔ اگر کوئی اپنی بیوی کے ساتھ ایسا فعل کرے اور دوبارہ پھر کرے، باز نہ آئے تو حاکم اس کو تعزیر میں قتل کر سکتا ہے۔

اگر اپنی بیوی کے علاوہ کسی اجنبی کے ساتھ کرے تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زنا کی حد تو جاری نہیں ہوگی (اس لیے کہ یہ فعل بہر حال زنا نہیں ہے) البتہ حاکم اس پر تعزیر جاری کر سکے گا حتیٰ کہ تعزیراً قتل بھی کر سکتا ہے جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس پر زنا والی حد جاری ہوگی لہٰذا اگر وہ محصن نہیں ہے تو اس کو سو کوڑے لگیں گے اور اگر وہ محصن ہے تو اس کو رجم کیا جائے گا۔

مسئلہ ۴: کوئی اگر کسی چوپایہ کے ساتھ بدفعلی کرے تو مجرم کو تعزیر لگائی جائے گی اور جانور کو ذبح کر کے جلا دینا بہتر ہے۔ اگر جانور بدفعلی کرنے والے کا نہ ہو تو مجرم جانور کے مالک سے پہلے اس کو خرید ے، پھر ذبح کر کے جلا دے۔ کوئی عورت اگر کسی جانور سے بدفعلی کرائے تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔

کوڑوں کی سزا کا قانون:

۱۔ جس کوڑے سے حد لگائی جائے اس میں گرہیں نہ ہوں اور وہ ایسا ہو کہ اس کے مارنے سے تکلیف تو ہوتی ہو، لیکن زخم نہ آتا ہو۔

۲۔ کوڑے مارنے والا کوڑے کو اپنے سر سے اونچا نہ کرے اور نہ ہی جسم پر کوڑا لگانے کے بعد جسم پر کوڑے کو کھینچے۔

۳- اگر مجرم بہت کمزور ہو کہ کوڑے لگانے سے اس کے مرجانے کا اندیشہ ہو تو کوڑا آہستگی سے مارا جائے تاکہ وہ اس کو برداشت کر سکے۔

جن صورتوں میں حد نہیں لگتی:

مندرجہ ذیل صورتوں میں شبہہ کی وجہ سے حد نہیں لگائی جاتی:

۱- تین طلاق دی ہوئی بیوی سے عدت کے دوران جماع کیا۔

۲- کنائی طلاق کی عدت میں بیوی سے جماع کیا۔

۳- گواہوں کے بغیر کسی عورت سے نکاح کیا یا ولی کے بغیر عورت سے نکاح کیا۔

۴- اپنی کسی محرم سے نکاح کیا اور پھر جماع بھی کر لیا۔

تنبیہ: جن صورتوں میں شبہہ کی وجہ سے حد نہیں لگتی ان میں اگر مرد کی سرکشی واضح ہو تو اس کو تعزیر دی جائے گی۔

حدِ سرقہ

(چوری کی سزا)

جس چوری پر حد لگتی ہے اس کی تعریف یہ ہے کہ دارالاسلام میں عاقل، بالغ، بینا اور بولنے پر قدرت رکھنے والا آدمی حفاظت میں رکھے ہوئے مال جو سرقہ کے نصاب یعنی دو تولہ ساڑھے سات ماشہ چاندی یا اتنی مالیت کی کسی چیز کو چوری کے ارادے سے خفیہ طریقے سے لے لے، جبکہ اس مال میں غیر کی ملکیت ہونے میں کسی قسم کا شبہہ نہ ہو۔ اگر چوری دن میں ہو تو خفیہ ہونے کا اعتبار فعل کے شروع و آخر دونوں میں کیا جائے گا اور اگر رات میں ہو تو صرف شروع میں کیا جائے گا۔ مثلاً: چور چپکے سے گھر میں داخل ہوا لیکن مال سمیٹنے کے دوران مالک جاگ گیا اور چور کو روکنے لگا تو چور نے ہتھیار سے مالک کا مقابلہ کیا اور اس کو قتل کیے بغیر مال لے کر چلا گیا، اس صورت میں چوری کی واردات کی ابتدا تو خفیہ ہے، انتہا خفیہ نہیں، لہٰذا اگر واردات دن کے وقت ہوئی تو ہاتھ نہیں کٹے گا، بلکہ تعزیر ہوگی اور رات کے وقت ہوئی تو ہاتھ کٹے گا۔

سرقہ کا نصاب:

دس درہم دو تولہ ساڑھے سات ماشہ = (۳۴٫۲ گرام)[1] چاندی یا اتنی مالیت کی کوئی چیز۔

۱- آسانی کے لیے 35 گرام چاندی کہہ دیا جاتا ہے۔

جن چیزوں کی چوری پر ہاتھ نہیں کٹتا:

- جو چیزیں جلد خراب ہوجاتی ہیں جیسے: دودھ، گوشت اور پھل۔
- قحط سالی کے زمانے میں چرائی ہوئی کھانے کی چیز، چاہے جلدی خراب ہوتی ہو یا نہیں۔
- مرغی، بطخ، کبوتر
- کسی گناہ میں استعمال ہونے والے آلات، مثلاً گانے بجانے کے آلات
- قرآن مجید، اگرچہ اس پر سونا چاندی جڑے ہوئے ہوں
- کتابیں
- سونے چاندی کی صلیب یا بُت
- دفن کیے ہوئے مردے کا کفن

کسی نے باپ دادا وغیرہ یا بیٹے پوتے وغیرہ یا ذی رحم محرم جیسے: بھائی، بہن یا چچا، ماموں، پھوپھی، خالہ کے گھر سے مال چرایا تو اس پر ہاتھ نہیں کاٹا جاتا۔ میاں بیوی میں سے ایک نے دوسرے کا مال چرایا یا مہمان نے میزبان کے گھر سے مال چرایا تو اس میں ہاتھ نہیں کٹتا۔ اسی طرح مسجد کا سامان چرانے پر بھی ہاتھ نہیں کٹتا۔

تنبیہ: جن صورتوں میں ہاتھ نہیں کٹتا ان میں ''تعزیر'' ہوگی۔ یعنی اتنی سزا جسے قاضی جرم کی نوعیت اور مجرم کی حالت پیشِ نظر رکھ کر مناسب سمجھے۔

حدِ سرقہ کی کیفیت:

- پہلی دفعہ چوری کرنے میں کلائی کے جوڑ سے دایاں ہاتھ کاٹا جائے گا، جبکہ دوسری مرتبہ چوری کرنے سے ٹخنے سے بایاں پاؤں کاٹا جائے گا۔
- ہاتھ کاٹنے کے بعد خون روکنے کی کوشش کرنا واجب ہے اور اس کا خرچہ چور کے ذمہ ہوگا، کیونکہ وہی اس کا سبب بنا ہے۔
- دایاں ہاتھ اس وقت بھی کاٹا جائے گا جبکہ وہ شل ہو یا اس کی انگلیاں کٹی ہوئی ہوں یا اس کا انگوٹھا کٹا ہوا ہو۔
- اگر چور تیسری مرتبہ چوری میں ملوث ہوکر گرفتار ہو اور پہلی چوریوں کے سبب سے اس کا دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹا جاچکا ہو تو اس مرتبہ اس کا کوئی اور ہاتھ پاؤں نہیں کاٹیں گے، بلکہ اس کو قید اور ضرب کی سزا دیں گے۔ یہاں تک کہ

وہ توبہ کرے اور توبہ کے آثار ظاہر ہونے لگیں۔

چوری ثابت ہونے کے طریقے:

چوری ثابت ہونے کے مندرجہ ذیل طریقے ہیں:

۱- دو مرد ایک شخص کے چوری کرنے کے بارے میں گواہی دیں جن سے قاضی دریافت کرے کہ چوری کیسے ہوئی؟ کہاں ہوئی؟ کس مال کی ہو؟ کتنے مال کی ہوئی؟ کب ہوئی؟ اور کس کا مال چرایا؟ ٹھیک ٹھیک جواب پر جب ان گواہوں کی عدالت ثابت ہو جائے تو چور کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔

۲- کوئی شخص خود حاکم یا قاضی کے پاس ایک دفعہ چوری کا اقرار کرے، قاضی اس سے بھی مذکورہ بالا سوال کرے گا، اگر اقرار کے بعد وہ شخص اپنے اقرار سے پھر جائے یا فوراً بھاگ جائے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، البتہ اس کو چرائے ہوئے مال کا تاوان دینا پڑے گا۔

چوری کے مال کا حکم:

وہ مال اگر موجود ہو، اگرچہ چور نے وہ کسی کے ہاتھ فروخت کر دیا ہو یا کسی کو ہدیہ کر دیا ہو تو وہ مال مالک کو واپس دلوایا جائے گا اور اگر وہ مال ہلاک اور ختم ہو چکا ہو تو صرف ہاتھ کاٹنے پر اکتفا کیا جائے گا، مال کا تاوان چور سے نہیں لیا جائے گا۔

ڈاکہ ڈالنے کی سزا

ڈاکہ ڈالنے کی سزا کے لیے مندرجہ ذیل شرائط ضروری ہیں:

۱- ڈاکوؤں کو ایسی قوت اور غلبہ حاصل ہو کہ راہ گیر ان کا مقابلہ نہ کر سکیں۔

۲- رہزنوں کے پاس ہتھیار ہوں۔

۳- یہ واردات دارالاسلام میں ہوئی ہو۔

۴- کوئی بھی رہزن کسی راہ گیر کا محرم رشتہ دار نہ ہو۔

۵- ڈاکو توبہ کرنے اور مال مالکوں کو واپس کرنے سے پہلے گرفتار ہو گئے ہوں۔

ڈاکے کی سزا کی کیفیت:

حد کی مندرجہ ذیل پانچ صورتیں ہیں:

۱- اگر لوٹ مار اور کسی کو قتل کرنے سے پہلے ہی راہزن اور ڈاکو گرفتار کر لیے گئے تو خوف و ہراس پھیلانے کی بنا پر مناسب تعزیر کے بعد ان کو قید کر دیا جائے گا، یہاں تک کہ وہ توبہ کر لیں اور توبہ کے آثار ان میں ظاہر ہونے لگیں ورنہ موت تک قید میں رہیں گے۔

۲- اگر کسی مسلمان یا ذمی کا مال لوٹا اور وہ اتنا ہے کہ ان ڈاکوؤں پر برابر برابر تقسیم ہو تو ہر ایک کے حصے میں دس درہم =۲۰۰ء۳۴ گرام چاندی کی مالیت آتی ہے تو اگر ان کے ہاتھ پاؤں سلامت ہیں تو ان میں سے ہر ایک کا دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹا جائے گا۔

۳- اگر انہوں نے کسی مسلمان یا ذمی کو قتل کیا لیکن مال نہ لوٹ سکے تو ان سب کو بطورِ حد کے قتل کیا جائے گا، چاہے ان میں سے کسی نے فقط قتل میں مدد ہی کی ہو اور چاہے قتل تلوار اور بندوق سے کیا ہو یا پتھر اور لاٹھی سے۔ مقتول کے وارث ان کو معاف کرنے کا اختیار بھی نہیں رکھتے، کیونکہ یہ قصاص کی طرح ان کا نہیں بلکہ شریعت کا حق ہے۔

۴- اگر مال لوٹا اور زخمی کیا تو ان کے مخالف جانب کے ایک ہاتھ پاؤں یعنی دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹے جائیں گے۔

۵- اگر مال بھی لوٹا ہو اور قتل بھی کیا ہو تو حاکم و قاضی کو اختیار حاصل ہے کہ:

۱- چاہے تو پہلے ان کے ایک ایک ہاتھ پاؤں کاٹے، پھر ان کو قتل کر دے۔

۲- چاہے تو پہلے ان کے ایک ایک ہاتھ پاؤں کاٹے پھر ان کو سولی دے۔

۳- چاہے تو تینوں ہی سزائیں دے یعنی ہاتھ پاؤں کاٹنا قتل کرنا اور سولی دینا۔

۴- چاہے تو پہلے قتل کرے پھر سولی دے۔

۵- چاہے تو فقط قتل کرے۔

۶- چاہے تو فقط سولی دے۔

مذکورہ بالا احکام ڈاکوؤں کے پورے گروہ پر نافذ ہوں گے، اگرچہ ان میں سے بعض نے صرف مال لوٹا ہو اور بعض نے صرف قتل کیا ہو اور بعض نے صرف خوفزدہ کیا ہو۔

تین دن عبرت کے لیے سولی پر لٹکا ہوا چھوڑنے کے بعد مجرم کے لواحقین کو اس کو دفن کرنے کی اجازت دی جائے، لیکن اس پر نمازِ جنازہ نہ پڑھی جائے۔

حدِّ شرب

(شراب نوشی کی سزا)

شراب نوشی کی سزا اسّی کوڑے ہیں، جو شراب کی مندرجہ ذیل چار قسموں میں سے کسی ایک کے پینے پر دی جاتی ہے۔ ان چار اقسام کا ایک قطرہ پینا بھی حرام ہے، اگرچہ نشہ نہ آئے:

۱- انگور کی کچی شراب ۲- انگور کی پکائی ہوئی شراب

۳- منقّی کی شراب ۴- کھجور کی شراب

ان چار کے علاوہ دیگر شرابوں مثلاً: سونف، جو اور گندم وغیرہ سے حاصل شدہ الکحل یا اور کوئی نشہ آور سیال شے مثلاً: نبیذ (پانی میں چھوہارے یا کشمش ڈال کر تیار کیا جانے والا ایک مشروب) کی اتنی مقدار استعمال کرنا جس سے نشہ آجائے اس پر بھی حد لگتی ہے۔ حد لگنے کی شرط یہ ہے کہ کوئی عاقل، بالغ، مسلمان (یا شراب کو حرام سمجھنے والا غیر مسلم) جو قوتِ گویائی رکھتا ہو، اپنی رغبت سے یہ چیزیں استعمال کرے اور وہ اس حال میں پکڑا جائے کہ شراب کی بو اس کے منہ سے آرہی ہو یا نشہ میں اس کو پکڑ کر لایا جائے اور گواہ اس پر شراب پینے کی گواہی دیں۔

اگر گواہوں نے نشہ آور شراب کی بو زائل ہوجانے کے بعد گواہی دی تو حد نہیں لگے گی، الا یہ کہ متعلقہ حاکم دور ہو اور وہاں پہنچنے تک بو زائل ہوجائے تو حد ساقط نہیں ہوگی۔ کسی کے منہ سے شراب کی بو آنے پر حد نہیں لگے گی یہاں تک کہ گواہ اس کے شراب پینے کی گواہی دیں یا وہ خود اس کا اقرار کرے۔

مذکورہ چار قسموں کے علاوہ دیگر مائع وسیال نشہ آور اشیاء میں نشہ کی وہ مقدار جس پر شراب پینے کی حد جاری ہوتی ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ ہے کہ نشے میں مبتلا شخص مختلف چیزوں کے درمیان مثلاً: عورت، مرد اور آسمان وزمین میں تمیز نہ کرسکے، جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک یہ ہے کہ اس شخص کی اکثر باتیں خلط ملط (بہکی بہکی) ہو جائیں۔ یہی راجح قول ہے۔

اجوائن، بھنگ اور افیون وغیرہ کی اتنی مقدار کا استعمال جس سے نشہ پیدا ہوجائے، اس پر تعزیر واجب ہوتی ہے اور ایک قول کے مطابق اس پر بھی حد لگے گی۔

حدِ قذف

(زِنا کی تہمت لگانے کی سزا)

تعریف:

وہ تہمت جس پر حد لگتی ہے یہ ہے کہ آزاد، عاقل، بالغ اور زِنا سے پاک مسلمان کو عار دلانے اور برا بھلا کہنے کی خاطر زِنا کی تہمت لگائے۔

سزا:

جس پر تہمت لگائی گئی وہ اگر مقدمہ کر کے حد کا مطالبہ کرے تو جرم ثابت ہونے پر تہمت لگانے والے کو اسّی کوڑے لگائے جائیں گے۔

مسئلہ ①: کسی شخص کی ماں کے فوت ہونے کے بعد کسی نے اس کو کہا کہ تو فلاں کا بیٹا نہیں ہے، جبکہ وہ فلاں اس شخص کا باپ ہو اور اس شخص کی ماں نیک اور پاکدامن تھی تو وہ شخص مقدمہ کر کے حد کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

مسئلہ ②: قذف لگانے والا توبہ بھی کر لے تب بھی آئندہ کے لیے وہ گواہی دینے کے لائق نہیں رہتا۔

حدِ ارتداد

(مرتد ہونے کی سزا)

تعریف:

مسلمان ہونے کے بعد اسلام چھوڑ دینے کو ارتداد اور چھوڑ دینے والے کو مرتد کہتے ہیں۔ ارتداد کی دو صورتیں ہیں:

۱- کوئی صاف طور پر مذہب تبدیل کر کے اسلام سے پھر جائے جیسے: اسلام کو چھوڑ کر عیسائی، یہودی یا ہندو مذہب اختیار کر لے یا اللہ تعالیٰ کے وجود یا توحید کا منکر ہو جائے یا نبی اکرم ﷺ کی رسالت کا انکار کر دے۔

۲- صاف طور پر مذہب تبدیل نہ کرے اور توحید و رسالت کا بھی انکار نہ کرے، لیکن کچھ اعمال یا اقوال ایسے اختیار کر لے جو انکارِ قرآن یا انکارِ رسالت کے مترادف ہوں مثلاً:

۱۔ اسلام کے کسی ایسے ضروری وقطعی حکم کا انکار کرے جس کا ثبوت قرآن مجید کی نص صریح سے ہو یا نبی کریم ﷺ سے بطریق تواتر ہو مثلاً نمازوں کے پانچ ہونے کا انکار کرے یا یہ اعتقاد رکھے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے وحی پہنچانے میں غلطی کی یا حضرت محمد ﷺ کے بعد کسی اور شخص کو کسی بھی اعتبار سے نبی مانے یا نبوت کا دعویٰ کرنے والے کو بزرگ اور ہدایت یافتہ مانے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی براءت یعنی پاکدامنی کا انکار کرے، حالانکہ ان کی براءت کی تصریح قرآن پاک میں ہے وغیرہ۔

۲۔ کسی بھی نبی اور کسی بھی فرشتے کی شان میں توہین کرنا۔

مسئلہ ①: حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان میں گستاخی بہت بڑی گمراہی تو ہے لیکن کفر نہیں ہے، البتہ اگر کوئی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحابیت کا انکار کردے تو وہ کافر ہوگا۔

ارتداد ثابت ہونے کی شرائط:

۱۔ ارتداد کا مرتکب عاقل ہو، لہٰذا سمجھدار بچے کا ارتداد تو ثابت ہوگا لیکن دیوانے اور ناسمجھ بچے کا ارتداد معتبر نہ ہوگا۔ اسی طرح جو شخص نشہ میں ایسا چور ہو کہ اس کی عقل جاتی رہی ہو اس کا ارتداد بھی معتبر نہیں۔

۲۔ ارتداد پر رضامندی ورغبت ہو۔ لہٰذا جس شخص کو ارتداد پر مجبور کیا گیا ہو اس کا ارتداد صحیح نہیں۔

مرتد کا حکم:

جب کوئی مسلمان مرد مرتد ہو جائے ...... العیاذ باللہ...... تو اس کو اسلام کی دعوت دی جائے گی اور اگر اس کو کوئی شبہہ یا اشکال ہو جس کو اس نے ذکر کیا ہو تو اس کا جواب سمجھایا جائے گا، لیکن یہ مستحب ہے، واجب نہیں اور تین روز تک اس کو قید میں رکھا جائے گا۔ اگر تین دن میں توبہ کر کے اسلام قبول کر لے تو ٹھیک ہے، ورنہ اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ یہ بھی اس وقت ہے جب اس نے کچھ مہلت مانگی ہو اور اگر اس نے مہلت طلب نہ کی تو اسی وقت قتل کر دیا جائے گا۔ اگر اس نے مہلت طلب نہ کی لیکن اس کے توبہ کر لینے کی امید ہو تو اس کو تین دن کی مہلت دینا مستحب ہے۔

مسئلہ ①: اس کے دوبارہ مسلمان ہونے کی یہ صورت ہے کہ کلمہ شہادت پڑھے اور اسلام کے علاوہ باقی تمام دینوں سے بیزاری کا اعلان کرے۔ اگر صرف اسی دین سے اظہارِ بیزاری کرے جس کو اس نے ارتداد کی صورت میں اختیار

کیا تھا تو اتنا بھی کافی ہے۔

مسئلہ ۲: اگر مرتد کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیے جانے سے قبل کوئی اس کو قتل کر دے تو اگر چہ ایسا کرنا مکروہِ تنزیہی ہے اور حاکم کی اجازت کے بغیر کیا ہے تو اس کو تادیب کی جائے گی، لیکن قاتل پر کچھ تاوان واجب نہ ہوگا۔

مسئلہ ۳: اگر بچہ سمجھدار ہے اور خدانخواستہ مرتد ہو جاتا ہے تو اسے اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا مگر اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔

مسئلہ ۴: مرتد عورت کو قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کو قید خانہ میں محبوس رکھا جائے گا اور ہر تین روز میں ایک بار اس کو مار پڑے گی تا کہ دوبارہ اسلام قبول کر لے۔ اگر اسے بھی کسی نے قتل کر دیا تو قاتل پر کوئی تاوان نہ ہوگا۔

مسئلہ ۵: اگر مرتد دار الحرب بھاگ جائے اور مسلمانوں کی حکومت اس کے دار الحرب منتقل ہونے کا حکم جاری کر دے یا مرتد کو موت آجائے یا کوئی اور اس کو قتل کر دے تو اس کا وہ مال جو اس نے حالتِ اسلام میں کمایا تھا اس کے مسلمان وارثوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔

اہم تنبیہ:

اگر کسی مسلمان ملک کا غیر مسلم باشندہ رسول اللہ ﷺ یا کسی بھی نبی علیہ السلام کی شانِ اقدس میں توہین یا گستاخی کرے تو اگر اس نے خفیہ طور پر کی اور اس کا علم ہو گیا اور ایسا ایک ہی مرتبہ کیا ہے تو اس کو قتل سے کم کوئی سزا دی جائے گی لیکن اگر وہ خفیہ طور پر بار بار کرے یا اعلانیہ کرے، چاہے ایک ہی مرتبہ ہو تو اس کو قتل کی سزا دی جائے گی۔

عوام کو حدود جاری کرنے کا اختیار نہیں:

حدود جاری کرنے کا اختیار صرف حاکمِ وقت یا اس کے نائب کو ہے، عام لوگوں کو اس کا اختیار نہیں۔ اگر عوام یہ کام کریں گے تو زمین پر امن کی بجائے فساد برپا ہو جائے گا اور کسی کی جان، مال اور عزت محفوظ نہیں رہے گی۔(۱)

۱- أحسن الفتاوی: ۸/ ۵۵۰
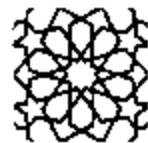
تعزیر

استاذ طلبہ کو کس حد تک مار سکتا ہے؟

ضرورت کے وقت بقدرِ ضرورت طلبہ کو سزا دینا جائز ہے۔ سزا کی کوئی حد مقرر نہیں۔ مختلف افراد اور ان کی قوتِ برداشت کے اختلاف سے حکم بھی مختلف ہوگا، البتہ اصولی طور پر چند امور کی پابندی ضروری ہے:

۱- چہرہ پر نہ مارا جائے۔

۲- اتنا نہ مارا جائے کہ جسم پر نشان پڑ جائیں، زخمی ہو جائے یا ہڈی ٹوٹ جائے۔

۳- قوتِ برداشت سے زیادہ نہ مارا جائے۔[1]

اگر کوئی معلم مذکورہ بالا باتوں کی رعایت نہیں رکھتا تو وہ خود سزا کا مستحق ہوگا۔[2]

مالی تعزیر:

کسی جرم کی سزا کے طور پر مالی جرمانہ لینا قرآن وحدیث کی رُو سے جائز نہیں، بلکہ شرعی اصولوں کے خلاف ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔[3]

۱- أحسن الفتاوی: ۸/۲۲۶

۲- إمداد الأحکام: ۴/۴۲۹

۳- أحسن الفتاوی: ۵/۵۴۱، إمداد الأحکام: ۴/۱۲۸

قصاص و دِیت کے احکام

قتل کی اقسام:

قتل کی پانچ قسمیں ہیں:

۱۔قتلِ عمد:

جس میں مقتول کو قصداً وعمداً ایسے آلہ سے ضرب لگائی گئی ہو جو اعضا کو کاٹتا ہو، جیسے: ہتھیار اور کوئی دھاردار لکڑی، پتھر یا شیشہ وغیرہ۔ جسم کی نازک جگہوں پر سُوا گھونپنا، آگ سے جلانا اسی میں شامل ہے۔ ترازو کے باٹ یا کوٹنے، پیسنے کے بٹے سے مارنا جبکہ اس سے زخم بھی ہوا ہو، کھولتے ہوئی پانی میں ڈالنا اور گرم تندور وغیرہ میں پھینکنا بھی قتل عمد ہے۔ مذکورہ آلات سے ضرب لگانا یا دیگر مذکورہ طریقوں کو اختیار کرنا قاتل کے قتل کرنے کے قصد پر دلیل ہے، لہٰذا اس دلیل کے ہوتے ہوئے قاتل کی طرف سے عمد وقصد کا انکار معتبر نہیں ہوگا۔

حکم:

قاتل کو سخت گناہ ہوتا ہے اور مقتول کے وارث قاتل کو قصاص میں عدالتی فیصلہ پر قتل کرا سکتے ہیں لیکن مقتول کے وارث چاہیں تو قاتل کو معاف بھی کر سکتے ہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ باہمی رضامندی سے دِیت مقرر کر لی جائے۔

۲۔شِبہِ عمد:

ضرب تو عمداً لگائی لیکن ایسے آلہ کے ساتھ جو اعضا کو نہیں کاٹتا جیسا کہ پتھر اور لکڑی جو دھاردار نہ ہو۔

حکم:

۱۔ قاتل کو گناہ ہوتا ہے اور کفارہ کے ساتھ ساتھ اس کے ذمہ میں دِیتِ مغلظہ بھی آتی ہے۔

۲۔ اگر قاتل کی جانب سے ایسے قتل کا اقدام بار بار پایا جائے تو اسے مصلحتاً قتل بھی کیا جا سکتا ہے۔

۳۔قتلِ خطا:

۱۔ شکاری نے شکار سمجھ کر ہتھیار استعمال کیا، لیکن دیکھنے پر معلوم ہوا کہ وہ کوئی انسان تھا؛ یا نشانہ خطا ہوا کہ ایک نشانہ پر مارا لیکن وہ خطا ہو کر کسی آدمی کو لگ گیا یا نشانہ پر لگ کر پھر کسی آدمی کو لگا جس سے وہ مرگیا۔

۲- ہاتھ سے لکڑی کا تختہ یا اینٹ چھوٹ کر نیچے کھڑے شخص پر پڑی اور اس سے وہ مر گیا۔

۳- ڈرائیور کی غلطی سے ہونے والے حادثہ میں کوئی جاں بحق ہو گیا۔

قصاص واجب ہونے اور نہ ہونے کی صورتیں:

مسئلہ ①: بچے اور پاگل پر قصاص نہیں آتا۔

مسئلہ ②: قاتل کے خلاف قصاص میں قتل کیے جانے کا فیصلہ دے دیا گیا لیکن اس غرض سے وہ ابھی مقتول کے وارثوں کے سپرد نہیں کیا گیا تھا کہ وہ پاگل ہو گیا تو اب اس کو قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ اس پر دِیت آئے گی۔ اسی طرح قتل عمد کرنے والے قاتل فیصلہ سنائے جانے سے پہلے پاگل ہو گیا تو اس کو بھی قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

مسئلہ ③: مقتول کے وارثوں کے حوالے کیے جانے کے بعد اگر قاتل پاگل ہو گیا تو اسے قصاص میں قتل کیا جا سکتا ہے۔

مسئلہ ④: جس شخص کو جنون بھی ہوتا ہو اور افاقہ بھی ہوتا ہو تو اگر اس نے افاقہ کی حالت میں قتل کیا تو اس کو قصاص میں قتل کیا جائے گا اور اگر افاقہ کی حالت میں قتل کا ارتکاب کرنے کے بعد قصاص کا فیصلہ دیے جانے یا مقتول کے وارثوں کے سپرد کیے جانے سے پہلے مستقل جنون لاحق ہو گیا تو قصاص ساقط ہو جائے گا۔

مسئلہ ⑤: کسی عاقل نے پاگل شخص کو عمداً قتل کر دیا تو قاتل کو قصاص میں قتل کیا جائے گا۔

اسی طرح اگر سالم اعضا والے شخص نے نابینا یا دائمی مریض یا لنگڑے لولے شخص کو قتل کیا تو قاتل سے قصاص لیا جائے گا بلکہ یہاں تک کہ اگر مقتول ایسا ہو کہ اس کے دونوں ہاتھ پاؤں اور دونوں کان کٹے ہوئے ہوں اور اسی طرح اس کے آلاتِ تناسل بھی کٹے ہوئے ہوں اور وہ دونوں آنکھوں سے نابینا بھی ہو تب بھی سالم اعضاء والے قاتل سے قصاص لیا جائے گا۔

مسئلہ ⑥: کسی شخص کو زہر پلایا جس سے وہ مر گیا تو اگر زہر اس کو دیا تھا اور اس نے یہ جانے بغیر کہ وہ کیا چیز ہے کھا پی لیا اور مر گیا یا مجرم نے کسی شربت وغیرہ میں زہر ملا کر دیا اور اس نے وہ لے کر پی لیا جس سے وہ مر گیا تو زہر پلانے والے پر قصاص و دِیت نہیں آئے گی البتہ اس کو قید میں رکھا جائے گا اور اس کو تعزیر کے طور پر سزا دی جائے گی۔

اور اگر زہر اس کے ہونٹوں میں ٹپکایا یا اس کو زہر پینے پر مجبور کر دیا تو پلانے والے کی برادری وغیرہ پر دِیت آئے گی۔

مسئلہ ⑦: ایک نے کسی کی گردن کاٹی اور گلے کا تھوڑا سا حصہ باقی رہا۔ ابھی روح باقی تھی کہ دوسرے نے اس کو قتل

کردیا تو قصاص پہلے سے لیا جائے گا، [۱] کیونکہ اس وقت وہ مردہ کے حکم میں تھا، البتہ دوسرے کو تعزیر کی جائے گی۔

مسئلہ ۸: نزع کی حالت میں مبتلا شخص کو کسی نے قتل کردیا تو قاتل سے قصاص لیا جائے گا، اگرچہ قاتل کو علم بھی ہو کہ مقتول زندہ بچنے والا نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مریض کبھی نزع سی ملتی جلتی حالت میں ہوجاتا ہے بلکہ کبھی ایسا بے حس و حرکت ہوجاتا ہے کہ اس کو مردہ سمجھا جانے لگتا ہے لیکن پھر طبیعت بحال ہوجاتی ہے اور ٹھیک ہوجاتا ہے۔

مسئلہ ۹: کسی نے دھاردار آلے سے ایک شخص کا پیٹ چاک کردیا اور دوسرے نے بعد میں اس کی گردن اڑادی، تو اگر پیٹ چاک کیے جانے کے بعد مقتول کے زندہ رہنے کا کچھ امکان تھا تو قصاص میں گردن اڑانے والے کو قتل کیا جائے گا اور اگر مقتول کے زندہ رہنے کا کچھ امکان نہ تھا تو پیٹ چاک کرنے والے کو قتل کیا جائے گا جبکہ گردن اڑانے والے کو تعزیر کی جائے گی۔

مسئلہ ۱۰: عمداً ایک شخص کو زخمی کیا، زخمی علاج کراتے کراتے زخم سے متاثر ہونے کی حالت میں مرگیا تو مجرم کو قصاص میں قتل کیا جائے گا، کیونکہ مقتول کی موت کا ظاہری سبب وہ زخم ہے، البتہ اگر زخم کے تسلسل میں انقطاع پایا گیا مثلاً یہ کہ زخم بھر گیا تھا یا کسی اور شخص نے اس زخمی کی گردن اڑادی تو زخم لگانے والے پر قصاص نہیں آئے گا۔

مسئلہ ۱۱: ایک شخص کو زخمی کیا اور وہ زخمی شخص مرگیا۔ مقتول کے وارثوں نے اس بات پر گواہ پیش کیے کہ وہ زخم کے سبب سے مرا ہے۔ جبکہ مجرم نے ثبوت پیش کیا کہ زخمی کے زخم بھر گئے تھے اور ایک مدت کے بعد وہ کسی اور سبب سے یا اپنی موت مرا ہے تو مقتول کے وارثوں کے گواہوں اور ثبوت کو ترجیح حاصل ہوگی۔

مسئلہ ۱۲: پاگل نے کسی شخص پر ہتھیار اٹھایا اور اس حالت میں اس شخص نے پاگل کو عمداً قتل کردیا تو قاتل پر دیت واجب ہوگی جو اس کے اپنے مال سے (نہ کہ برادری کے مال سے) ادا کی جائے گی۔

مسئلہ ۱۳: قصاص کسی ایسے ہتھیار سے لیا جائے جس میں مقتول کو کم سے کم تکلیف ہو جیسے: تلوار، خنجر وغیرہ۔ پھانسی کے ذریعہ قتل کرنے کا طریقہ غیر شرعی اور بلاضرورت اذیت کا باعث ہے۔ [۲]

۴- قتل قائم مقام خطا:

مثلاً سویا ہوا شخص کروٹ لیتے ہوئے کسی دوسرے پر پلٹ گیا جس سے دوسرا شخص مرگیا۔

۱- اسی طرح ایسی کوئی بھی صورت جس میں پہلا مجرم مضروب کو اس حالت میں پہنچا چکا تھا کہ وہ بچ نہ سکتا تھا کہ اتنے میں دوسرے نے آکر اس کا کام تمام کردیا، اس میں یہی حکم ہوگا۔

۲- تکملہ فتح الملہم میں شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے گولی سے قصاص کو تلوار کی طرح قرار دیا ہے۔ (تکملہ: ۲/۳۴۱)

تیسری اور چوتھی قسم کا حکم:

۱۔ قاتل کے ذمے کفارہ ہوتا ہے اور اس پر اور اس کی برادری یا انجمن (یونین) کے ذمے دِیت آتی ہے۔

۲۔ بے احتیاطی کا گناہ ہوتا ہے لیکن قصد نہ ہونے کی بنا پر قتلِ عمد سے کم ہوتا ہے۔

۵۔ قتل بسبب:

کسی ایسی زمین میں جو اپنی ملکیت نہ ہو بلا اجازت کوئی کنواں یا گڑھا کھودا یا اس میں ایسی چیز رکھ دی جس کی وجہ سے کوئی شخص اس میں گر کر یا اس سے ٹکرا کر مر گیا۔

حکم:

قاتل کی برادری یا یونین پر دِیت آتی ہے اور قاتل کو قتل کا گناہ تو نہیں ہوتا، البتہ دوسرے کی ملکیت میں پتھر رکھنے یا گڑھا کھودنے اور سڑک پر چھلکے پھینکنے یا نقصان دہ چھڑکاؤ کرنے کا گناہ ہوتا ہے۔

اس پانچویں قسم کے علاوہ قتل کی باقی تمام اقسام میں قاتل اگر عاقل و بالغ ہو (اور قاتل رشتے کی بنا پر مقتول کا وارث بھی بنتا ہو) تو وہ مقتول کی میراث سے محروم ہو جاتا ہے۔

کفارۂ قتل:

قتل کا کفارہ یہ ہے کہ قاتل یا تو کسی مسلمان غلام کو آزاد کرے اور اگر اتنی حیثیت نہ ہو یا غلام نہ ملتا ہو تو دو مہینے مسلسل روزے رکھے۔

جسم کے مختلف اعضا میں قصاص

اعضا میں قصاص کا ضابطہ:

۱۔ اعضا میں ہتھیار اور غیر ہتھیار کے استعمال کا حکم ایک ہی ہے۔

۲۔ قصاص ہر اس زخم میں ہوگا جس میں مماثلت ممکن ہو اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر قصاص نہیں ہوتا بلکہ دِیت لازم ہوتی ہے۔

ہاتھ بازو اور ٹانگ:

مسئلہ ۱: اگر کاٹنے والے کا ہاتھ شل ہو لیکن کچھ نہ کچھ کام کرتا ہو یا اس کی انگلیاں کم ہوں تو مجروح کو اختیار حاصل

ہوگا کہ قصاص لے یا دِیت وصول کرے۔

مسئلہ ۲: اگر کاٹنے کے وقت کاٹنے والے کا ہاتھ صحیح تھا بعد میں شل ہوا تو مجروح کو دِیت نہ ملے گی، کیونکہ اس کا حق کاٹنے والے کے صرف ہاتھ میں ہے۔

مسئلہ ۳: ٹانگ اور بازو اگر درمیان سے کٹے ہوں تو مماثلت ممکن نہ ہونے کی بنا پر قصاص نہ ہوگا۔

مسئلہ ۴: ہاتھ، بازو، ٹانگ اور انگلیوں کو جوڑ سے کاٹنے میں قصاص ہوتا ہے۔

مسئلہ ۵: کاٹنے والے کا ہاتھ صحیح سالم تھا جبکہ مجروح کا ہاتھ شل تھا تو قصاص نہیں ہوگا۔

ناک کا نرم حصہ:

اگر مجرم کی ناک نسبتاً چھوٹی ہو یا اس کے سونگھنے کی حس ختم ہو چکی ہو یا اس کی ناک میں کچھ اور نقص ہو تو مجروح کو حق حاصل ہے کہ چاہے تو مجرم کی ناک کاٹنے کا مطالبہ کرے اور چاہے تو دِیت لے لے۔

کان:

پورے یا کچھ کان کاٹنے میں زخم کی حدود ایسی ہوں کہ مجرم میں اس کی مماثلت کی رعایت کرنا ممکن ہو تو قصاص ہوگا۔ اگر مجرم کا کان چھوٹا ہو یا پھٹا ہوا ہو یا چرا ہوا ہو یا کٹا ہوا ہو اور مجروح کا کان بڑا ہو یا سالم ہو تو مجروح کو اختیار ہوگا کہ چاہے قصاص لے اور چاہے دِیت طلب کرے اور اگر مجروح کا کان ناقص ہو تو پھر اس کو مناسب تاوان ملے گا۔

آنکھ:

مسئلہ ۱: آنکھ پر ضرب لگائی جس سے بینائی زائل ہوگئی لیکن آنکھ کا ڈھیلا اپنی جگہ باقی رہا تو دیکھیں گے:

۱۔ اگر دو ماہرین امراضِ چشم یہ فیصلہ دے دیں کہ بینائی مستقل طور پر زائل ہوگئی ہے تو قصاص لیا جائے گا۔

۲۔ اور اگر بینائی مکمل طور پر لوٹ آئی تو مجروح کو کچھ نہ ملے گا۔

۳۔ اور اگر بینائی لوٹ آئی لیکن اس میں کمی رہی پوری بحال نہیں ہوئی تو مناسب تاوان دلایا جائے گا۔

مسئلہ ۲: مجرم کی آنکھ میں سفیدی ہے جس کی بنا پر اس کی بینائی کمزور ہے تو مجروح کو اختیار ہوگا کہ چاہے تو قصاص لے اور چاہے تو دِیت لے۔

مسئلہ ۳: آنکھ پر ضرب لگائی جس سے آنکھ میں سفیدی آگئی اور اس کی وجہ سے بینائی باقی نہ رہی تو قصاص نہیں آئے گا۔

مسئلہ ④: دائیں آنکھ پھوڑی جبکہ مجرم کی بائیں آنکھ بیکار تھی تو قصاص میں مجرم کی دائیں آنکھ پھوڑی جائے گی۔ اگرچہ وہ اس طرح مکمل طور پر نابینا ہو جائے گا۔

دانت:

مسئلہ ①: ضرب لگا کر کسی کا دانت اکھیڑ دیا تو اگر بلا کسی ضرر کے مجرم کا دانت اکھیڑا جا سکتا ہو تو قصاص میں اس کا دانت اکھیڑا جائے گا اور اگر مسوڑھوں یا دوسرے دانتوں کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو جیسا کہ اس صورت میں ہوتا ہے جب دانت آپس میں بہت ملے ہوئے ہوں اور ان کے درمیان مناسب خلا نہ ہو تو ریتی سے مسوڑھے تک اس کو گھسا جائے گا۔

مسئلہ ②: اگر مجرم کا دانت سیاہ، زرد، سبز یا سرخ ہو تو مضروب کو اختیار ہوگا کہ چاہے تو قصاص لے اور چاہے تو دِیت وصول کرے اور اگر مضروب کا دانت ہی عیب دار تھا تو قصاص نہیں لے سکے گا، البتہ اس کو مناسب تاوان ملے گا۔

مسئلہ ③: قصاص لینے میں گرائے ہوئے دانت کی قسم (کہ سامنے کا ہے یا ڈاڑھ میں سے ہے وغیرہ) اور اس کے اوپر والے یا نیچے والے ہونے کا اعتبار کیا جائے گا۔

مسئلہ ④: ضرب سے دانت کا چوڑائی میں کچھ حصہ ٹوٹ گیا تو اگر باقی دانت سیاہ نہ ہوا تو قصاص آئے گا اور جتنا دانت ٹوٹا ہے اتنی مقدار میں مجرم کے دانت کو گھسا جائے گا اور اگر باقی دانت سیاہ ہو گیا تو قصاص نہیں آئے گا البتہ دِیت آئے گی۔ مضروب کو یہ حق نہیں ہوگا کہ وہ ٹوٹی ہوئی مقدار کے برابر قصاص لے۔ اور اگر دانت لمبائی میں ٹوٹا تو قصاص نہیں ہوگا بلکہ مضروب کو مناسب تاوان ملے گا۔

مسئلہ ⑤: ایک شخص کا ہاتھ منہ میں لے کر دانتوں سے کاٹا، زخمی نے زور سے اپنا ہاتھ کھینچا جس سے مجرم کا دانت اکھڑ گیا تو قصاص نہیں ہوگا۔

مسئلہ ⑥: ضرب سے دانت کا کچھ حصہ ٹوٹ گیا پھر باقی خود بخود گر گیا تو قصاص نہیں ہوگا۔

مسئلہ ⑦: اگر ضرب لگنے سے دانت ہلنے لگا تو ایک سال کی مہلت دی جائے گی۔ اگر گرا نہیں تو علاج کے لیے مناسب تاوان ملے گا اور اگر گر گیا تو عمد کی صورت میں قصاص ہوگا اور خطا کی صورت میں دِیت آئے گی۔

مسئلہ ⑧: دانت ہلنے کی صورت میں مضروب سال کی مہلت کے بعد آیا اور اس کا دانت گرا ہوا تھا اور ضارب و مضروب میں اختلاف ہوا کہ دانت ضرب کی وجہ سے گرا ہے یا نہیں؟ تو اگر دانت سال کے دوران گرا ہو تو مضروب کے قول کو

ترجیح ہوگی کہ دانت ضارب کی ضرب سے گرا ہے اور اگر دانت سال کے بعد گرا ہو تو ضارب کے قول کو ترجیح ہوگی کہ دانت اس کی ضرب کی وجہ سے نہیں گرا ہے۔

مسئلہ ۹: بچے کا دانت اکھاڑ دیا تو ایک سال کی مہلت دی جائے گی۔ اگر دوسرا دانت اگ آیا تو قصاص ساقط ہو جائے گا ورنہ قصاص لیا جائے گا۔

مسئلہ ۱۰: ایک شخص کی ضرب سے دانت سیاہ ہو گیا بعد میں دوسرے شخص کی ضرب کی وجہ سے وہ دانت اکھڑ گیا تو پہلے شخص کے ذمے دانت کی پوری دِیت آئے گی جبکہ دوسرے کے ذمہ مناسب تاوان آئے گا۔

مسئلہ ۱۱: قصاص میں اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا کہ مجرم کا دانت مضروب کے مقابلے میں بڑا ہے۔

زبان:

مسئلہ ۱۲: زبان چاہے پوری کاٹی گئی ہو یا اس کا کچھ حصہ، بہر حال قصاص نہیں آتا بلکہ دِیت آتی ہے، چاہے بالغ شخص کی ہو یا بولنے والے چھوٹے بچے کی۔

مسئلہ ۱۳: گونگا اور شیر خوار بچہ جس نے صرف رونے کی آواز نکالی ہو، اس کی زبان کاٹنے میں بھی قصاص نہیں ہوتا بلکہ مناسب تاوان ہوتا ہے۔

عضو تناسل:

مسئلہ ۱: صرف حشفہ کاٹا ہو تو اس میں قصاص ہے۔ اس کے علاوہ عضو تناسل کو چاہے درمیان سے کاٹا ہو یا جڑ سے کاٹا ہو، قصاص نہیں ہے بلکہ دِیت ملے گی۔

مسئلہ ۲: خصی یا عنین (نامرد) کے عضو تناسل کو کاٹنے کی صورت میں مناسب تاوان ملے گا۔

ہونٹ:

مسئلہ ۱: پورا ہونٹ کاٹا تو قصاص ہوگا اور اگر ہونٹ کا کچھ حصہ کاٹا تو قصاص نہیں ہوگا۔

زخم کی اقسام اور احکام

سر اور چہرے کے زخم کو عربی میں "شَجَّہ" کہتے ہیں جس کی جمع "شجاج" ہے۔

سر اور چہرے کے علاوہ باقی جسم پر زخم کو "جراحت" کہتے ہیں۔

سینہ اور پیٹ کے زخم "جائفہ" کہلاتے ہیں۔

جراحت کا حکم:

اس میں مناسب تاوان آتا ہے اور مناسب تاوان سے یہاں مراد زخم کے ٹھیک ہونے تک اپنا خرچہ اور علاج و معالجہ کے اخراجات ہیں۔

سر کے زخم (شجاج):

ان کی گیارہ قسمیں ہیں:

۱- حارصہ: جس میں جلد پر صرف خراش آتی ہے۔

۲- دامعہ: کھال اتنی چھل جاتی ہے کہ خون نظر آنے لگتا ہے لیکن بہتا نہیں۔

۳- دامیہ: کھال اتنی چھل جائے کہ خون نکل کر بہنے لگے۔

۴- باضعہ: کھال کٹ جائے۔

۵- متلاحمہ: زخم گوشت تک پہنچ جائے۔

۶- سِمْحاق: جس میں زخم گوشت اور کھوپڑی کے درمیان باریک جھلی تک پہنچ جائے۔

۷- مُوْضِحہ: جس میں کھوپڑی کی ہڈی نظر آنے لگے۔

۸- ہاشمہ: جس میں کھوپڑی کی ہڈی ٹوٹ جائے۔

۹- مُنَقِّلہ: جس میں ہڈی ٹوٹنے کے بعد اپنی جگہ سے ہل جائے۔

۱۰- آمّہ: جس میں زخم دماغ کے گرد موجود جھلی تک پہنچ جائے۔

۱۱- دامغہ: جس میں دماغ باہر نکل آئے۔

شجاج کا حکم:

مسئلہ ۱: عمداً زخم لگایا تو موضحہ اور اس سے کمتر زخموں میں قصاص آتا ہے جبکہ شجہ کی بقیہ اقسام میں قصاص نہیں آتا۔

مسئلہ ۲: خطا سے زخم لگانے کی صورت میں حارصہ سے سمحاق تک کے زخموں میں مناسب تاوان آتا ہے، جبکہ مُوضِحہ میں کل دِیت کا بیسواں حصہ، ہاشمہ میں دسواں حصہ، مُنقلہ میں ساڑھے ساتواں حصہ اور آمّہ میں تہائی حصہ ہوتا ہے۔

جائفہ:

یہ وہ زخم ہوتا ہے جو سینہ یا پیٹ کے جوف (اندرونی حصہ) تک پہنچ جائے۔

مسئلہ ۳: جائفہ میں تہائی دِیت واجب ہوتی ہے اور اگر آلہ زخم جوف میں ایک طرف سے داخل ہو کر دوسری طرف سے نکل جائے تو یہ جائفہ کے دو زخم شمار ہوں گے لہٰذا ان میں دو تہائی دِیت آئے گی۔

مسئلہ ۴: جائفہ میں بھی قصاص نہیں ہوتا۔

مسئلہ ۵: جن شجاج میں قصاص نہیں آتا ان میں عمد و خطا کا ایک ہی حکم ہے یعنی دونوں صورتوں میں دِیت آتی ہے۔

مسئلہ ۶: مختلف شجاج اور جائفہ میں دِیت اس صورت میں نہ ملے گی جب زخم مندمل ہو جائے اور اس کا کچھ اثر باقی نہ رہے، البتہ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک علاج و معالجہ کے اخراجات ملزم کے ذمے واجب ہوں گے اور اگر زخم بھر جانے کے بعد کچھ اثر چاہے وہ کتنا کم ہو باقی رہا تو دِیت لازم آئے گی۔

مسئلہ ۷: سر اور چہرے کے علاوہ جسم کے دیگر حصوں پر زخموں میں جب ہڈی نظر آنے لگے یا ہڈی ٹوٹ جائے اور زخم بھر جانے کے بعد کچھ اثر باقی رہے تو مناسب تاوان ملے گا اور اگر زخم کا کچھ بھی اثر باقی نہ رہے تو مجروح کو کچھ نہ ملے گا، البتہ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک علاج معالجہ کے اخراجات ملیں گے۔

مسئلہ ۸: زخم میں قصاص مجروح کے زخم کے بھر جانے کے بعد لیا جائے گا کیونکہ ایک وجہ تو یہ ہے کہ حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے زخم میں اس وقت تک قصاص لینے سے منع فرمایا ہے جب تک زخمی کا زخم نہ بھر جائے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ زخموں میں انجام کا اعتبار کیا جاتا ہے کیونکہ ان میں احتمال ہوتا ہے کہ زخم خراب ہو کر موت کا سبب بن جائے اور موت واقع ہو جائے تو اس طرح انجام کے اعتبار سے نوعیت بدل جاتی ہے۔

مسئلہ ۹: کوئی نوکدار چیز منہ میں چبھوئی جو دماغ تک پہنچ گئی تو مناسب تاوان ہوگا۔ آنکھ میں کوئی نوکدار چیز چبھوئی جو گُدی تک چلی گئی تو ایک آنکھ میں نصف دِیت اور باقی زخم میں مناسب تاوان ہوگا اور اگر وہ چیز دماغ تک پہنچی تو آنکھ کی دِیت کے علاوہ مزید تہائی دِیت ملے گی۔

مسئلہ ۱۰: کوئی باریک نوکدار سلائی ایک کان میں داخل کی اور دوسرے کان تک پہنچ گئی تو تاوان لازم ہوگا۔

مسئلہ ۱۱: مُوَضِّحہ زخم لگایا جس سے عقل جاتی رہی یا سر کے تمام بال گر گئے اور پھر دوبارہ نہیں اُگے تو موضحہ کا اَرش (تاوان) دِیت میں داخل شمار ہوگا۔ (یعنی دِیت سے علیحدہ مُوَضِّحہ کا تاوان نہیں ملے گا)

تنبیہ: مُوَضِّحہ کا اَرش دِیت میں داخل شمار ہو، ایسا صرف ان مذکورہ دو صورتوں میں ہوتا ہے۔

مسئلہ ۱۲: اور اگر بال گر گئے تو موضحہ کا اَرش واجب ہوگا جس میں بالوں کا اَرش بھی داخل شمار ہوگا۔

مذکورہ بالا حکم اس وقت ہے جب بال دوبارہ نہ اُگے ہوں اور اگر بال دوبارہ اُگ آئے اور جیسے پہلے تھے ویسے ہی ہو گئے تو کچھ نہ ملے گا۔

مسئلہ ۱۳: ابرو پر موضحہ زخم لگایا جس سے ابرو کے بال گر گئے اور دوبارہ نہیں اُگے تو نصف دِیت آئے گی جس میں موضحہ کا اَرش بھی شمار ہوگا۔

مسئلہ ۱۴: عمداً مُوَضِّحہ زخم لگایا جس سے دونوں آنکھیں ضائع ہوگئیں تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک قصاص نہیں ہوگا بلکہ آنکھوں اور موضحہ میں دِیت ہوگی جبکہ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک موضحہ میں قصاص اور آنکھ میں دِیت ہوگی۔

دِیت کا بیان

''دِیت'' (خون بہا) وہ مال ہوتا ہے جو جان کے بدلے میں واجب الا دا ہو اور اَرش وہ مال ہوتا ہے جو اعضاء و جوارح پر جنایت کے بدلے میں واجب الا دا ہو۔ اَرش کو کبھی دِیت بھی کہہ دیتے ہیں۔

مسئلہ (۱): قتل خطا، قتل جاری مجری خطا، قتل شبہ عمد اور قتل بسبب میں اور اسی طرح بچے اور مجنوں کے قتل کرنے کی صورت میں دِیت آتی ہے جو عاقلہ کے ذمے ہوتی ہے اور تین سالانہ قسطوں میں واجب الا دا ہوتی ہے البتہ اگر باپ اپنے بیٹے کو عمداً قتل کردے تو خود اس کے اپنے مال میں دِیت واجب ہوگی جو تین سال میں واجب الا دا ہوگی۔

مسئلہ (۲): ہر وہ قتل عمد میں جس میں کسی شبہ کی بنا پر قصاص ساقط ہو جائے اس میں قاتل کے اپنے مال میں سے دیت تین سال میں واجب الا دا ہوتی ہے۔

مسئلہ (۳): ہر وہ اَرش اور دِیت جو باہمی صلح کی بنا پر واجب ہو وہ فوری طور پر واجب الا دا ہوتی ہے۔

مسئلہ (۴): مسلمان، ذمی (مسلم ملک کا غیر مسلم قانونی شہری) اور مستامن (قانونی طور پر مسلمان ملک میں آنے والا غیر ملکی کافر) کی دِیت برابر ہے۔

مسئلہ (۵): عورت کی دِیت اور اَرش مرد کی دِیت اور اَرش کا نصف ہوتی ہے۔

مسئلہ (۶): وہ جنایت جس میں کوئی متعین اَرش نہیں ہے بلکہ مناسب تاوان ملتا ہے، اگر عورت پر ہو تو اس بارے میں فقہا کی دو رائیں ہیں: ایک یہ کہ مرد کو ملنے والے تاوان کے مساوی ملے گا اور دوسری یہ کہ اس کا نصف ملے گا۔

دِیت کی تفصیل:

قتل خطا کی صورت میں قاتل کے عاقلہ پر دِیت لازم ہوتی ہے جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

دِیت کی تین صورتیں ہیں:

۱— دس ہزار درہم چاندی یا اس کی قیمت (ایک درہم ۳٫۴۰۲ گرام اور دس ہزار درہم ۳۴٫۰۲ کلوگرام)

۲— ایک ہزار دینار سونا یا اس کی قیمت (ایک دینار ۴٫۸۶ گرام۔ ایک ہزار دینار ۴٫۸۶ کلوگرام)

۳— سو اونٹ یا ان کی قیمت، یہ اونٹ پانچ قسم کے ہوں گے:

(۱) بیس اونٹنیاں ایک سالہ۔

(۲) بیس اونٹ ایک سالہ۔

(۳) بیس اونٹنیاں دو سالہ۔

(۴) بیس اونٹنیاں تین سالہ۔

(۵) بیس اونٹنیاں چار سالہ۔

مذکورہ تعداد مرد کی دِیت کی ہے، عورت کی دِیت اس سے آدھی ہے۔

راجح قول کے مطابق قاتل کو اختیار ہے کہ مذکورہ اقسام میں سے کوئی بھی متعین کر لے، البتہ اگر قاضی نے کوئی قسم متعین کر دی تو بھی جائز اور نافذ ہے۔

عاقلہ کی تفصیل:

اگر قاتل "اہل دیوان" سے ہو (یعنی کسی سرکاری محکمے سے تعلق رکھتا ہو) تو اس کے عاقلہ اہل دیوان (یعنی اس شعبے سے تعلق رکھنے والے بقیہ لوگ) ہیں، یعنی وہ عاقل، بالغ مرد جن کے نام سرکاری طور پر اس لیے درج ہوں کہ وہ کسی خدمت کے عوض یا ضرورت کی بنا پر سرکاری خزانہ سے وظیفہ لے رہے ہوں۔

سب سے پہلے اہل دیوان کی وہ جماعت جس سے قاتل کا تعلق ہے اس سے دِیت لی جائے گی۔ اگر یہ جماعت کافی نہ ہو تو دِیت وصول کرنے کی آیندہ تفصیل کے مطابق اس سے اوپر کی جماعت کو شامل کیا جائے گا، پھر بھی دِیت پوری نہ ہو تو اس سے اوپر کی جماعت کو شامل کیا جائے گا۔

عاقلہ کا مدار ایک دوسرے کی مدد کرنے پر ہے، اس زمانہ میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کی کئی صورتیں ہیں، مثلاً: سیاسی جماعتیں، صنعت کاروں، تاجروں اور مزدوروں وغیرہ کی تنظیمیں، لہٰذا اگر قاتل کسی سیاسی جماعت یا کسی تنظیم کا رکن ہوگا تو اس کی عاقلہ یہ جماعت یا تنظیم ہوگی۔

مسئلہ ۱: اگر قاتل اہل دیوان سے نہ ہو اور کسی تنظیم یا سیاسی جماعت کا رکن بھی نہ ہو تو اس کے عاقلہ اس کے عصبات[1] ہوں گے اور ان پر دِیت وارث بننے کی ترتیب کے مطابق واجب ہوگی، یعنی پہلے بیٹوں پر؛ پھر باپ دادا پر؛ پھر بھائی پر پھر بھتیجے پر؛ پھر چچاؤں پر پھر چچازاد بھائیوں پر۔

۱- عصبہ اس قریبی رشتہ دار کو کہتے ہیں جو خود بھی مرد ہو اور اس کے ساتھ رشتے کی نسبت میں سب مرد ہوں۔ کسی عورت کا واسطہ بیچ میں نہ آئے۔ جیسے بیٹا، باپ، بھائی، چچا وغیرہ۔

مسئلہ (۲): قاتل سے بھی دِیت کا حصہ وصول کیا جائے گا، چاہے وہ اہل دیوان سے ہو یا نہ ہو۔ عورتوں، بچوں اور پاگلوں پر دِیت نہیں، اگر چہ وہ قاتل ہوں۔

مسئلہ (۳): اگر قاتل کے عاقلہ نہ ہوں تو بیت المال یعنی سرکاری خزانہ سے تین سالوں میں دِیت ادا کی جائے گی، بشرطیکہ قاتل مسلمان ہو اور اسکا کوئی وارث معلوم نہ ہو، مثلاً: لقیط (کہیں پڑا ہوا ملا ہو) ہو یا دارالحرب سے تعلق رکھنے والا کوئی کافر اسلام لے آیا ہو۔ اگر قاتل ذمی ہو یا اس کا کوئی وارث معلوم ہو، چاہے کتنا ہی دور کا ہو یا غلام ہونے کی وجہ سے یا کفر کی وجہ سے محروم ہی ہو تو دِیت بیت المال سے نہیں بلکہ قاتل کے اپنے مال میں ہے۔ اسی طرح بیت المال میں دِیت ہونے کی صورت میں اگر بیت المال موجود نہ ہو یا اس میں گنجائش نہ ہو تو دِیت قاتل کے مال میں ہوگی جو تین سالوں میں وصول کی جائے گی۔

دِیت وصول کرنے کا طریقہ:

دِیت تین سالوں میں وصول کی جائے گی۔ ایک شخص سے ایک سال میں ۴٫۵۳۶ گرام چاندی یا اس کی قیمت سے زیادہ نہیں لیا جائے گا۔[1]

معافی کے بعد قصاص کا مطالبہ کرنا:

قاتل کو ایک مرتبہ معاف کرنے سے قصاص کا حق ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتا ہے، لہٰذا اس کے بعد دوبارہ قصاص کا مطالبہ کرنا جائز نہیں۔[2]

بچہ ماں کے نیچے دب کر مر گیا:

سوتے میں بچہ ماں کے نیچے دب کر مر گیا تو اس کے مندرجہ ذیل احکام ہیں:

(۱) ماں بے احتیاطی کی وجہ سے بہت سخت گناہگار ہوئی، اس لیے اس پر توبہ واستغفار واجب ہے۔

(۲) کفارہ: ایک مؤمن غلام یا باندی آزاد کرنا، اس پر قدرت نہ ہو تو دو ماہ مسلسل روزے رکھے، قمری ماہ کی پہلی تاریخ کو شروع کرے تو چاند کے حساب سے دو ماہ شمار ہوں گے اور اگر پہلی تاریخ کو شروع نہ کرے تو پھر ساٹھ روزے پورے کرے۔

(۳) ماں بچے کی میراث سے محروم ہوگی۔

۱- أحسن الفتاوی: ۸/ ۵٤۰

۲- أحسن الفتاوی: ۸/ ۵۳۰

(۴) عورت کے عاقلہ پر دیت واجب ہے۔[1]

کسی کے ہاتھ سے بچہ گر کر مر گیا:

غفلت کی وجہ سے اگر کسی کے ہاتھ سے بچہ گر کر مر گیا تو یہ قتل جاری مجرائے خطا ہے (یعنی قائم مقام خطا)، اس کے مندرجہ ذیل احکام ہیں:

(۱) اس شخص پر توبہ اور کفارہ واجب ہے۔

(۲) اس کے عاقلہ پر دیت واجب ہے۔

(۳) یہ شخص اگر بچے کا باپ ہے تو اس کی میراث سے محروم ہوگا۔[2]

ٹریفک حادثہ میں مرنے والے کا حکم:

گاڑی کی ٹکر سے یا نیچے آکر کوئی شخص مر گیا تو یہ قتل خطا ہے، اس لیے ڈرائیور پر کفارہ اور عاقلہ پر دیت واجب ہوگی۔[3]

۱- أحسن الفتاوی: ۸/ ۵٤٤

۲- أحسن الفتاوی: ۸/ ۵٤۸

۳- أحسن الفتاوی: ۸/ ۵٤۷

دِیت یا تاوان کی صورتیں

بالوں میں:

مسئلہ ۱: کسی کا سر ایسا کچھ ملا کر مونڈھ دیا کہ دوبارہ بال نہیں اُگے تو پوری دِیت واجب ہوگی۔ اس میں مرد، عورت، بچے، بڑے سب کا حکم یکساں ہے۔ البتہ پہلے ایک سال کی مہلت دی جائے گی۔ اگر اس دوران بال نہ اُگے تب دِیت واجب الادا ہوگی۔

مسئلہ ۲: ابرو کے بال اس طرح مونڈھے یا اکھیڑے، جس سے بال دوبارہ نہ اُگے تو ایک طرف کے ابرو میں نصف دِیت اور دونوں طرف میں پوری دِیت واجب ہوگی۔

مسئلہ ۳: اسی طرح ایک پلک کے بال کاٹے یا اکھیڑے اور ان کی جڑیں برباد کردیں تو چوتھائی دِیت ہوگی۔ دو پلکوں میں نصف دِیت اور چاروں پلکوں میں پوری دِیت ہوگی۔

مسئلہ ۴: کسی کی داڑھی اس طرح مونڈھ دی کہ پھر سال بھر تک دوبارہ بال نہ اُگی تو پوری دِیت آئے گی اور اگر آدھی مونڈھی تب بھی پوری دِیت آئے گی۔

مسئلہ ۵: سر اور داڑھی کے بال مونڈھنے میں عمد اور خطا دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔

مسئلہ ۶: اگر ٹھوڑی پر داڑھی کے صرف گنتی کے چند بال تھے تو ان کو مونڈھنے کی صورت میں کچھ واجب نہ ہوگا اور اگر ٹھوڑی اور رخساروں پر بال تھے تو مناسب تاوان واجب ہوگا جبکہ متصل ہونے کی صورت میں پوری دِیت واجب ہوگی اور اگر داڑھی کے بال دوبارہ اتنے ہی اُگ آئے جتنے پہلے تھے تو کچھ نہ ملے گا، البتہ مجرم کو کچھ تعزیر کی جائے گی۔

مسئلہ ۷: اگر داڑھی پہلے سیاہ تھی، اب دوبارہ جو نکلی تو سفید نکلی تو اس پر مناسب تاوان آئے گا۔

مسئلہ ۸: مونچھیں مونڈھ دیں اور وہ دوبارہ نہ اُگیں تو مناسب تاوان ہوگا۔

مسئلہ ۹: خطا سے دونوں کان کاٹنے میں پوری دِیت ہوگی جبکہ ایک کان میں نصف دِیت ہوگی۔

مسئلہ ۱۰: اگر کان سوکھے ہوئے یا پست تھے تو مناسب تاوان ملے گا۔

مسئلہ ۱۱: اگر کانوں پر ضرب لگائی جس سے قوتِ سماعت ضائع ہوگئی تو پوری دِیت ہوگی۔

آنکھوں میں:

مسئلہ (۱۲): خطا سے دونوں آنکھیں پھوڑی گئیں تو کامل دِیت ہوگی جبکہ ایک آنکھ میں نصف دِیت ہوگی۔

مسئلہ (۱۳): اگر آنکھ تو نہ پھوٹی اور ڈھیلے بحال رہے، لیکن ضرب سے بصارت زائل ہوگئی تو دنوں آنکھوں میں کامل دِیت ہوگی جبکہ ایک آنکھ میں نصف دِیت ہوگی۔

مسئلہ (۱۴): کانے کی ایک آنکھ میں نصف دِیت ہوگی۔

مسئلہ (۱۵): پپوٹے، پلکوں سمیت کاٹ دے تو پوری دِیت ہوگی۔

مسئلہ (۱۶): ایک شخص نے پلکیں کاٹیں اور دوسرے نے پپوٹے کاٹے تو پلکیں کاٹنے والے پر پوری دِیت آئے گی اور پپوٹے کاٹنے والے پر مناسب تاوان ہوگا۔

ناک میں:

مسئلہ (۱۷): خطا سے ناک کاٹنے میں کامل دِیت ہوگی۔

مسئلہ (۱۸): ناک کا نرم حصہ کاٹنے میں بھی کامل دِیت ہے۔

مسئلہ (۱۹): اگر ناک کا نصف بانسہ کاٹا تو اس میں کامل دِیت ہوگی اور عمد کی صورت میں بھی قصاص نہیں ہوگا۔

مسئلہ (۲۰): ناک پر ضرب لگائی جس سے سونگھنے کی قوت ضائع ہوگئی تو کامل دِیت ہوگی۔

مسئلہ (۲۱): بچے کی ناک، کان میں بھی پوری دِیت ہوگی۔

دانتوں میں:

مسئلہ (۲۲): ایک دانت میں چاہے وہ کسی قسم کا بھی ہو کل دِیت کا بیسواں حصہ آتا ہے۔

مسئلہ (۲۳): ایسا صرف دانتوں ہی میں ہوتا ہے کہ ان کا اَرش جان کی دِیت سے بڑھ جائے۔ لہٰذا اگر اٹھائیس دانت گرائے تو چودہ ہزار درہم اَرش ہوگا یعنی چار ہزار زائد اور اگر تیس دانت گرائے تو پندرہ ہزار درہم اور بتیس دانت گرائے تو سولہ ہزار درہم اَرش ہوگا۔ یہ رقم تین سالوں میں واجب الادا ہوگی۔

مسئلہ (۲۴): ضرب لگا کے ایک شخص کا دانت نکال دیا۔ اگر اس کی جگہ دوسرا دانت اُگ آیا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اَرش ساقط ہو جائے گا، جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک پورا اَرش ملے گا۔

مسئلہ ۲۵: اگر نکالے ہوئے دانت کی جگہ سیاہ دانت نکلا تو کامل اَرش ہوگا۔

مسئلہ ۲۶: دانت اکھیڑا، مجروح نے دانت کی جگہ سیاہ دانت کو واپس اس کی جگہ پر واپس رکھ دیا اور اس پر (مسوڑھوں کا) گوشت چڑھ آیا تب بھی اَرش میں کچھ کمی نہ آئے گی۔

مسئلہ ۲۷: دانت پر ضرب لگائی جس سے وہ ہلنے لگا تو سال کی مہلت دی جائے گی، اگر ہلنا تو بند ہوگیا لیکن دانت سبز یا سرخ ہوگیا تو دانت کا اَرش ملے گا (یعنی پانچ سو درہم) اور اگر دانت پیلا یعنی زرد ہوگیا تو کچھ نہ ملے گا اور اگر دانت سیاہ ہوگیا تو:

(ا) اس سے اگر چبا نہیں سکتا تو دانت کا اَرش ملے گا۔

(ب) اگر چبا تو سکتا ہے لیکن وہ دانت سامنے کا ہے اور بدصورت نظر آتا ہے تو خوبصورتی ختم ہونے کی بنا پر بھی کامل اَرش آئے گا۔

(ج) اگر چبا سکتا ہے اور دانت سامنے نہ ہونے کی بنا پر بدصورتی دکھائی نہیں دیتی تو مجروح کو کچھ نہ ملے گا۔

زبان کی دیت:

مسئلہ ۲۸: پوری زبان کاٹنے میں کامل دِیت ہے۔

مسئلہ ۲۹: اگر زبان کا کچھ حصہ کاٹا تو:

۱- اگر اس کے بعد بات کرنے پر سرے سے قادر نہ ہو یا اکثر حروف ادا نہ کرسکتا ہو تو مجرم کے ذمے کامل دِیت ہو گی۔

۲- اور اگر صرف چند حروف کی ادائیگی پر قادر نہ رہا تو مناسب تاوان ملے گا۔

مسئلہ ۳۰: گونگے کی زبان میں مناسب تاوان ہوگا، جبکہ صرف اتنی کٹی ہو کہ ذائقہ محسوس کرسکتا ہو۔

مسئلہ ۳۱: بچے کی زبان کاٹی تو اگر وہ باتیں کرتا تھا تو کامل دِیت ہوگی اور اگر اتنا چھوٹا تھا کہ صرف رونے کی آواز نکلتی تھی تو مناسب تاوان آئے گا بشرطیکہ وہ صرف اتنی کٹی ہو کہ ذائقہ محسوس کرسکتا ہو۔

جبڑوں کی دیت:

مسئلہ ۳۲: دو جبڑوں میں کامل دِیت ہوتی ہے جبکہ ایک جبڑے میں نصف دِیت ہوتی ہے۔

قاعدہ:

ہاتھ، پیر وغیرہ میں قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی منفعت (ہر عضو جو کام کرتا ہے اس کو اس عضو کی منفعت کہتے ہیں) یا کوئی خوبصورتی جو مقصود ہو، مکمل طور پر ختم ہو جائے تو کامل دِیت واجب ہوتی ہے۔

ہاتھ، پیر کی دِیت:

مسئلہ ۳۳: دونوں ہاتھ جب غلطی سے کاٹے جائیں تو مکمل دِیت آتی ہے، جبکہ ایک ہاتھ میں نصف دِیت آتی ہے۔ دائیں بائیں کا کوئی فرق نہیں ہے۔

مسئلہ ۳۴: خنثیٰ (تیسری جنس) کے ہاتھ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اتنی دِیت ہوتی ہے جتنی عورت کے ہاتھ میں ہوتی ہے جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک اس میں مرد کے ہاتھ کی نصف دِیت اور عورت کے ہاتھ کی نصف دِیت کے مجموعہ کے برابر واجب ہوتی ہے۔[1]

مسئلہ ۳۵: ہاتھ پاؤں کی ہر انگلی میں چاہے وہ کوئی بھی ہو دِیت کا دسواں حصہ آتا ہے۔ وہ انگلی جس میں تین جوڑ ہوتے ہیں ان میں ہر جوڑ میں دِیت کا تیسواں حصہ (**۳،۳۳۳ فیصد**) آتا ہے اور جس انگلی میں دو جوڑ ہوتے ہیں ان میں ہر جوڑ میں دِیت کا بیسواں حصہ (**۵ فیصد**) ہوتا ہے۔

مسئلہ ۳۶: زائد انگلی میں مناسب تاوان آتا ہے۔

مسئلہ ۳۷: شل ہاتھ میں مناسب تاوان آتا ہے۔

مسئلہ ۳۸: انگلیوں سمیت ہتھیلی کاٹی تو اس میں مندرجہ ذیل تفصیل ہے:

۱ - پانچوں انگلیوں سمیت، ہتھیلی کاٹی تو ہتھیلی کو انگلیوں کے تابع سمجھا جائے گا اور صرف انگلیوں کا اَرش لازم ہوگا۔

۲ - اگر کٹی ہوئی ہتھیلی میں تین انگلیاں تھیں تب بھی صرف تین انگلیوں کا اَرش یعنی تین ہزار درہم واجب ہوگا۔ ہتھیلی میں کچھ نہ ملے گا۔

مسئلہ ۳۹: کسی کے ہاتھ پر ضرب لگائی جس سے وہ شل ہو گیا تو مکمل دِیت آئے گی۔

---

۱ - یعنی مرد کی دیت کا 37،5 فیصد۔ مرد کے ہاتھ کی دیت 50 فیصد، اس کا نصف 25 فیصد۔ عورت کے ہاتھ کی دیت 25 فیصد، اس کا نصف 12،5 فیصد، دونوں نصفوں کا مجموعہ 37،5 فیصد۔

مسئلہ (۴۰): اگر انگلی کا اوپر کا جوڑ کاٹ دیا اور باقی انگلی شل اور بیکار ہوگئی تو قصاص تو نہیں ہوگا، البتہ پوری انگلی میں اَرش ہوگا اور اگر باقی انگلی شل ہوئی لیکن بالکل بیکار نہ ہوئی تو کٹے ہوئے جوڑ میں اَرش اور باقی میں مناسب تاوان ہوگا۔

مسئلہ (۴۱): بازو توڑنے کی صورت میں مناسب تاوان آتا ہے۔

مسئلہ (۴۲): بازو کو درمیان سے کاٹا تو ہاتھ کی دِیت اور بازو سے ہتھیلی کے درمیان تک کے حصے میں مناسب تاوان ہوگا۔

مسئلہ (۴۳): بچہ جب تک بیٹھا اور چلا نہ ہو اور نہ ہی اس نے اپنے ہاتھ پیر کو حرکت دی ہو تو ان میں مناسب تاوان ہوتا ہے اور جب وہ ہاتھ پیروں کو ہلانے لگا ہو تو کامل دِیت آتی ہے۔

مسئلہ (۴۴): لنگڑی ٹانگ کاٹنے میں مناسب تاوان آتا ہے۔

مسئلہ (۴۵): آدھی پنڈلی سے ٹانگ خطا سے کاٹی تو پاؤں کی وجہ سے دِیت اور بقیہ حصے کی وجہ سے مناسب تاوان آئے گا۔

مسئلہ (۴۶): بازو یا ٹانگ یا اور کسی جگہ کی ہڈی توڑ دی اور وہ جڑ گئی اور جیسے پہلے تھی ویسی ہی ہوگئی تو دِیت یا تاوان کچھ نہیں نہ ہوگا اور اگر اس میں کچھ کمی رہ گئی تو اسی حساب سے دِیت آئے گی۔

مسئلہ (۴۷): انگلی کے پوروں میں مناسب تاوان آتا ہے۔

ناخن اگر دوبارہ پہلے کی طرح اُگ آیا تو کوئی تاوان نہ ہوگا اور اگر نہ اُگا تو مناسب تاوان ہوگا اور اگر عیب دار اُگا تو اس سے کمتر تاوان ہوگا۔

پستان کی دیت:

مسئلہ (۴۸): مرد کے دونوں پستانوں میں مناسب تاوان ہوتا ہے جبکہ اس کے سرِ پستانوں میں، اس سے کم تاوان ہوتا ہے۔

مسئلہ (۵۰): عورت کے دونوں پستانوں میں کامل دِیت ہوگی، ایسے ہی دونوں سرِ پستانوں میں پوری دِیت اور ایک پستان میں نصف دِیت ہوگی۔

آلاتِ تناسل کی دِیت:

مسئلہ (۴۹): اگر کسی مرد کی پشت پر ضرب لگائی جس سے وہ جماع کرنے کے قابل نہ رہا یا وہ کبڑا ہوگیا تو پوری دِیت

آئے گی اور اگر نہ تو قوتِ جماع ختم ہوئی اور نہ ہی کبڑا پن پیدا ہوا البتہ زخم کا اثر باقی رہا تو مناسب تاوان آئے گا اور اگر ضرب کا کوئی اثر بھی باقی نہ رہا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک کچھ نہ ملے گا جبکہ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک زخمی ہونے والے کو علاج معالجہ کا خرچہ ملے گا۔

مسئلہ (۵۱): مرد کے آلۂ تناسل میں پوری دِیت ہوگی۔ خصی کے آلۂ تناسل میں مناسب تاوان ملے گا، چاہے اس میں حرکت ہوتی ہو یا نہ ہوتی ہو اور چاہے وہ خصی جماع پر قادر ہو یا نہ ہو۔ یہی حکم عنین (نامرد) کے آلۂ تناسل کا ہے کہ اس میں مناسب تاوان ہوتا ہے۔ بوڑھا اگر جماع پر قادر نہ ہو، اس کے آلۂ تناسل میں بھی مناسب تاوان ہوگا۔

مسئلہ (۵۲): حشفہ (آلۂ تناسل کا سرا) کاٹنے میں بھی پوری دِیت آتی ہے۔

مسئلہ (۵۳): دونوں خصیتین میں پوری دِیت ہوتی ہے۔

مسئلہ (۵۴): صحیح سالم شخص کے آلۂ تناسل اور خصیتین کو غلطی سے کاٹ دیا تو اگر پہلے آلۂ تناسل کاٹا تو مجرم پر دو دیتیں ہوں گی اور اگر پہلے خصیتین کاٹے تو خصیتین میں پوری دِیت ہوگی اور آلۂ تناسل میں مناسب تاوان ہوگا۔

پیٹ کی دیت:

مسئلہ (۵۵): پیٹ پر ایسا زخم لگایا جس کی وجہ سے کھانا پیٹ میں نہ ٹھہرتا ہو تو پوری دِیت ہوگی۔

مسئلہ (۵۶): اگر ضرب لگانے کی وجہ سے پیشاب نہ رکتا ہو اور مسلسل پیشاب کا مرض لاحق ہوگیا ہو تو پوری دِیت ہوگی۔

مسئلہ (۵۷): عورت کی شرمگاہ کو اس طرح کاٹ دیا کہ وہ پیشاب نہ روک سکتی ہو تو پوری دِیت ملے گی۔

کِتَابُ الجِہَاد

جہاد کے احکام

جہاد کی تعریف:

جہاد نام ہے اللہ تعالیٰ کے راستے میں لڑائی میں اپنی پوری قوت خرچ کرنے کا، چاہے براہِ راست لڑائی میں شریک ہو کر یا مال و دولت اور رائے کے ذریعہ مجاہدین کی تعداد بڑھانے کے ساتھ یا اس کے علاوہ کسی اور کام مثلاً: زخمیوں کے علاج و معالجہ یا مجاہدین کے کھانے پینے کے لیے انتظام کے ساتھ ہو۔

رباط یعنی سرحدوں کی حفاظت کرنا بھی جہاد میں شامل ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ اسلامی سرحد کی حفاظت کرنے والے کو نماز میں پانچ سو گنا اور خرچہ میں سات سو گنا ثواب ملتا ہے اور اگر اسی دوران مر جائے تو قیامت تک اس کا عمل اور اس کا رزق جاری کر دیا جاتا ہے۔ قبر کے سوال و جواب سے محفوظ رہے گا، قیامت کے دن شہید اٹھایا جائے گا اور بڑی گھبراہٹ سے محفوظ رہے گا۔

مسئلہ ۱: ابتداءً جہاد کرنا (یعنی اگر چہ کافروں نے حملہ کرنے میں پہل نہ کی ہو) فرضِ کفایہ ہے، البتہ اگر اس علاقے میں مسلمان اتنے تھوڑے ہوں کہ سب کے نکلے بغیر جہاد نہ ہو سکتا ہو تو سب پر فرضِ عین ہو جاتا ہے۔

لیکن جہاد کی فرضیت کا ہر علاقے میں علیحدہ اعتبار ہوگا۔ یورپ میں جہاد سے پاکستان میں جہاد کا حکم ختم نہیں ہوگا۔ غرض حکم یہ ہے کہ جہاد ہر وقت جاری رہے، چاہے کفار پہل کریں یا نہ کریں۔

مسئلہ ۲: حاکم کے لیے جائز نہیں کہ وہ سرحدوں کو بقدرِ ضرورت فوج سے خالی رکھے۔ اگر سرحدی فوج مغلوب ہو جائے تو ان کے پیچھے والوں پر فرض ہو جاتا ہے کہ وہ اسلحہ اور مال ہر طرح سے ان کی امداد کریں۔

مسئلہ ۳: اگر کسی جگہ دشمن کے حملہ کا خوف ہو تو حاکم پر یا اس علاقے والوں پر اس جگہ کی حفاظت کرنا فرض ہوتا ہے۔ اگر ان میں اس کی قدرت نہ ہو تو ان کے قریب والوں پر یہاں تک کہ مشرق و مغرب میں تمام مسلمانوں پر فرض ہو جاتا ہے۔

مسئلہ ۴: مسلمان قیدی کو چھڑانا سب مسلمانوں پر فرض ہو جاتا ہے یعنی جن کو بھی علم ہو جائے کہ کافر مسلمان کو پکڑ

کر لے گئے ہیں۔

مسئلہ ۵: کافر اگر مسلمان عورتوں اور بچوں کو پکڑ کر لے جائیں تو ان کا پیچھا کیا جائے، جب تک کہ ان کو آزاد نہ کرایا جائے کوشش جاری رکھی جائے۔

مسئلہ ۶: کسی جگہ جہاد فرضِ کفایہ ہو اور ایک شخص کے والدین یا ان میں سے کوئی ایک موجود ہو اور اس کے جہاد پر جانے سے ان کو سخت مشقت پہنچتی ہو کہ وہ تنگ دست ہوں اور اس کی خدمت کے محتاج ہوں تو اس شخص کا جہاد میں نکلنا جائز نہیں، کیونکہ اس صورت میں والدین کی خدمت فرضِ عین ہے اور فرضِ کفایہ کی خاطر فرضِ عین کو چھوڑنا جائز نہیں ہے۔

اسی طرح اگر کسی کے بیوی بچوں کی ایسی حالت ہو کہ کوئی اور ان کی دیکھ بھال کرنے اور خرچہ اُٹھانے پر تیار نہ ہو اور اس کے جہاد میں جانے سے ان کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو اس کے لیے بھی جانا جائز نہیں۔

مسئلہ ۷: ایک شخص کا جہاد کا عزم ہے، لیکن لوگوں کے آمادہ نہ ہونے کی وجہ سے یا ان کی سستی کی وجہ سے یا حاکم کے منع کرنے کی وجہ سے نہیں نکل سکتا تو وہ گناہگار نہیں ہے۔

مسئلہ ۸: جس کو اپنی جان اور مال کے ساتھ جہاد پر قدرت ہو، اس پر جہاد لازم ہے (بشرطیکہ کوئی شرعی عذر اور روکاٹ موجود نہ ہو)

اگر کوئی جہاد پر جانے سے عاجز ہو لیکن اس کے پاس مال ہو تو وہ اپنے مال سے کسی دوسرے کو بھیج دے۔

اگر حکومت کی جانب سے بقدرِ ضرورت وظیفہ مل جائے تو جہاد کے لیے جانے پر کسی دوسرے سے وظیفہ وغیرہ نہیں لے سکتا۔

مسئلہ ۹: جب مسلمان کفار کا محاصرہ کرلیں تو اگر ان کو اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو تو ان کو پہلے اسلام کی دعوت دینا واجب ہے اور اگر پہنچ چکی ہو تو مستحب ہے۔ اگر وہ اسلام قبول کرلیں تو بہت اچھا، ورنہ ان کو جزیہ کی ادائیگی کر کے مسلمانوں کی ماتحتی قبول کرنے کی دعوت دیں۔ اگر وہ اس کو قبول کرلیں تو ان کو مسلمانوں کے مساوی حقوق حاصل ہوں گے۔ اگر کافر اس کو بھی قبول نہ کریں تو پھر مسلمان ان سے جنگ کریں۔

قیدیوں کا معاملہ:

مسئلہ ۱۰: امام المسلمین کو قیدیوں میں تین طرح کا اختیار ہوتا ہے:

۱۔ اگر وہ قیدی مسلمان نہ ہوئے ہوں تو ان میں سے جو لڑائی کے قابل ہوں ان کو قتل کردے۔

۲- سب کو غلام بنالے۔

۳- ان کو "ذمی" بنا کر رکھے اور ان سے جزیہ لے۔

مسئلہ (۱۱): امام المسلمین کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ ان کو ایسے ہی مفت چھوڑ دے اور وہ اپنے ملک میں واپس چلے جائیں۔ ضرورت ہو تو زرِفدیہ لے کر ان کو چھوڑ سکتا ہے لیکن ضرورت نہ ہو تو یہ بھی جائز نہیں۔

مسئلہ (۱۲): مسلمان قیدیوں کے بدلے میں کافر قیدیوں کو چھوڑ سکتا ہے۔

مسئلہ (۱۳): جو عورتیں اور بچے قیدی ہوں، ان کا زرِفدیہ لے کر ان کو چھوڑنا جائز نہیں، البتہ مسلمان قیدیوں کے تبادلے میں چھوڑ سکتے ہیں۔

مسئلہ (۱۴): جو کافر قیدی مسلمان ہو گیا ہو اس کا کسی مسلمان قیدی سے تبادلہ جائز نہیں، البتہ اگر مسلمان ہونے والا خود اس پر راضی ہو اور اس کے اسلام پر امن واطمینان ہو کہ دارالحرب میں دوبارہ جا کر کافر نہیں ہو جائے گا تو کوئی حرج نہیں۔

غلام و باندی بنانے کی ضرورت:

اس کو سمجھنے کے لیے دو باتیں پیش نظر رکھیں تو بات جلدی واضح ہو جائے گی۔ پہلی یہ کہ موجودہ ترقی یافتہ مشینی دور سے پہلے بڑی بڑی فوجیں ایک جگہ پر مقابلہ اور لڑائی کرتی تھیں اور ایک کی شکست کی صورت میں ہزاروں کی تعداد میں فوجی گرفتار ہوتے تھے۔ دوسری یہ کہ مثلاً: مسلمانوں کی ترقی کے دور میں علاقوں کے علاقے فتح ہو رہے تھے۔ شکست کھانے والا ملک یا تو مکمل طور پر فتح ہو جاتا تھا یا اس کے اصحابِ اقتدار پسپا ہوتے اور پیچھے ہٹتے جاتے تھے اور ان کے لیے یہ ممکن نہیں ہوتا تھا کہ ان حالات میں زرِفدیہ کا ایک بہت بڑا بوجھ برداشت کر کے اپنے قیدی چھڑا سکیں۔

ان حالات میں جب سینکڑوں اور ہزاروں آدمی مسلمانوں کی قید میں ہوں، ایک صورت تو یہ ہے کہ ان سب کو مفت رہا کر دیا جائے اور ان کو اپنے ملک میں واپس جانے دیا جائے، اس کا خلافِ عقل ہونا ظاہر ہے کہ دشمن کی ہزاروں کی تعداد کو پھر اپنے مقابلے کے لیے آزاد چھوڑ دیا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ سب کو فوراً قتل کر دیا جائے۔ اگر اسلام میں صرف قتل ہی کی صورت متعین ہوتی تو مخالفین جتنا شور وغل مسئلہ غلامی پر کرتے ہیں، اس سے کہیں زیادہ اس وقت کرتے کہ دیکھئے کیسا سخت حکم ہے کہ قیدیوں کو فوراً قتل کر دیا جاتا ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ سب کو کسی جیل خانہ میں بند کر دیا جائے اور وہاں رکھ کر ان کو روٹی کپڑا دیا جائے، اس میں یہ خرابی ہے کہ اس میں بڑا خرچ حکومت کے سر پڑتا ہے اور ان کو کتنی ہی راحت پہنچائیں اس کی ان کو کوئی قدر نہیں ہوتی

اور آزادی سلب ہونے کی وجہ سے ان کی دشمنی میں کچھ کمی نہیں آتی، پھر سب سے بڑا ظلم یہ ہے کہ سب کے سب علمی وتمدنی ترقی سے بالکل محروم رہتے ہیں۔ اسلام نے اس کی بجائے یہ حکم دیا کہ جتنے قیدی گرفتار ہوں سب لشکر والوں میں تقسیم کردو۔ ایک گھر میں ایک غلام کا خرچ معلوم بھی نہ ہوگا اور حکومت بہت بڑے بوجھ سے بچ جائے گی۔ پھر چونکہ ہر شخص کو اپنے قیدی سے خدمت لینے کا حق بھی ہے، اس لیے وہ اس کو روٹی، کپڑا جو کچھ دے گا اس پر گراں نہ ہوگا، پھر چونکہ غلام کو چلنے پھرنے سیر وتفریح کرنے کی آزادی ہوتی ہے، قید خانہ میں بند نہیں ہوتا ہے، اس حالت میں اگر آقا نے اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا تو اس کا احسان غلام کے دل میں گھر کر لیتا ہے اور وہ اس کے گھر کو اپنا گھر اور اس کے گھر والوں کو اپنا عزیز سمجھنے لگتا ہے۔ یہ سب باتیں ہی نہیں بلکہ واقعات ہیں۔ پھر اس صورت میں غلام علمی وتمدنی ترقی بھی کر سکتا ہے کیونکہ جب آقا غلام میں اتحاد ہو جاتا ہے تو آقا خود چاہتا ہے کہ میرا غلام مہذب وشائستہ ہو، وہ اس کو تعلیم بھی دلاتا ہے، صنعت وحرفت بھی سکھلاتا ہے، چنانچہ اسلام میں سینکڑوں غلاموں نے علم وعمل اور عبادت میں بلند مقام پایا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے غلاموں کی رعایت فرماتے ہوئے یہاں تک فرمایا: ''جو خود کھاؤ وہی غلاموں کو کھلاؤ، جو خود پہنو وہی ان کو پہناؤ اور جب وہ کھانا پکا کر لائے تو اس کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھلاؤ۔'' زندگی کے آخری لمحات میں آپ ﷺ کی آخری وصیت یہ تھی کہ نماز کا خیال رکھو اور ان غلاموں کا بھی جو جائز طریقے سے تمہاری ملکیت میں ہیں۔

قیدی عورتوں کو بھی اسی طرح مجاہدین میں تقسیم کر دیا جائے گا، کیونکہ ان کو مستقل قید میں رکھنے میں یا دار الاسلام میں آزاد چھوڑنے میں اخلاقی خرابیاں اور فساد پیدا ہونے کا قوی اندیشہ ہے۔ پھر اگر یہ اہل کتاب ہوں یا مسلمان ہو جائیں تو مالک ان کا کہیں نکاح کر سکتا ہے اور اگر چاہے تو کسی اور سے اس کا نکاح نہ کرے بلکہ خود بغیر نکاح کے ان سے اپنی خواہش پوری کرے۔

جزیہ:

مسئلہ ⑮: اگر فتح صلح سے ہوئی ہو تو صلح میں جزیہ کی جو مقدار طے ہوئی ہو بس اتنی ہی وصول کی جائے گی۔ امام المسلمین کو اس میں اضافہ کرنے کا حق نہ ہوگا۔

مسئلہ ⑯: اگر فتح جنگ کے نتیجے میں حاصل ہوئی ہو تو کم حیثیت والے لوگوں سے ایک درہم (۱) ماہانہ، متوسط حیثیت والوں سے دو درہم ماہانہ اور زیادہ حیثیت والے لوگوں سے چار درہم ماہانہ جزیہ وصول کیا جائے گا۔

مسئلہ ⑰: عورتوں، بچوں، اپاہجوں، اندھوں، الگ تھلگ رہنے والے راہبوں اور ایسے فقیروں سے جو کماتے نہ ہوں، جزیہ وصول نہیں کیا جاتا۔

۱- درہم = 3.402 گرام چاندی۔

کِتَابُ الارتِدَاد

(مرتد کے احکام)

مسئلہ ①: اگر خدانخواستہ کوئی اپنے ایمان اور دین سے پھر گیا تو اس کو تین دن کی مہلت دی جائے گی اور جو شکوک و شبہات پیدا ہوئے ہوں ان کا جواب دیا جائے گا۔ اگر اس مدت میں مسلمان ہو گیا تو ٹھیک، ورنہ اگر مرد ہے تو تین دن کے بعد اس کو قتل کر دیا جائے گا اور اگر عورت ہے تو قید میں ڈال دی جائے گی۔ جب توبہ کرے گی تب چھوڑ دی جائے گی، اس کے بغیر نہیں۔

مسئلہ ②: جب کسی نے کلمۂ کفر زبان سے نکالا تو ایمان جاتا رہا اور جتنی نیکیاں اور عبادات اس نے کی تھیں سب ضائع ہو گئیں، نکاح ٹوٹ گیا، اگر فرض حج کر چکا ہے تو وہ بھی ختم ہو گیا۔ اگر توبہ کر کے پھر مسلمان ہو گیا تو نکاح دوبارہ کرے اور حج بھی دوبارہ ادا کرے۔

مسئلہ ③: اگر کسی کا شوہر خدانخواستہ مرتد ہو جائے تو جب تک وہ توبہ کر کے دوبارہ نکاح نہ کرے، عورت اس سے کوئی تعلق نہ رکھے۔ اگر کوئی معاملہ میاں بیوی کا سا ہوا تو عورت بھی گنہگار ہوگی اور اگر وہ زبردستی کرے تو عورت اس معاملے کو سب کے سامنے ظاہر کر دے، شرمائے نہیں۔

مسئلہ ④: جب کفر کا کلمہ زبان سے نکالا تو ایمان جاتا رہا۔ اگر ہنسی دل لگی میں کفر کی بات کہے اور دل میں نہ ہو تب بھی یہی حکم ہے، جیسے کسی نے کہا: ''کیا خدا کو اتنی قدرت نہیں جو فلاں کام کر دے؟'' اس کا جواب دیا: ''ہاں! نہیں ہے''، تو ایسا کہنے سے کافر ہو گیا۔

مسئلہ ⑤: کسی نے کہا: ''اٹھو نماز پڑھو''، جواب دیا: ''کون اٹھک بیٹھک کرے'' یا کسی نے روزہ رکھنے کے لیے کہا تو جواب دیا: ''کون بھوکا مرے'' یا کہا: ''روزہ وہ رکھے جس کے گھر کھانا نہ ہو''، یہ سب کفر ہے۔

مسئلہ ⑥: کسی کو کوئی گناہ کرتے دیکھ کر کسی نے کہا: ''تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا نہیں؟'' جواب دیا: ''ہاں! نہیں ڈرتا''

تو کافر ہوگیا۔

مسئلہ ⑦: کسی کو برا کام کرتے دیکھ کر کہا: ''کیا تو مسلمان نہیں جو ایسا کام کرتے ہو؟'' اس نے جواب دیا: ''ہاں! نہیں ہوں'' تو کافر ہوگیا، اگر مذاق میں ایسا کہا ہو تب بھی یہی حکم ہے۔

مسئلہ ⑧: کسی نے بے نمازی پن سے توبہ کر کے نماز پڑھنا شروع کی، اتفاق سے اس پر کوئی مصیبت آ گئی، اس پر اس نے کہا: ''یہ سب نماز ہی کی نحوست ہے'' تو کافر ہوگیا۔

مسئلہ ⑨: کسی کافر کی کوئی بات اچھی معلوم ہوئی، اس لیے تمنا کر کے کہا: ''ہم کافر ہوتے تو اچھا تھا کہ ہم بھی ایسا ہی کرتے'' تو کافر ہوگیا۔

مسئلہ ⑩: کسی کا لڑکا مر گیا اُس نے یوں کہا: ''یا اللہ! یہ ظلم مجھ پر کیوں کیا؟ مجھے کیوں ستایا؟'' تو ایسا کہنے سے وہ کافر ہوگیا۔

مسئلہ ⑪: کسی نے یوں کہا: ''اگر خدا بھی مجھ سے کہے تو یہ کام نہیں کروں گا'' یا یوں کہا: ''جبرئیل بھی اتر آئیں تو ان کا کہا نہ مانوں'' تو کافر ہوگیا۔

مسئلہ ⑫: کسی نے کہا: ''میں ایسا کام کرتا ہوں کہ خدا بھی نہیں جانتا'' تو کافر ہوگیا۔

مسئلہ ⑬: اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول ﷺ کی گستاخی کرنا یا شریعت کی بات کو برا جاننا، اس میں عیب نکالنا، کفر کی بات پسند کرنا، ان سب باتوں سے ایمان جاتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسی خطرناک باتوں سے ہر صاحب ایمان کو محفوظ رکھے۔ (آمین)

کِتَابُ اللُّقَطہ

(زمین پر پڑی ہوئی چیز کے احکام)

مسئلہ ۱: کہیں راستہ، گلی یا محفل وغیرہ میں کوئی چیز پڑی ہوئی ملے تو اس کو اپنے لیے اٹھانا درست نہیں، اگر اٹھائے تو اس نیت سے اٹھائے کہ اس کے مالک کو تلاش کر کے پہنچا دوں گا۔

مسئلہ ۲: اگر کوئی چیز پڑی ہوئی ملی اور اس کو نہیں اٹھایا تو کوئی گناہ نہیں، لیکن اگر یہ خطرہ ہو کہ اگر میں نہیں اٹھاؤں گا تو کوئی اور لے لے گا اور جس کی چیز ہے اس کو نہیں ملے گی تو اس کا اٹھانا اور مالک کو پہنچانا واجب ہے۔

مسئلہ ۳: جب کسی نے پڑی ہوئی چیز اٹھالی تو اب مالک کو تلاش کر کے اسے دیدینا اس کے ذمے لازم ہو گیا، اب اگر پھر وہیں ڈالے گا یا اٹھا کر اپنے گھر لائے گا اور مالک کو تلاش نہیں کرے گا تو گنہگار ہو گا، چاہے ایسی جگہ پڑی ہو کہ ضائع ہو جانے کا خطرہ نہیں یا ایسی جگہ ہو کہ ضائع ہونے کا خطرہ ہے، دونوں کا یہی حکم ہے کہ اٹھا لینے کے بعد مالک کو تلاش کر کے پہنچانا واجب ہو جاتا ہے، پھر وہیں ڈال دینا یا خود رکھ لینا جائز نہیں۔

مسئلہ ۴: مجلسوں اور لوگوں کے مجمع میں ملی ہوئی چیز کی خوب تشہیر کرے اور بار بار اعلان کرے کہ مجھے ایک چیز ملی ہے جس کی ہے وہ آ کر وصول کر لے، البتہ اعلان میں چیز کی علامات نہ بتائے بلکہ یوں کہے کہ زیور ملا ہے، کپڑا ملا ہے، یا رقم ملی ہے جس کی ہے وہ نشانی بتا کر لے لے، اگر کوئی صحیح نشانی بتا دے تو اس کو دے دینا چاہیے۔

مسئلہ ۵: بہت تلاش کرنے اور اعلان کرنے کے بعد جب بالکل مایوسی ہو جائے کہ اب اس کا کوئی مالک نہیں ملے گا تو اس چیز کو صدقہ کر دے، اپنے پاس نہ رکھے، البتہ اگر وہ خود غریب، ضرورت مند ہو تو خود بھی اپنے استعمال میں لا سکتا ہے، لیکن صدقہ کرنے کے بعد اگر اس کا مالک آ گیا تو وہ اس سے اس کی قیمت لے سکتا ہے اور اگر مالک نے صدقہ کرنا منظور کر لیا تو اس کو اس صدقہ کا ثواب مل جائے گا۔

مسئلہ ۶: پالتو کبوتر، طوطا، مینا یا اور کوئی پالتو پرندہ کسی کے گھر میں آ گیا اور اس نے اس کو پکڑ لیا تو مالک کو تلاش کر کے پہنچانا واجب ہے، خود لے لینا حرام ہے۔

مسئلہ (۷): باغ میں آم یا امرود وغیرہ پڑے ہیں تو ان کو بلا اجازت اٹھانا اور کھانا حرام ہے، البتہ اگر کوئی ایسی کم قیمت چیز ہے کہ اس کو کوئی تلاش نہیں کرتا اور نہ اس کے لینے، کھانے سے کوئی برا مانتا ہے تو اس کو استعمال کرنا درست ہے، مثلاً: راستے میں بیر کا دانہ پڑا ہوا ملا یا ایک مٹھی بھر چنے ملے۔

مسئلہ (۸): کسی مکان یا جنگل میں خزانہ نکل آیا تو اس کا بھی وہی حکم ہے جو پڑی ہوئی چیز کا حکم ہے، خود لے لینا جائز نہیں، تلاش و کوشش کرنے کے بعد اگر مالک کا پتہ نہ چلے تو اس کو صدقہ کر دے اور غریب ہو تو خود بھی لے سکتا ہے، مگر خود لے لینے یا دوسرے کو صدقہ کرنے کے بعد اگر مالک آ گیا اس صدقہ کرنے پر یا اس کے رکھ لینے پر راضی نہ ہو تو اس کو اپنے پاس سے وہ چیز دینی پڑے گی۔

☆☆☆☆☆☆☆

کِتَابُ الشَّرِکَۃ

(شرکت کے احکام)

شرکت کی دو قسمیں ہیں:

۱- شرکتِ ملک:

یعنی کسی چیز میں مشترکہ ملکیت، جیسے: ایک شخص مرگیا اور اس کے ترکہ میں چند وارث شریک ہیں یا روپیہ ملا کر دو آدمیوں نے ایک چیز خریدلی یا ایک شخص نے دو آدمیوں کو کوئی چیز ہبہ کردی۔ اس کا حکم یہ ہے کہ شرکا میں سے کسی کے لیے دوسرے شریک کی اجازت کے بغیر اس مشترک چیز میں تصرف جائز نہیں۔

۲- شرکتِ عقد:

یعنی وہ شرکت جو کسی معاہدے کے تحت وجود میں آئے، جیسے: دو آدمیوں نے آپس میں معاہدہ کیا کہ ہم مشترک طور پر تجارت کریں گے۔ اس شرکت کی تین اقسام ہیں: (۱) شرکتِ اموال (۲) شرکتِ اعمال (۳) شرکتِ وجوہ۔

ان کی تعریف اور احکام یہ ہیں:

☆ شرکتِ اموال:

یعنی دو آدمیوں نے اپنی اپنی رقم جمع کرکے یہ طے کیا کہ اس کا کپڑا یا غلہ یا اور کچھ خرید کر تجارت کریں گے۔ اس میں یہ شرط ہے کہ دونوں کا سرمایہ نقد ہو۔ اگر دونوں کچھ سامان جمع کرکے مشترک طور پر تجارت کرنا چاہیں یا ایک کا سرمایہ نقد ہو اور دوسرے کا غیر نقد تو یہ شرکت صحیح نہیں ہوگی۔[۱]

مسئلہ ①: شرکتِ اموال میں یہ جائز ہے کہ ایک کا مال زیادہ ہو اور دوسرے کا کم اور نفع کی شرکت باہمی رضامندی پر ہو، یعنی اگر یہ شرط طے ہوجائے کہ کسی کا مال کم اور کسی کا زیادہ ہوگا مگر نفع برابر تقسیم ہوگا: یا مال برابر ہوگا مگر نفع مثلاً تہائی اور دو تہائی کے تناسب سے ہوگا تو بھی جائز ہے۔

۱- اس کے بارے میں کچھ تفصیل اور اس مشکل کا حل آگے "سرمایہ کی نوعیت" کے تحت آرہا ہے۔

مسئلہ ۲: شرکتِ اموال میں ہر شریک کے لیے مال شرکت میں تجارت سے متعلق ہر قسم کا تصرف کرنا جائز ہے، بشرطیکہ معاہدہ کے خلاف نہ ہو، لیکن ایک شریک کے قرض کا مطالبہ دوسرے سے نہیں کیا جائے گا۔

مسئلہ ۳: شرکت کا معاملہ طے ہونے کے بعد مال شرکت سے کوئی چیز خریدنے سے پہلے سارا مال یا کسی ایک شریک کا مال ضائع ہو جائے تو شرکت باطل ہو جائے گی اور اگر کوئی ایک بھی کچھ خرید چکا ہے اور پھر دوسرے کا مال ضائع ہو گیا تو شرکت باطل نہیں ہوگی، خریدا ہوا مال دونوں کا ہوگا اور اصل سرمایہ میں جس قدر دوسرے شریک کا حصہ ہے اس حصے کے مطابق دوسرے شریک سے قیمت وصول کر لی جائے گی۔ مثلاً: ایک شخص کے دس ہزار روپے تھے اور دوسرے کے پاس پانچ ہزار، دس ہزار والے نے مال خرید لیا تھا اور پانچ ہزار روپے والے کی رقم ضائع ہو گئی تو پانچ ہزار روپے والا اس مال میں ایک تہائی کے تناسب سے شریک ہے، اس لیے دس ہزار روپے والا اس سے دس ہزار روپے کی ایک تہائی نقد وصول کر لے گا اور آئندہ یہ مال شرکت پر فروخت ہوگا۔

اس شرکت میں شرکا کے لیے مال کو ملانا ضروری نہیں، صرف زبانی ایجاب وقبول سے یہ شرکت منعقد ہو جاتی ہے۔

مسئلہ ۴: نفع ''فیصدی تناسب'' کے اعتبار سے مقرر ہونا چاہیے یعنی آدھا آدھا یا تہائی دو تہائی وغیرہ، لہٰذا اگر اس کے برخلاف ''عدد'' مقرر ہوا مثلاً: یہ طے ہوا کہ ایک شخص کو دس ہزار روپے ملیں گے باقی دوسرے کا ہوگا، تو یہ جائز نہیں۔

☆ شرکتِ اعمال:

اس کو ''شرکت صنائع'' اور ''شرکت تقبل'' بھی کہتے ہیں، جیسے: دو درزی یا دو پنکچر لگانے والے آپس میں معاہدہ کر لیں کہ جس کے پاس جو کام آئے وہ اس کو قبول کر لے اور جو مزدوری ملے گی وہ آپس میں آدھی آدھی یا تہائی دو تہائی وغیرہ کے حساب سے تقسیم کر لیں گے تو یہ جائز ہے۔

مسئلہ ۱: جو کام ایک نے لے لیا وہ دونوں پر لازم ہو گیا، مثلاً: ایک شریک نے ایک کپڑا سینے کے لیے لیا تو کپڑے والا جس طرح اس سے کام کا مطالبہ کر سکتا ہے اسی طرح دوسرے شریک سے بھی کر سکتا ہے۔ اسی طرح جیسے کپڑا سینے والا اجرت کا مطالبہ کر سکتا ہے دوسرا بھی اجرت لے سکتا ہے اور جس طرح اصل کو اجرت دینے سے مالک سبکدوش ہو جاتا ہے اسی طرح اگر دوسرے شریک کو دے دی تو بھی بری الذمہ ہو جائے گا۔

☆ شرکتِ وجوہ:

یعنی شرکا کے پاس نہ مال ہے اور نہ کوئی پیشہ ہے، صرف آپس میں باہمی اتفاق سے یہ طے کیا کہ دکانداروں سے ادھار مال لے کر بیچا کریں گے۔ اس شرکت میں بھی ہر شریک دوسرے کا وکیل ہوگا اور جس تناسب سے شرکت ہوگی اسی تناسب سے نفع تقسیم ہوگا، یعنی اگر خریدی ہوئی چیزوں کو آدھے آدھے کے تناسب سے مشترک قرار دیا گیا تو نفع بھی آدھا آدھا تقسیم ہوگا اور اگر مال کو تہائی دو تہائی کے تناسب سے مشترک قرار دیا گیا تو نفع بھی اسی کے تناسب سے تقسیم ہوگا۔

چند مسائل:

مسئلہ ①: ایک آدمی مر گیا اور اس نے کچھ مال چھوڑا تو اس کا سارا مال تمام حقداروں میں مشترک ہے، جب تک سب سے اجازت نہ لے لے تب تک اس کو کوئی اپنے استعمال میں نہیں لا سکتا، اگر لائے گا اور نفع اٹھائے گا تو گناہ گار ہوگا۔

مسئلہ ②: دو آدمیوں نے مل کر کوئی چیز خریدی تو وہ چیز دونوں کے درمیان مشترک ہے، کسی ایک کے لیے دوسرے کی اجازت کے بغیر اس چیز کو استعمال کرنا یا بیچنا درست نہیں۔

مسئلہ ③: دو آدمیوں نے اپنے اپنے پیسے ملا کر مشترک طور پر امرود، نارنگی، بیر، آم، جامن، ککڑی، کھیرے، خربوزے وغیرہ کوئی چیز منگوائی۔ جب وہ چیز بازار سے آئی تو اس وقت ان میں سے ایک موجود ہے اور ایک کہیں گیا ہوا ہے تو اس صورت میں ایسا نہیں کرنا چاہیے کہ جو موجود ہے وہ آدھا حصہ لے لے اور آدھا اس کے لیے رکھ دے کہ جب آئے گا تو اپنا حصہ لے لے گا، بلکہ جب تک دونوں موجود نہ ہوں حصہ تقسیم کرنا درست نہیں۔ اگر جو موجود نہیں اس کے واپس آنے سے پہلے ہی دوسرا اپنا حصہ الگ کر کے کھا گیا تو گناہ ہوا، البتہ اگر گیہوں یا اور کوئی چیز مشترک طور پر منگوائی اور اپنا حصہ تقسیم کر کے رکھ لیا اور دوسرے کا اس کے واپس آنے کے وقت اس کو دے دیا تو یہ درست ہے، لیکن اس صورت میں اگر دوسرے کے حصہ کا اس کو دینے سے پہلے اس میں سے کچھ چوری وغیرہ ہوگئی تو وہ نقصان دونوں کا سمجھا جائے گا، یہ دوسرا پہلے والے کے حصہ میں شریک ہو جائے گا۔

مسئلہ ④: لاکھ لاکھ روپے ملا کر دو آدمیوں نے کوئی تجارت کی اور طے کیا کہ جو کچھ نفع ہوگا وہ دونوں کے درمیان آدھا آدھا تقسیم ہوگا تو یہ صحیح ہے اور اگر یہ کہا کہ دو حصے ہمارے اور ایک حصہ تمہارا تو بھی صحیح ہے، چاہے روپیہ دونوں کا برابر لگا ہو یا کم زیادہ لگا ہو، سب درست ہے۔

مسئلہ ⑤: شرکت کی ساری رقم کوئی مال وغیرہ خریدنے سے پہلے چوری ہوگئی یا دونوں کا روپیہ ابھی الگ الگ رکھا

تھا کہ کسی ایک کا مال چوری ہوگیا تو شرکت ختم ہوگئی، اب دوبارہ شرکت کا معاملہ کریں گے تو مشترک کاروبار کرسکیں گے۔

مسئلہ ۶: دو آدمیوں نے شرکت کی اور کہا کہ سو روپیہ ہمارا اور سو روپیہ اپنا ملا کر تم کپڑے کی تجارت کرو اور نفع آدھا آدھا تقسیم کرلیں گے، پھر دونوں میں سے ایک نے کچھ کپڑا خرید لیا اور دوسرے کے پورے سو روپے چوری ہوگئے تو جتنا مال خریدا ہے وہ دونوں کے درمیان مشترک ہے، اس لیے آدھی قیمت اس سے لے سکتا ہے۔

مسئلہ ۷: شرکت کے معاملہ میں یہ شرط لگائی کہ نفع میں سے دس روپے یا پندرہ روپے ہمارے ہیں، باقی جو کچھ نفع ہو وہ سب تمہارا ہے تو یہ درست نہیں۔

مسئلہ ۸: شرکت کے مال میں سے کچھ چوری ہوگیا تو دونوں کا نقصان ہوا، ایسا نہیں ہوگا کہ جو نقصان ہو وہ سارے کا سارا ایک ہی کے ذمہ ڈال دیا جائے۔ اگر کسی ایک شریک نے یہ طے بھی کرلیا کہ اگر نقصان ہوا تو وہ سب میرے ذمہ ہوگا اور جو نفع ہوا وہ آدھا آدھا تقسیم کرلیں گے تو یہ بھی درست نہیں۔

مسئلہ ۹: جب کسی وجہ سے شرکت ناجائز ہوگئی تو اب نفع تقسیم کرنے میں اس قول وقرار کا کوئی اعتبار نہیں جو شروع میں ہوا تھا، بلکہ اب نفع مال کے تناسب سے تقسیم ہوگا۔ اگر دونوں کا مال برابر ہے تو نفع بھی برابر ملے گا اور اگر برابر نہ ہو تو جس کا مال زیادہ ہے اس کو نفع بھی اس حساب سے ملے گا، چاہے شروع میں جو کچھ بھی طے کیا ہو۔ طے شدہ نفع کا اس وقت اعتبار ہوتا ہے جب شرکت صحیح ہو، ناجائز نہ ہو۔

مسئلہ ۱۰: دو آدمیوں نے آپس میں اس طرح شرکت کی کہ جو کچھ سینے پرونے کا کام آئے گا ہم دونوں مل کر کیا کریں گے اور سلائی وغیرہ کی جو اجرت ملے گی وہ آدھی آدھی تقسیم کرلیا کریں گے تو یہ شرکت درست ہے۔ اگر یہ طے کیا کہ دونوں مل کر سیا کریں گے اور نفع کے دو حصے ایک کے اور ایک حصہ دوسرے کا ہوگا تو بھی درست ہے اور اگر یہ طے کیا کہ سو یا دو سو ہمارے اور باقی سب تمہارا تو یہ درست نہیں۔

مسئلہ ۱۱: ان دونوں میں سے ایک آدمی نے کوئی کپڑا سینے کے لیے لے لیا تو دوسرا یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ کپڑا تم نے کیوں لیا، تم نے لیا ہے لہٰذا تم ہی سیو، بلکہ دونوں کے ذمہ اس کا سینا واجب ہوگیا، یہ نہ سی سکے تو وہ سی دے یا دونوں مل کر سییں، غرض یہ کہ سینے سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔

مسئلہ ۱۲: جس کا کپڑا تھا وہ مانگنے کے لیے آیا اور جس شریک نے لیا تھا وہ اس وقت نہیں ہے، بلکہ دوسرا شریک

ہے تو اس دوسرے شریک سے بھی مطالبہ کرنا درست ہے۔ وہ شریک یہ نہیں کہہ سکتا کہ میرا اس سے کیا تعلق ہے، جس کو دیا ہے اسی سے مانگو۔

مسئلہ (۱۳): اسی طرح ہر آدمی اس کپڑے کی مزدوری اور سلائی مانگ سکتا ہے، جس نے کپڑا دیا تھا وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں تمہیں سلائی نہیں دوں گا، بلکہ جس کو کپڑا دیا تھا اسی کو دوں گا، جب دونوں شرکت کے طور پر کام کرتے ہیں تو ہر ایک سلائی کا مطالبہ کرسکتا ہے، گاہک ان دونوں میں سے کسی ایک کو سلائی دے دے تو بھی بری الذمہ ہو جائے گا۔

مسئلہ (۱۴): دو آدمیوں نے اس طرح شرکت کا معاملہ کیا کہ دونوں مل کر جنگل سے لکڑیاں چن کر لائیں گے اور پھر آپس میں آدھی آدھی تقسیم کریں گے تو یہ شرکت صحیح نہیں، جو چیز جس کے ہاتھ میں آئے گی وہی اس کا مالک ہے، اس میں دوسرا شریک نہیں ہوگا۔

مسئلہ (۱۵): ایک نے دوسرے سے کہا: ”یہ انڈے لے کر اپنی مرغی کے نیچے رکھ دو، جو بچے نکلیں گے ہم دونوں آدھے آدھے تقسیم کرلیں گے“ تو یہ درست نہیں۔[1]

اضافہ

باپ اور بیٹوں کی مشترک کمائی:

باپ اور بیٹوں کے مشترک کاروبار کی صورت میں ساری کمائی باپ کی ملکیت شمار ہوتی ہے، لہٰذا باپ اپنی زندگی میں جو چاہے کرسکتا ہے اور اس کے مرنے کے بعد سارا مال شرعی ورثہ کے درمیان ان کے حصوں کے مطابق تقسیم ہوگا۔[2]

بھائیوں کی مشترک کمائی:

اگر کئی بھائی مشترک کاروبار کرتے ہوں اور ان کی ساری آمدنی مخلوط ہو تو ایسی صورت میں حاصل ہونے والی آمدنی میں سب

۱- اس لیے کہ اس نے دوسرے کی مرغی سے نفع حاصل کیا اور ایک جانب سے مال اور دوسری جانب سے مال کے بجائے محض نفع ہو تو ایسا عقد درست نہیں؛ لأن المنفعة کالعروض لاتصح فیها الشرکة. (شامیة: ۳۳٦/٤)

اسی طرح بعض علاقوں میں یہ دستور ہے کہ ایک شخص اپنا جانور دوسرے کو پالنے کے لیے دے دیتا ہے۔ وہ اس کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ جب جانور بڑا ہو جائے یا بچے دے تو دونوں آدھا آدھا تقسیم کرلیتے ہیں۔ شرعی اصول کی رُو سے یہ معاملہ بھی درست نہیں۔ اس کے جواز کی صورت یہ ہے کہ جانور کا مالک جانور پالنے والے کو آدھا جانور سستے داموں بیچ دے یا ہبہ کردے، اب پالنے والے کی محنت سے جو بھی اضافہ ہوگا دونوں برابر تقسیم کرسکتے ہیں۔

۲- إمداد المفتین: ۸۲۱، أحسن الفتاوی: ۳۹۳/٦

بھائی برابر کے شریک ہوں گے۔ اگرچہ بظاہر بعض بھائی زیادہ ہوشیار اور تجربہ کار ہونے کی وجہ سے نسبتاً زیادہ کماتے ہوں۔[1]

شریک کو ملازم رکھنا:

کاروبار میں شریک شخص کو ملازم رکھنا جائز ہے۔[2]

مشترکہ زمین میں ایک شریک کا درخت لگانا:

مشترک زمین میں ایک شریک نے درخت لگا دیے تو درختوں کا مالک صرف لگانے والا ہے، باقی شرکاء مالک نہیں، البتہ شرکاء کو یہ حق حاصل ہے کہ زمین کو تقسیم کر کے درخت لگانے والے سے مطالبہ کریں کہ ہمارے حصے کی زمین سے درخت اکھاڑ دے، نیز درخت لگانے سے اگر زمین کو کوئی نقصان پہنچا ہو تو شرکاء اس زمین کے نقصان کی تلافی بھی اس سے لے سکتے ہیں۔[3]

۱- إمداد الأحكام: ۳/۱۵۰، أحسن الفتاوى: ۶/۱۹۳

۲- أحسن الفتاوى: ۷/۳۲۱

۳- إمداد الأحكام: ۳/۳۸۹، أحسن الفتاوى: ۶/۳۹۹

مشارکہ کا تصور*

''مشارکہ'' ایک ایسی اصطلاح ہے جس کا اسلامی طریقہ ہائے تمویل (Modes of Financing) کے سیاق وسباق میں بکثرت حوالہ آتا رہتا ہے۔ اس اصطلاح کا مروّجہ مفہوم ''شرکت'' کی اصطلاح سے ذرا محدود ہے جو عام طور پر اسلامی فقہ کی کتابوں میں استعمال ہوتی ہے، ان دونوں کے بنیادی تصور کو ظاہر کرنے کے لیے شروع ہی میں یہ مناسب ہے کہ دونوں اصطلاحوں کی اس انداز سے تشریح کر دی جائے کہ یہ ایک دوسرے سے ممتاز ہو سکیں۔

شرکت کی تعریف واقسام

اسلامی فقہ میں ''شرکۃ'' کا معنی ہے ''حصہ دار بننا''۔ فقہ میں اس کی دو قسمیں کی جاتی ہیں:

(۱) شرکۃ الملک:

اس کا معنی ہے کہ دو یا زیادہ آدمیوں کی ایک ہی چیز میں مشترکہ ملکیت ہو۔ ''شرکۃ'' کی یہ قسم دو مختلف طریقوں سے وجود میں آتی ہے۔ کبھی تو یہ شرکت متعلقہ فریقوں (شرکاء) کے اپنے اختیار سے عمل میں آتی ہے۔ مثال کے طور پر دو شخص مل کر کوئی سامان خریدتے ہیں۔ یہ سامان مشترکہ طور پر دونوں کی ملکیت میں ہوگا اور اس مشترک چیز کے حوالے سے ان دونوں کے درمیان جو تعلق قائم ہوا ہے یہ ''شرکۃ الملک'' کہلاتا ہے۔ یہاں پر ان دونوں کے درمیان یہ تعلق دونوں کی اپنی مرضی سے وجود میں آیا ہے، اس لیے کہ ان دونوں نے خود اسے مشترکہ طور پر خریدنے کی راہ منتخب کی ہے۔

لیکن بعض صورتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن میں شرکا کے کسی عمل کے بغیر ہی شرکت خود بخود عمل میں آجاتی ہے، مثلاً: کسی شخص کے مرنے کے بعد اس کی ساری کی ساری مملوکہ چیزیں اس کی موت کے نتیجے میں خود بخود اس کے وارثوں کی مشترکہ ملکیت میں آجاتی ہیں۔

---

* ۔شرکت کے عنوان کے تحت ''اضافہ'' سے پہلے کے مسائل بہشتی زیور کے ہیں، اضافے کے چند مسائل دیگر کتب فتاویٰ سے لیے گئے ہیں، جبکہ ذیل میں آنے والے مسائل مولانا مفتی محمد تقی عثمانی کی کتاب ''اسلامی بینکاری کی بنیادیں'' سے لیے گئے ہیں۔ یہ مسائل بھی شرکت ہی کے ہیں لیکن ان میں ایک نئی اصطلاح ''مشارکہ'' بھی شامل ہے اور شرکت کے مسائل کی تشریح دورِ حاضر کے مسائل کی روشنی میں کی گئی ہے۔ افادۂ عام کی خاطر یہ اضافہ شاملِ اشاعت کیا گیا۔ شرکت کے علاوہ مرابحہ، مضاربہ، اجارہ، سلم اور استصناع میں بھی مذکورہ کتاب کے اقتباسات شامل کیے گئے ہیں اور متعلقہ مقامات پر اس کی وضاحت کر دی گئی ہے۔

(۲) شرکۃ العقد :

یہ شرکت کی دوسری قسم ہے،اس سے مراد ہے وہ شراکت ہے جو باہمی معاہدہ سے عمل میں آئے۔اختصار کی خاطر ہم اس کا ترجمہ Joint Commercial Enterprise (مشترکہ کاروباری ادارہ) کر سکتے ہیں۔

شرکۃ العقد کی آگے پھر تین قسمیں ہیں:

۱- شرکۃ الاموال:

جس میں شرکا مشترکہ کاروبار میں اپنا اپنا کچھ سرمایہ لگاتے ہیں۔

۲- شرکۃ الاعمال :

جس میں شرکا مشترکہ طور پر گاہکوں کو چند خدمات مہیا کرنے کی ذمہ داری قبول کرتے ہیں اور ان سے وصول ہونے والی فیس (اجرت) آپس میں پہلے سے طے شدہ تناسب سے تقسیم ہو جاتی ہے۔مثلاً: دو آدمی اس بات پر اتفاق کر لیتے ہیں کہ وہ اپنے گاہکوں کو خیاطی کی خدمات فراہم کریں گے اور یہ شرط بھی طے کر لیتے ہیں کہ اس طرح حاصل ہونے والی اجرتیں ایک مشترکہ کھاتے میں جمع ہوتی رہیں گی اور دونوں کے درمیان تقسیم کی جائیں گی، قطع نظر اس سے کہ دونوں شرکاء کا کیا ہوا کام حقیقتاً کتنا ہے؟ یہ شرکۃ الاعمال کہلائے گی، اسے شرکۃ التقبل، شرکۃ الصنائع اور شرکۃ الابدان بھی کہہ دیا جاتا ہے۔

(۳) شرکۃ الوجوہ :

شرکت کی تیسری قسم شرکۃ الوجوہ ہے۔اس شرکت میں شرکاء کسی قسم کی بھی سرمایہ کاری نہیں کرتے، وہ بس اتنا ہی کرتے ہیں کہ اشیائے تجارت ادھار قیمت پر خرید کر نقد قیمت پر بیچ دیتے ہیں۔جو نفع حاصل ہوتا ہے وہ پہلے سے طے شدہ تناسب سے تقسیم کر لیا جاتا ہے۔

شراکت کی ان تینوں صورتوں کو اسلامی فقہ کی اصطلاح میں "شرکۃ" کہا جاتا ہے جبکہ "مشارکہ" کی اصطلاح فقہ کی کتابوں میں نہیں ملتی۔یہ اصطلاح ان حضرات نے آج کل متعارف کرائی ہے جنہوں نے اسلامی طریقہ ہائے تمویل پر لکھا ہے اور یہ اصطلاح عموماً "شرکۃ" کی اس خاص قسم تک محدود ہوتی ہے جسے شرکۃ الاموال کہا جاتا ہے۔جہاں دو یا زیادہ افراد کسی مشترکہ کاروباری مہم میں اپنا اپنا سرمایہ لگاتے ہیں۔تاہم بعض اوقات یہ اصطلاح (مشارکہ) شرکۃ الاعمال کو بھی شامل ہوتی ہے جبکہ شراکت، خدمات (Services) کے کاروبار میں وجود میں آئے۔

مذکورہ گفتگو سے یہ بات واضح ہوگئی ''شرکۃ'' کی اصطلاح ''مشارکہ'' کے اس مفہوم سے وسیع معنی رکھتی ہے جس کے لیے یہ لفظ (مشارکہ) آج کل استعمال ہو رہا ہے۔ مشارکہ کا مفہوم شرکۃ الاموال تک ہی محدود ہے، جبکہ شرکۃ کا لفظ مشترک ملکیت اور شراکت داری کی ساری صورتوں کو شامل ہے۔

چونکہ مشارکہ ہمارے موضوع بحث سے زیادہ متعلق ہے اور مشارکہ تقریباً شرکۃ الاموال ہی کا مترادف ہے اس لیے اب ہم اپنی گفتگو اسی پر مرکوز کرتے ہوئے شرکت کی اس قسم کے روایتی تصور کی تشریح کریں گے۔

مشارکہ کے بنیادی قواعد

۱- مشارکہ یا شرکۃ الاموال ایک ایسا تعلق ہے جو متعلقہ فریقوں کے باہمی معاہدے سے قائم ہوتا ہے، اس لیے یہ بات بتانے کی ضرورت نہیں کہ کسی عقد کے صحیح ہونے کے لیے جو لوازم ہوتے ہیں ان کا یہاں پایا جانا بھی ضروری ہے۔ مثال کے طور پر دونوں پارٹیوں میں عقد کرنے کی اہلیت بھی ہو (ان میں سے کوئی مجنون وغیرہ نہ ہو) یہ عقد کسی دباؤ، دھوکہ دہی اور غلط بیانی کے بغیر فریقین کی آزادانہ مرضی سے مکمل ہونا چاہیے، وغیرہ وغیرہ۔ البتہ کچھ ایسے لوازم بھی ہیں جو ''مشارکہ'' کے معاہدے کے ساتھ ہی خاص ہیں، ان پر یہاں مختصراً روشنی ڈالی جاتی ہے۔

منافع کی تقسیم:

۲- شرکاء میں تقسیم ہونے والے منافع کی شرح معاہدے کے نافذ العمل ہونے کے وقت طے ہو جانی چاہیے، اگر اس طرح شرح منافع طے نہ کی گئی تو عقد شرعاً درست نہیں ہوگا۔

۳- ہر شریک کے نفع کی شرح کاروبار میں حقیقتاً ہونے والے نفع کی نسبت سے طے ہونی چاہیے، اس کی طرف سے کی جانے والی سرمایہ کاری کی نسبت سے نہیں۔ یہ جائز نہیں ہے کہ کسی شریک کے لیے کوئی لگی بندھی مقدار مقرر کر لی جائے یا نفع کی ایک شرح طے کر لی جائے جو اس کی طرف سے لگائے گئے سرمائے سے منسلک ہو (یعنی کسی شریک کے بارے میں یہ طے کرنے کی بجائے کہ حقیقی منافع کا اتنا فیصد لے گا، یہ طے کر لینا کہ وہ اپنی لگائی ہوئی رقم کا اتنا فیصد لے گا، جائز نہیں ہے)

لہٰذا اگر ''الف اور ''ب'' ایک شراکت کرتے ہیں اور یہ طے کر لیا جاتا ہے کہ ''الف'' ماہانہ دس ہزار روپیہ نفع میں سے اپنے

حصہ کے طور پر لے گا اور باقی ماندہ سارا نفع ''ب'' کا ہوگا تو یہ شرکت شرعاً صحیح نہیں ہوگی، اسی طرح اگر اس بات پر اتفاق کر لیا جاتا ہے کہ ''الف'' اپنی سرمایہ کاری کا پندرہ فیصد بطورِ منافع وصول کرے گا تو بھی یہ عقد صحیح نہیں ہوگا۔ نفع تقسیم کرنے کی صحیح بنیاد یہ ہے کہ کاروبار کو حاصل ہونے والے حقیقی نفع کا فیصد طے کیا جائے۔

اگر کسی شرکت کے لیے کوئی لگی بندھی رقم یا اس کی سرمایہ کاری کا متعین فیصدی حصہ طے کیا جاتا ہے تو معاہدے میں اس بات کی بھی اچھی طرح تصریح ہونی چاہیے کہ یہ مدت کے اختتام پر ہونے والے آخری حساب کتاب کے تابع ہوگا، اس طرح سے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ کوئی بھی حصہ دار اپنی جتنی رقم نکلوائے گا اس کے ساتھ جزوی اور ضمنی ادائیگی Payment on Account والا معاملہ کیا جائے گا اور اسے اس حقیقی نفع میں ایڈجسٹ کر لیا جائے گا جس کا وہ مدت کے اختتام پر مستحق ہوگا، اگر کاروبار میں کوئی نفع ہوا ہی نہیں یا توقع اور اندازے سے کم ہوا ہے تو اس شریک نے جو رقم نکلوائی ہے وہ واپس کرنا ہوگی۔

نفع کی شرح:

۴- کیا یہ ضروری ہے کہ ہر شریک کے لیے طے کیا جانے والے نفع کا تناسب اس کی طرف سے لگائے گئے سرمایہ کے تناسب کے مطابق ہو؟ اس سوال کے بارے میں مسلم فقہاء کے مختلف نکتہ ہائے نظر ہیں۔

امام مالک اور امام شافعی کے مذہب کے مطابق ''مشارکہ'' کے صحیح ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہر شریک اپنی سرمایہ کاری کے تناسب کے بالکل مطابق ہی نفع حاصل کرے، لہٰذا اگر ''الف'' کی طرف سے لگایا گیا سرمایہ کل سرمایہ کا چالیس فیصد ہے تو وہ کل نفع کا بھی چالیس فیصد ہی لے گا، ہر ایسا معاہدہ جس کی رُو سے وہ چالیس فیصد سے کم یا اس سے زیادہ نفع کا مستحق بنتا ہے مشارکہ کو شرعاً غیر صحیح بنا دے گا۔

اس کے برعکس امام احمد کا مذہب یہ ہے کہ نفع کا تناسب سرمایہ کاری کے تناسب سے مختلف ہو سکتا ہے، اگر یہ بات حصہ داروں کے درمیان آزاد مرضی سے طے پا جائے، لہٰذا یہ جائز ہے کہ جس کی سرمایہ کاری چالیس فیصد ہے وہ ساٹھ یا ستر فیصد نفع لے لے جبکہ ساٹھ فیصد سرمایہ کاری والا نفع کا تیس یا چالیس فیصد لے۔

تیسرا نقطہ نظر وہ ہے جو امام ابو حنیفہ کی طرف سے پیش کیا گیا ہے جسے پہلے ذکر کردہ دو نقطہ ہائے نظر کے درمیان ایک متوسط راہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ عام حالات میں تو نفع کا تناسب سرمایہ کاری کے تناسب سے مختلف ہو سکتا ہے لیکن اگر کوئی شریک معاہدے میں یہ صریح شرط لگا دیتا ہے کہ وہ ''مشارکہ'' کے لیے کوئی کام نہیں کرے گا اور مشارکہ

کی پوری مدت کے دوران وہ غیر عامل حصہ دار (Sleeping Partner) رہے گا تو نفع میں اس کے حصے کا تناسب اس کی سرمایہ کاری کے تناسب سے زیادہ نہیں ہوسکتا۔

نقصان میں شرکت:

لیکن نقصان کی صورت میں تمام فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ ہر شریک اپنی سرمایہ کاری کی نسبت ہی سے نقصان برداشت کرے گا، لہٰذا اگر ایک حصہ دار نے چالیس فیصد سرمایہ لگایا ہے تو اسے لازماً خسارے کا بھی چالیس فیصد ہی برداشت کرنا ہوگا، اس سے کم یا زیادہ نہیں، اس کے خلاف معاہدے میں جو شرط بھی لگائی جائے گی اس سے معاہدہ غیر صحیح ہوجائے گا۔ اس اصول پر (کہ نقصان سرمایہ کاری کی نسبت سے برادشت کرنا ہوگا) فقہاء کا اجماع ہے۔

لہٰذا امام شافعی رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک ہر شریک کا نفع یا نقصان دونوں میں حصہ اس کی سرمایہ کاری کے تناسب کے مطابق ہونا ضروری ہے لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک نفع کی نسبت تو شرکاء کے درمیان طے شدہ معاہدے کے مطابق سرمایہ کاری کے تناسب سے مختلف ہوسکتی ہے لیکن نقصان حصہ داروں میں سے ہر ایک کی سرمایہ کاری کے تناسب سے تقسیم ہونا چاہیے۔ یہ اصول ایک مشہور فقہی مقولہ (Maxim) میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

" الربح علی ما اصطلحا علیه والوضیعة علی قدر المال ."

''نفع فریقین میں طے پانے والی نسبت پر مبنی ہوگا اور خسارہ رأس المال کے مطابق۔''

سرمایہ کی نوعیت

اکثر فقہاء اس بات کے قائل ہیں کہ ہر حصہ دار کی طرف سے لگایا جانے والا سرمایہ سیال (Liquid) شکل میں ہونا چاہیے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ مشارکہ کا معاہدہ زر (Money) میں ہونا چاہیے، تاہم اس مسئلے میں فقہاء کے مختلف نکتہ ہائے نظر موجود ہیں:

۱- امام مالک کے نزدیک سرمایہ کا نقد شکل میں ہونا مشارکہ کے صحیح ہونے کے لیے شرط نہیں ہے۔ اس لیے یہ جائز ہے کہ کوئی شریک مشارکہ میں اپنا حصہ اشیاء کی شکل میں ڈالے لیکن اس صورت میں شریک کے حصے کا تعین تاریخ معاہدہ کے مارکیٹ ریٹ کے مطابق قیمت لگا کر کیا جائے گا۔ بعض حنبلی فقہاء نے بھی اسی نقطہ نظر کو اختیار کیا ہے۔

۲- امام ابوحنیفہ اور امام احمد کے نزدیک غیر نقد اشیاء کی شکل میں کوئی حصہ قابل قبول نہیں ہے، ان کا یہ مذہب دو

دلیلوں پر مبنی ہے۔

ان کی پہلی دلیل یہ ہے کہ ہر شریک کی اشیاء دوسرے کی اشیاء سے ہمیشہ ممتاز اور الگ ہوتی ہیں، مثال کے طور پر ''الف'' نے ایک موٹر کار کاروبار میں شریک کی ہے اور ''ب'' بھی ایک اور موٹر کار کاروبار میں شریک کرنے کے لیے لے آتا ہے، ان میں سے ہر ایک کی کار اس کی انفرادی اور ذاتی ملکیت ہے، اب اگر ''الف'' کی کار (کاروبار میں شامل ہونے کے بعد) بیچ دی جاتی ہے تو بیچ کے تمام حقوق ''الف'' ہی کی طرف لوٹیں گے۔ ''ب'' کو اس کی قیمت میں سے کسی حصے کے مطالبہ کا حق نہیں ہے، لہٰذا چونکہ ہر شریک کی ملکیت دوسرے سے الگ ہے اس لیے کوئی شرکت وجود میں نہیں آئے گی، اس کے برعکس اگر ہر ایک کی طرف سے لگایا گیا سرمایہ نقود کی شکل میں ہے تو ہر حصہ دار کا حصہ دوسرے سے الگ نہیں ہوگا، اس لیے کہ زر کی اکائیاں قابل تعیین نہیں ہوتیں، اس لیے نقود کے بارے میں یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ وہ ایک مشترکہ حوض (Common Pool) تشکیل دے جس سے شراکت وجود میں آسکے۔

یہ حضرات دوسری دلیل دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مشارکہ کے معاہدہ میں بعض ایسے حالات بھی پیدا ہو جاتے ہیں جبکہ لگا ہوا سرمایہ تمام حصہ داروں میں دوبارہ تقسیم کرنا پڑ جاتا ہے، اگر لگایا ہوا سرمایہ غیر نقد اشیاء کی شکل میں ہوگا تو دوبارہ تقسیم ممکن نہ ہوگی اس لیے کہ ہوسکتا ہے کہ ان اشیاء کو اس وقت بیچا جا چکا ہو۔ اب اگر سرمایہ ان اشیاء کی قیمت کی بنیاد پر واپس کیا جاتا ہے تو ہوسکتا ہے کہ (بعض اشیاء کی قیمتیں) بڑھ چکی ہوں، تو یہ امکان موجود ہے کہ ایک شریک کاروبار کا پورا نفع لے جائے اور دوسرے شریک کے لیے کچھ بھی نہ بچے، اس لیے کہ قیمت انہی اشیاء کی بڑھی ہے جو اس نے شریک کی تھیں، اس کے برعکس اگر ان اشیاء کی قیمتیں گر جاتی ہیں تو یہ امکان موجود ہے کہ ایک شریک اپنی سرمایہ کاری واپس لینے کے علاوہ دوسرے شریک کی اصل قیمت کا کچھ حاصل کر لے۔[1]

۱- مثلاً زید اور بکر کی کار کی قیمت ایک ایک لاکھ روپے تھی، نفع پچاس ہزار ہوا، اب کل مال ڈھائی لاکھ روپے ہے، اسے دونوں میں تقسیم کرنے کے لیے ان کے راس المال کو بنیاد بنایا جائے گا، جو ان اشیاء کی موجودہ قیمت ہی ہوسکتا ہے، راس المال کو تقسیم کرنے کے بعد جو نفع بچے گا وہ دونوں کو دیا جائے گا، اب مثلاً زید کی کار کی قیمت پچاس ہزار بڑھ گئی تو اس کا راس المال ڈیڑھ لاکھ اور دوسرے کا ایک لاکھ تصور کیا جائے گا، گویا کہ ان کے سرمایہ میں ایک اور ڈیڑھ کی نسبت ہے لہٰذا کل مال اسی تناسب سے تقسیم ہوگا۔ زید ڈیڑھ لاکھ لے لے گا اور بکر ایک لاکھ، اس کے لیے نفع میں سے کچھ نہیں بچے گا اور اگر اس صورت میں زید کی کار کی قیمت مثلاً پچاس ہزار گر جائے تو کل ڈھائی لاکھ میں سے زید کا راس المال پچاس ہزار اور بکر کا ایک لاکھ ہے اور نفع ایک لاکھ ہے، دونوں کے راس المال کا تناسب دو اور ایک کا ہے، لہٰذا کل رقم اسی تناسب سے تقسیم ہوگی اور اس کے تین حصے کر کے زید کو ایک تہائی یعنی 83,333 روپے اور بکر کو 1,66,666 روپے ملیں گے، اس صورت میں بکر زید کے اصل راس المال سے 16,667 روپے لے گیا، پس معلوم ہوا کہ اشیاء کو راس المال بنا کر شرکت کرنے سے بعض صورتوں میں ظلم لازم آنے کا امکان ہے۔

۳- امام شافعی رحمہ اللہ نے مذکورہ بالا دونوں آرا کے درمیان میں ایک متوسط نکتہ نظر اختیار کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ اشیاء دو قسم کی ہوتی ہیں:

ا۔ ذوات الامثال: یعنی وہ اشیاء جو اگر ضائع ہو جائیں تو ان کا تاوان ایسی چیز کے ساتھ دیا جا سکے جو معیار اور مقدار میں ہلاک ہونے والی جیسی ہے، جیسے: گندم، چاول وغیرہ۔ اگر سو کلو گندم ضائع ہو جائے تو آسانی سے اسی معیار کی سو کلو گندم دی جا سکتی ہے۔

ب۔ ذوات القیمۃ: یعنی وہ اشیاء جن کے ضائع ہونے کی صورت میں اسی جیسی اشیاء کے ساتھ تاوان ادا نہ کیا جا سکے، جیسے: حیوانات، مثال کے طور پر بکریوں کا ہر فرد اپنی الگ خصوصیات رکھتا ہے جو دوسرے میں نہیں پائی جاتیں، اس لیے اگر کوئی شخص کسی کی بکریاں ہلاک کر دیتا ہے تو اسی جیسی بکریاں دے کر تاوان ادا نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس کی جگہ ان بکریوں کی قیمت ادا کرنا ہوگی۔

اب امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پہلی قسم کی اشیاء (یعنی ذوات الامثال) کو مشارکہ میں کسی حصہ کے طور پر شامل کیا جا سکتا ہے جبکہ دوسری قسم کی اشیاء (یعنی ذوات القیم) شیئر کیپٹل کا حصہ نہیں بن سکتیں۔

ذوات الامثال اور ذوات القیم میں اس فرق کے ذریعے امام شافعی رحمہ اللہ نے غیر نقد اشیاء کے ذریعے شراکت پر دوسرے اعتراض کا حل پیش کر دیا ہے جو امام احمد کی طرف سے اٹھایا گیا تھا، اس لیے کہ ذوات الامثال کی صورت میں سرمایہ کی دوبارہ تقسیم اس طرح کی جا سکتی ہے کہ ہر شریک کو اسی طرح کی اشیاء لوٹا دی جائیں جو اس نے کاروبار میں لگائی تھیں۔ تاہم پہلے اعتراض کا ابھی تک امام شافعی رحمہ اللہ کی طرف سے کوئی جواب نہیں دیا گیا۔

اس اشکال کو حل کرنے کے لیے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ اشیاء جو ذوات الامثال میں داخل ہیں وہ مشترکہ سرمایہ کا حصہ اس صورت میں بن سکتی ہیں جبکہ ہر حصہ دار کی طرف سے لگائی گئی اشیاء کو آپس میں اس طرح ملا لیا جائے کہ ہر شریک کی اشیاء دوسرے سے ممتاز نہ ہو سکیں۔

حاصل یہ کہ اگر کوئی شریک کسی مشارکہ میں غیر نقد اشیاء کو شامل کر کے حصہ لینا چاہتا ہے تو امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب کے مطابق وہ بغیر کسی رکاوٹ کے ایسا کر سکتا ہے اور مشارکہ میں اس کے حصہ کی تعیین مشارکہ وجود میں آنے کی تاریخ کو ان اشیاء کی مروّجہ بازاری قیمت کی بنیاد پر کی جائے گی۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ایسا صرف اس صورت میں کیا جا سکتا ہے

جبکہ وہ غیر نقد چیز ذوات الامثال میں سے ہو۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کے مطابق اگر وہ چیز ذوات الامثال میں سے ہے تو ایسا صرف اس صورت میں کیا جاسکتا ہے جبکہ تمام شرکاء کی اشیاء آپس میں خلط ملط کر لی جائیں اور اگر وہ غیر نقد اشیاء ذوات القیم میں سے ہوں تو وہ شراکت میں شامل سرمایہ کا حصہ نہیں بن سکتیں۔

بظاہر امام مالک رحمہ اللہ کا نکتۂ نظر زیادہ سہل اور معقول معلوم ہوتا ہے اور یہ جدید کاروبار کی ضرورتوں کو پورا کرتا ہے اس لیے اس پر عمل کیا جاسکتا ہے۔

مذکورہ بالا بحث سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ مشارکہ میں لگایا جانے والا سرمایہ نقد شکل میں بھی ہوسکتا ہے اور غیر نقد اشیاء کی شکل میں بھی، دوسری صورت میں راس المال میں اس شریک کے حصہ کا تعین غیر نقد اشیاء کی بازاری قیمت کے ذریعے کیا جائے گا۔

کتاب الوقف

(وقف کے احکام)

مسئلہ ①: اپنی کوئی جائیداد جیسے مکان، باغ، گاؤں وغیرہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں فقیروں، مسکینوں، غریبوں کے لیے وقف کردی کہ اس گاؤں کی ساری آمدنی فقیروں محتاجوں پر خرچ کردی جائے یا باغ کا سارا پھل غریبوں کو دیدیا جائے یا اس مکان میں مسکین لوگ رہا کریں تو اس کا بڑا ثواب ہے۔ نیک کام مرنے کے بعد ختم ہوجاتے ہیں، لیکن یہ ایسا نیک کام ہے کہ جب تک وہ جائیداد باقی رہے گی اور مستحقین کو سہولت اور فائدہ ملتا رہے گا، مسلسل قیامت تک اس کا ثواب ملتا رہے گا۔

مسئلہ ②: اگر اپنی کوئی چیز وقف کرنا ہو تو کسی اچھے دیانت دار آدمی کو متولی بنا کر اس کے سپرد کردے کہ وہ اس کی دیکھ بھال کرے تاکہ جس کام کے لیے وقف کیا ہے اسی میں خرچ ہوا کرے، کہیں بے جا خرچ نہ ہونے پائے۔

مسئلہ ③: جس چیز کو وقف کردیا اب وہ چیز اس کی نہیں رہی، اللہ تعالیٰ کی ہوگئی، اب اسے کسی کو بیچنا درست نہیں۔ اب اس میں کوئی شخص اپنا دخل نہیں دے سکتا، جس کام کے لیے وقف ہے وہی کام اس سے لیا جائے گا اور کچھ نہیں ہوسکتا۔

مسئلہ ④: مسجد کی کوئی چیز جیسے: اینٹ، گارا، چونا، لکڑی، پتھر وغیرہ اپنے استعمال میں لانا درست نہیں، چاہے کتنی ہی ناکارہ ہوگئی ہو، بلکہ اس کو بیچ کر مسجد ہی میں لگا دینا چاہیے۔[1]

مسئلہ ⑤: وقف میں یہ شرط لگانا بھی درست ہے کہ جب تک میں زندہ ہوں اس وقف کی آمدنی کا کل یا بعض حصہ اپنے خرچ میں لایا کروں گا، پھر میرے بعد فلاں کارِ خیر میں خرچ ہوا کرے، اگر یوں کہہ دیا تو اتنی آمدنی لینا اس کے لیے جائز اور حلال ہے اور یہ بڑا آسان طریقہ ہے کہ اس میں اپنے آپ کو بھی کسی طرح کی تکلیف اور تنگی ہونے کا اندیشہ نہیں اور جائیداد بھی وقف ہوجائے گی۔ اسی طرح اگر یہ شرط رکھے کہ پہلے اس کی آمدنی میں سے میری اولاد کو اتنا دے دیا جایا کرے، پھر جو بچے وہ اس نیک کام میں خرچ ہوجائے، یہ بھی درست ہے اور اولاد کو اتنا دیا جائے گا جتنا اس نے مقرر کیا۔

۱- اس کی کچھ تفصیل دو صفحے بعد آرہی ہے۔

اضافہ

مسجد کب شرعی مسجد ہو جاتی ہے؟

حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مسجد کا وقف صحیح ہونے کے لیے صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے:" جعلته مسجداً " یعنی میں نے اس کو مسجد بنا دیا۔ فتویٰ اسی قول پر ہے۔[1]

مسجد یا مدرسہ سے قرآن منتقل کرنا:

اگر واقف نے خاص مسجد یا خاص مدرسہ کے لیے قرآن یا کتاب کو وقف کیا ہے تو دوسری جگہ منتقل کرنا جائز نہیں۔[2]

قبرستان کے درختوں کا پھل:

اگر واقف نے صرف زمین وقف کی ہو، درخت وقف نہ کیے ہوں تو وہ درخت اسی کی ملک ہیں، اس کی اجازت کے بغیر ان کی کوئی چیز استعمال کرنا جائز نہیں، مگر اس کو مجبور کیا جائے گا کہ ان درختوں کو اکھاڑ کر قبرستان کی زمین فارغ کر دے۔

اگر واقف نے زمین کے ساتھ درخت بھی وقف کیے ہیں تو جو وقف کا مصرف ہے وہی ان درختوں اور ان کے پھلوں کا بھی ہے۔[3]

قبرستان کے درخت کاٹنا:

جن درختوں کے متعلق لوگوں کا شرکیہ عقیدہ ہو کہ یہ فلاں بزرگ یا فلاں پیر صاحب کے درخت ہیں، جو انہیں ہاتھ لگائے گا اس پر آفت آجائے گی، ان کا کاٹنا عقیدۂ شرکیہ کے خاتمے کے لیے ضروری ہے، مگر انہیں فروخت کر کے ان کی قیمت اسی قبرستان پر خرچ کی جائے، اگر اس قبرستان میں کوئی مصرف نہ ہو تو دوسرے کسی قریب تر قبرستان پر لگائی جائے۔

یہ حکم اس وقت ہے کہ درخت خودرو ہوں، اگر کسی شخص نے لگائے ہوں تو وہ اسی کی ملک ہوں گے۔[4]

۱- ردالمحتار : ٦/٥٤٧ بیروت ، أحسن الفتاوی : ٦/١٩٣

۲- أحسن الفتاوی : ٦/٤٠٧

۳- أحسن الفتاوی : ٦/٤١٨

٤- أحسن الفتاوی : ٦/٤١٨

مسجد کے لیے وصیت کی رقم مدرسہ پر خرچ کرنا:

اگر کسی نے وصیت کی کہ مثلاً میرا مکان میرے مرنے کے بعد مسجد میں دے دینا تو وصیت کے مطابق مسجد ہی کو دینا ضروری ہے، مدرسہ میں دینا جائز نہیں۔[۱]

وارثوں کے ضرورت مند ہوتے ہوئے وقف کرنا:

اگر کسی کے ورثہ محتاج ہوں اور وہ انہیں محروم کر کے اپنی جائیداد وغیرہ وقف کر دے تو وقف کرنے والا گناہ گار ہوگا، البتہ وقف بہر حال نافذ ہے۔[۲]

وقف کی زمین بدلنا:

وقف زمین کو فروخت کرنا جائز نہیں، اگرچہ اس غرض سے ہو کہ اس کے بدلہ اس سے عمدہ اور زیادہ جائیداد وقف کر دی جائے۔[۳]

مسجد کے نیچے دکانیں بنانا:

زمین کے جتنے حصے کو ایک بار شرعی مسجد بنا دیا گیا ہو اس کے اندر اور اوپر نیچے دکانیں وغیرہ بنانا جائز نہیں، البتہ اگر مسجد شرعی قرار دینے سے پہلے مسجد کے نیچے دکانیں یا مسجد کے لیے کوئی اور چیز بنانا طے کر لیا گیا ہو اور اس کی عام اطلاع بھی کر دی گئی ہو یا تحریر لکھ لی گئی ہو تو جائز ہے بشرطیکہ یہ دکانیں مسجد کے مصارف کے لیے وقف ہوں۔[٤]

ایک مسجد کا سامان دوسری میں منتقل کرنا:

مسجد کا سامان دو قسم کا ہوتا ہے:

۱- ایک وہ سامان جس کا تعلق مسجد کی تعمیر کے ساتھ ہو، جیسے: اینٹیں، گارڈر، دروازے وغیرہ اسے ''انقاض المسجد'' کہا جاتا ہے۔ ایسے سامان کا حکم یہ ہے کہ اگر مسجد آباد ہے اور اس میں نماز پڑھی جاتی ہے تو اس مسجد کا سامان دوسری مسجد کی طرف منتقل کرنا جائز نہیں، ان کو بیچ کر ان کی قیمت اس مسجد میں صرف کی جائے، البتہ اگر مسجد غیر آباد ہو جائے کہ کوئی بھی اس

١- أحسن الفتاوى: ٦/٤٢١

٢- از أحسن الفتاوى: ٦/٤٢٢

٣- عزيز الفتاوى: ٥٩٣، أحسن الفتاوى: ٦/٤٢٠

٤- إمداد الفتاوى: ٢/٦٨١، إمداد المفتين: ٦٧٤، إمداد الأحكام: ٣/٢٣٢، أحسن الفتاوى: ٦/٤٤٤

میں نماز نہیں پڑھتا، مثلاً: مسجد کے گرد و نواح کے لوگ وہ علاقہ چھوڑ کر کسی دوسری جگہ جا بسے ہوں جس کی وجہ سے مسجد بالکل ویران ہوگئی ہو تو ایسی حالت میں اس مسجد کی اینٹیں، گارڈر اور دروازے وغیرہ جماعۃ المسلمین کے متفقہ فیصلہ سے دوسری مسجد کی طرف منتقل کیے جاسکتے ہیں۔

۲۔ مسجد کا دوسری قسم کا سامان وہ ہے جس کا مسجد کی تعمیر میں کوئی دخل نہیں، جیسے: چٹائی اور فانوس وغیرہ اسے "آلاتِ مسجد" کہا جاتا ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس مسجد میں ضرورت نہیں تو اسے دوسری مسجد کو دینا جائز ہے، بشرطیکہ واقف بھی اجازت دے، اس لیے کہ ایسی صورت میں اس قسم کا سامان واقف کی ملکیت میں واپس آجاتا ہے، لہٰذا واقف کی اجازت ضروری ہے۔[1]

مسجد میں آتے جاتے سلام کرنا:

مسجد میں آنے والے لوگ عموماً ذکر و تسبیح یا نماز میں مشغول ہوتے ہیں، اس لیے ان کو سلام کہنا جائز نہیں اور ایسے سلام کا جواب بھی واجب نہیں۔[2]

البتہ اگر مسجد میں کوئی موجود نہ ہو تو ان الفاظ سے سلام کہنا مستحب ہے:

"السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين."[3]

مسجد میں مانگنا:

جس شخص کے پاس ایک وقت کا کھانا ہو یا کمانے پر قدرت ہو اس کے لیے سوال کرنا اور اسے دینا حرام ہے، مسجد میں سوال کرنا یا سائل کو دینا دہرا گناہ ہے، لہٰذا مسجد میں سوال کرنے والے کو روکنا فرض ہے، باز نہ آئے تو مسجد سے نکال دیا جائے، مگر یہ حکم مسجد کے منتظمین یا ان لوگوں کے لیے ہے جو اس پر قادر ہوں، یہ بھی ضروری ہے کہ تمام نمازیوں کے سامنے یہ مسئلہ کھول کر بیان کیا جائے۔[4]

۱- أحسن الفتاویٰ: ٦/٤٢٦ - ٤٢٧

۲- أحسن الفتاویٰ: ٦/٤٥٤

۳- إمداد الفتاویٰ: ٦/٧٢٩

٤- إمداد الفتاویٰ: ٢/٧١٠، أحسن الفتاویٰ: ٦/٤٦٠

مسجد میں کھانا پینا اور سونا:

مسجد میں کھانا، پینا اور سونا مکروہ ہے، البتہ مسافر اور معتکف کے لیے مسجد میں کھانے، پینے اور سونے کی گنجائش ہے واضح ہو کہ مسجد کی بناء ذکر و عبادت کے لیے ہے، اس طرح کے کاموں کے لیے نہیں، اس لیے عام حالات میں تو وہی حکم ہے جو اوپر مذکور ہے البتہ بامر مجبوری کسی کو مسجد میں سونا پڑتا ہے تو مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ اس کی گنجائش ہوگی:

(۱) مسجد کے علاوہ کوئی عارضی یا مستقل قیامگاہ موجود نہ ہو، اور نہ مسجد کا متولی یا مدرسہ کا منتظم اس کا انتظام کر سکتے ہوں۔

(۲) مسجد کے آداب کا پورا لحاظ رکھیں کہ شور و غوغا، ہنسی مذاق اور لایعنی گفتگو سے پرہیز کریں، صفائی کا پورا اہتمام رکھیں اور اعتکاف کی نیت کر لیں۔

(۳) نمازیوں کو ان سے کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچے، اذان ہوتے ہی اٹھ جائیں اور بعد میں بھی نمازیوں کے سنن و نوافل یا ذکر و تلاوت وغیرہ میں مشغول رہنے تک ان کی عبادت میں خلل نہ ڈالیں۔

(۴) اگر طلبہ ہوں تو ضروری ہے کہ بارِیش یا کم از کم آدابِ مسجد سے واقف اور باشعور ہوں، کم سن بے شعود بچوں کو مسجد میں سلانا جائز نہیں۔[1]

مسجد کی جگہ کی تبدیلی:

جو جگہ مسجد بن گئی اب قیامت تک وہ مسجد ہی رہے گی، اس جگہ کو کسی دوسرے کام میں لگانا ہرگز جائز نہیں، البتہ اگر کوئی مسجد بالکل ویران ہو جائے اور اس کے آس پاس کوئی آبادی نہ رہے اور اس کا سامان چوری ہو جانے کا خطرہ ہو تو اس سامان کو کسی آباد مسجد میں لگا دینا جائز ہے، لیکن اس حالت میں بھی اس مسجد کی زمین کو کسی دوسرے کام زراعت وغیرہ کے لیے استعمال کرنا جائز نہیں، بلکہ وہ جگہ بدستور مسجد ہی رہے گی اور دوسری مساجد کی طرح اس کا احترام بھی لازم ہے۔[2]

مسجد کی رقم مدرسہ یا غریبوں پر خرچ کرنا:

مسجد کی آمدنی مسجد میں ضرورت نہ ہونے کے باوجود مسجد کے علاوہ کسی اور مصرف میں خرچ کرنا جائز نہیں، البتہ اگر کسی مسجد کی آمدنی اس کی ضرورت سے زیادہ ہے اور اس کو جمع رکھنے میں ضائع ہونے کا احتمال ہے تو اس زائد آمدنی کو قریبی مسجد پر خرچ کرنا

۱- ردالمحتار: ۱/ ٦٦١، إمداد الفتاوی: ۲/ ۷۱۱، أحسن الفتاوی: ٦/ ٤٤٧

۲- إمداد الفتاوی: ۲/ ۷۰۷، إمداد المفتین: ۷٦۷

جائز ہے، اگر اس میں بھی ضرورت نہ ہو تو اس کے بعد جو مسجد قریب تر ہو پہلے اس پر خرچ کیا جائے، پھر اسی ترتیب سے دوسری مساجد پر خرچ کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ واقف یعنی چندہ دینے والوں کی طرف سے اس کی اجازت ہو اور اگر واقف معلوم نہ ہو تو بلا اجازت بھی اس کے حصہ کا چندہ دوسری مسجد پر خرچ کرنا جائز ہے۔[1]

پرانے قبرستان پر مسجد بنانا:

اگر وقف قبرستان میں لوگوں نے مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دیا ہو اور سابقہ قبروں کے نشانات مٹ گئے ہوں تو وہاں مسجد بنانا جائز ہے، اسی طرح اگر قبرستان کسی کی ملکیت ہو اور اس میں قبریں مٹ چکی ہوں تو مالک کی اجازت سے وہاں مسجد بنانا جائز ہے۔[2]

۱- إمداد المفتين : ٦٤١ ، إمداد الفتاوىٰ : ٢/٥٩٢

٢- إمداد المفتين : ٧٨٢ ، أحسن الفتاوىٰ : ٦/٤٠٩

کتَابُ البُیُوع

(خرید وفروخت کے احکام)

رزقِ حلال کی جستجو:

☆ حدیث میں ہے: ’’حلال (مال) تلاش کرنا فرض ہے دیگر فرائض کے بعد۔‘‘

مطلب یہ ہے کہ دیگر فرائض یعنی نماز، زکوٰۃ، روزہ وغیرہ ارکانِ اسلام کے بعد حلال روزی تلاش کرنا فرض ہے اور یہ فرض اس شخص کے ذمہ ہے جسے لازمی اخراجات کے لیے مال کی ضرورت ہو، چاہے اپنے لیے یا اپنے اہل وعیال کے لیے اور جس شخص کے پاس بقدرِ ضرورت مال موجود ہے، مثلاً: وہ صاحبِ جائیداد ہے یا اور کسی طریقہ سے اس کو مال مل گیا تو اس کے ذمہ یہ فرض نہیں رہتا، اس لیے کہ مال حق تعالیٰ نے ضروریات پوری کرنے کے لیے پیدا کیا ہے تاکہ بندہ ضروری حاجتیں پوری کر کے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو، کیونکہ کھانے، پینے اور پہننے کے بغیر عبادت نہیں ہوسکتی، پس مال خود مقصود نہیں بلکہ مقصد حاصل کرنے کا ذریعہ ہے، لہٰذا جب بقدرِ ضرورت حاصل ہوگیا تو خواہ مخواہ حرص کی وجہ سے اور زیادہ طلب کرنا اور بڑھانا نہیں چاہیے۔ جس کے پاس بقدرِ ضرورت موجود ہو اس پر بڑھانا فرض نہیں، بلکہ یہ بات اچھی طرح سمجھ لی جائے کہ مال کی حرص اللہ تعالیٰ سے غافل کرنے والی اور مال کی کثرت گناہوں میں مبتلا کرنے والی ہے۔

اس بات کا ہمیشہ اہتمام رہے کہ حلال مال حاصل ہو، حرام کی طرف مسلمانوں کو بالکل توجہ نہیں دینی چاہیے، اس لیے کہ حرام مال بے برکت ہوتا ہے اور حرام کھانے والا دین و دنیا میں ذلت اور اللہ تعالیٰ کی پھٹکار میں مبتلا رہتا ہے۔ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ آج کل حلال مال کمانا ممکن نہیں اور حلال مال نہیں ملتا، یہ سراسر غلط اور شیطان کا دھوکہ ہے۔ اچھی طرح یاد رکھیے کہ شریعت پر عمل کرنے والے کی غیب سے مدد ہوتی ہے، جس کی نیت حلال کھانے اور حرام سے بچنے کی ہوتی ہے حق تعالیٰ اس کو ایسا ہی مال عطا فرماتے ہیں اور یہ بات مشاہدہ سے ثابت ہے اور قرآن وحدیث میں تو جابجا یہ وعدہ آیا ہے۔ اس نازک زمانہ میں اللہ تعالیٰ کے جن بندوں نے حرام اور شبہہ کے مال سے اپنے آپ کو روک لیا ہے ان کو حق تعالیٰ عمدہ حلال مال عطا فرماتے

ہیں اور وہ لوگ حرام خوروں سے زیادہ راحت وعزت سے رہتے ہیں۔ جو شخص اپنے ساتھ اور دوسروں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ معاملہ دیکھتا ہے اور جا بجا قرآن وحدیث میں یہ مضمون پاتا ہے وہ ایسے جاہلوں کی باتوں کی کوئی پروا نہیں کرسکتا۔ لوگ مال کے بارے میں بہت کم احتیاط کرتے ہیں، ناجائز نوکریاں کرتے ہیں، ملاوٹ کرتے اور دھوکہ دیتے ہیں، دوسروں کی حق تلفی کرتے ہیں، یہ سب حرام ہے اور خوب یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں کسی چیز کی کمی نہیں، جتنا تقدیر میں لکھا ہے وہ ضرور مل کر رہے گا، پھر بدنیتی کرنا اور دوزخ میں جانے کی تیاری کرنا کونسی عقل کی بات ہے۔ چونکہ حلال مال کی طرف لوگوں کی توجہ بہت کم ہے اس لیے بار بار تاکید سے یہ بات کہی جا رہی ہے۔ دنیا میں اصل مقصود انسان اور جنات کی پیدائش سے یہ ہے کہ انسان اور جنات اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں، لہٰذا اس بات کا ہر معاملہ میں خیال رکھو اور کھانا پینا اس لیے ہے کہ قوت پیدا ہو جس سے اللہ تعالیٰ کا نام لے سکے، یہ مطلب نہیں کہ شب وروز لذتوں میں مشغول رہے اور اللہ تعالیٰ کو بھول جائے اور اس کی نافرمانی کرے۔ بعض جاہلوں کا یہ خیال ہے کہ دنیا میں صرف کھانے پینے اور مزے اڑانے کے لیے آئے ہیں، یہ سخت بددینی کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ جہالت جیسی بری بلا سے حفاظت فرمائے۔

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اپنے ہاتھوں کی کمائی سے کھاتا ہے اس سے بہتر کھانا کسی نے کبھی نہیں کھایا اور بیشک اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے ہاتھوں کی کمائی سے کھاتے تھے۔'' مطلب یہ ہے کہ اپنے ہاتھ کی کمائی بہت عمدہ چیز ہے مثلاً: کوئی کام یا ہنر اختیار کرنا یا تجارت کرنا وغیرہ، خواہ مخواہ کسی پر بوجھ نہیں ڈالنا چاہیے اور پیشہ وہنر کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے، جب اس قسم کے کام حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے کیے ہیں تو اور کون ایسا شخص ہے جس کی عزت ان حضرات سے بڑھ کر ہے، بلکہ کسی کی عزت ان حضرات کے برابر بھی نہیں، ایک حدیث میں آیا ہے: ''کوئی نبی ایسے نہیں گزرے جنہوں نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔''

بعض لوگ ایسے ہیں کہ اگر ان کے پاس مال حلال ہو مگر اپنے ہاتھ کا کمایا ہوا نہ ہو بلکہ میراث میں ملا ہو یا اور کسی حلال ذریعہ سے حاصل ہوا ہو تو خواہ مخواہ کمانے کی فکر کرتے ہیں اور اس کو عبادت میں مشغول ہونے سے بہتر سمجھتے ہیں۔ یہ سخت غلطی ہے۔ ایسے شخص کے لیے عبادت اور دین کے کام میں مشغول ہونا بہتر ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اطمینان دیا اور رزق کی تلاش سے بالکل بے فکر کر دیا تو پھر بڑی ناشکری ہے کہ اس کا نام اچھی طرح نہ لے اور مال ہی کو بڑھاتا رہے۔

حدیث کا مطلب تو یہ ہے کہ لوگ اپنا بوجھ کسی پر نہ ڈالیں اور لوگوں سے نہ مانگیں، جب تک کوئی خاص ایسی مجبوری نہ ہو

جس کو شریعت نے مجبوری قرار دیا ہو۔ یہ بات مبالغہ کے طور پر اس لیے کی گئی ہے تا کہ لوگ اپنے ہاتھ سے کمانے کو برا نہ سمجھیں، بلکہ کما کر خود بھی کھائیں اور صدقہ وخیرات کریں، حدیث کی یہ غرض نہیں کہ سوائے اپنے ہاتھ کی کمائی کے اور کسی طرح سے جو حلال مال ملا ہو وہ حلال نہیں یا ہاتھ کی کمائی کے برابر نہیں بلکہ بعض مرتبہ اپنے ہاتھ کی کمائی سے بڑھ کر ہوتا ہے۔

☆ حدیث میں ہے: ''اللہ تعالیٰ تمام عیبوں سے پاک ہے اور صرف پاک وحلال مال قبول فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو اسی چیز کا حکم فرمایا ہے جس کا پیغمبروں کو حکم فرمایا اور فرمایا: ''اے پیغمبرو! پاک یعنی حلال چیزیں کھاؤ اور اچھے عمل کرو'' اور فرمایا: ''اے ایمان والو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ جو ہم نے تمہیں دی ہیں'' پھر آپ ﷺ نے اس آدمی کا تذکرہ فرمایا جو (حج اور طلبِ علم وغیرہ کے لیے) لمبا سفر کرتا ہے اور اس دوران وہ پراگندہ حال اور گرد آلود ہوتا ہے اور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہتا ہے: اے میرے پروردگار، اے میرے پروردگار! حالانکہ اس کا کھانا حرام ہے اور اس کا پینا حرام ہے اور اسکا لباس حرام ہے اور مال حرام سے پالا گیا ہے (اس نے بالغ ہونے کے بعد مالِ حرام سے ضرورتیں پوری کر کے پرورش پائی ہے) پس اس کی یہ دعا کیسے قبول کی جائے؟'' (رواہ مسلم)

مطلب یہ ہے کہ اس قدر مشقتیں برداشت کرنے کے باوجود مال حرام استعمال کرنے کی وجہ سے ہرگز دعا قبول نہیں ہو گی۔ اگر کبھی کوئی مقصد پورا ہو بھی گیا تو وہ دعا قبول ہونے کی وجہ سے نہیں ہوگا، بلکہ تقدیرِ الٰہی کی وجہ سے ہوگا، جیسے: کافروں کے مقصود پورے ہو جاتے ہیں، اس لیے کہ دعا قبول ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ پر نظرِ رحمت فرمائیں اور رحمت کی وجہ سے اس کا مقصود حاصل ہو اور اس طلب پر اس کو ثواب بھی ملے، جبکہ حرام خور جیسے نافرمان پر توبہ واستغفار کے بغیر اللہ تعالیٰ کی رحمت نہیں ہوتی۔ حقیقت یہ ہے کہ جس کے دل میں اللہ تعالیٰ سے سچی محبت اور آخرت کی فکر ہوتی ہے وہ مشتبہ مال سے بھی بچتا ہے، چہ جائیکہ اس کا کھانا پینا وغیرہ خالص حرام سے ہو، چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے ایک جلیل القدر شاگرد عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''مشتبہ مال کا ایک درہم واپس کر دینا (جو ہدیہ وغیرہ میں ملا ہو) مجھے چھ لاکھ درہم صدقہ کرنے سے زیادہ پسند ہے۔''

☆ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''حلال واضح ہے اور حرام واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں۔ پس جس شخص نے مشتبہ چیزوں سے پرہیز کیا اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو بچا لیا اور جو شخص شبہہ کی چیزوں میں پڑا وہ حرام میں پڑے گا، اس چرواہے کی طرح جو اس چراگاہ کے اردگرد جانور چراتا ہے جسے بادشاہ نے اپنے جانور

چرانے کے لیے مخصوص کرلیا ہے، خطرہ ہوتا ہے کہ یہ اس چراگاہ کے اندر چرانے لگے۔ جان لو کہ ہر بادشاہ کی ایک چراگاہ ہوتی ہے اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ کی چراگاہ وہ چیزیں ہیں جن کو اس نے حرام فرمادیا ہے۔ خوب سمجھ لو کہ انسان کے جسم میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جب وہ درست ہوگا تو سارا بدن درست رہے گا اور جب وہ خراب ہوگا تو سارا بدن خراب ہوگا، جان لو کہ وہ دل ہے۔"

☆ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ یہود کو ہلاک کرے، ان پر (گائے اور بکری کی) چربی حرام کی گئی، پس انہوں نے اس چربی کو پگھلایا، پھر اسے بیچ دیا۔"

مطلب یہ ہے کہ انہوں نے یہ حیلہ کیا کہ خود چربی نہیں کھائی بلکہ اسے بیچ کر اس کی قیمت کھائی، حالانکہ حکم یہ تھا کہ کسی طرح بھی اس چربی سے فائدہ نہ اٹھائیں یعنی نہ چربی سے اور نہ اس کی قیمت وغیرہ سے۔

☆ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ کوئی بندہ حرام مال کمائے پھر اس میں سے کچھ صدقہ کرے تو اس سے وہ صدقہ قبول کیا جائے اور نہ ایسا ہوتا ہے کہ اس میں سے کچھ خرچ کرے تو اس کے لیے اس مال میں برکت دی جائے اور نہ یہ کہ اگر وہ اسے اپنے پیچھے چھوڑ جائے تو وہ اس کے لیے فائدہ پہنچانے والا ہو، بلکہ وہ اسے دوزخ کی طرف پہنچانے والا ہوگا۔ بیشک اللہ تعالیٰ برائی کو برائی کے ذریعہ دور نہیں فرماتے، لیکن برائی کو بھلائی کی ذریعہ دور فرمادیتے ہیں۔ بیشک خبیث یعنی حرام مال خبیث یعنی گناہ کو دور نہیں کرتا۔"

☆ حدیث میں ہے: "وہ گوشت جنت میں داخل نہیں ہوگا جو حرام مال سے پلا بڑھا ہو اور ہر ایسا گوشت جو حرام مال سے پلا بڑھا ہے اس کے لائق دوزخ ہی ہے۔"

مطلب یہ ہے کہ حرام خور سزا بھگتے بغیر جنت میں داخل نہیں ہوگا، البتہ اگر وہ مرنے سے پہلے حرام کھانے سے توبہ کرلے اور جس کا حق اس کے اوپر ہو وہ ادا کردے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا یہ گناہ معاف فرمادیں گے۔

☆ حدیث میں ہے: "کوئی بندہ مکمل طور پر پرہیزگاروں میں شمار نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ وہ اس چیز کو بھی جس میں کوئی ممانعت نہیں، اس چیز کی وجہ سے چھوڑ دے جس میں (گناہ کا) اندیشہ ہو۔"

مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مال حلال ہے یا کوئی کام جائز اور مباح ہے مگر اس حلال مال کو کھانے یا اس جائز کام کے کرنے سے اندیشہ ہے کہ کوئی ناجائز اور گناہ کا کام ہوجائے گا تو اس حلال مال اور جائز کام کو بھی چھوڑ دے، اس لیے کہ اگرچہ یہ حلال مال کھانا اور یہ جائز کام کرنا گناہ نہیں مگر اس کے ذریعہ سے گناہ ہوجانے کا ڈر ہے اور برے کام کا ذریعہ بھی برا ہوتا ہے۔

☆ حدیث میں ہے: ''جس نے دس درہم کا کوئی کپڑا خریدا اور اس میں ایک درہم حرام کا تھا تو جب تک وہ کپڑا اس کے بدن پر رہے گا اللہ تعالیٰ اس کی نماز قبول نہیں فرمائیں گے۔''

مطلب یہ ہے کہ نماز کا پورا ثواب نہیں ملے گا، اگرچہ فرض ادا ہو جائے گا۔

☆ حدیث میں ہے: ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو چیزیں تمہیں جنت سے قریب کر سکتی ہیں وہ سب میں نے تمہیں بتا دی ہیں اور جو چیز تمہیں جہنم کے قریب لے جا سکتی ہیں وہ سب بھی میں نے تمہیں بتا دی ہیں اور روح الامین یعنی جبرئیل علیہ السلام نے میرے دل میں یہ بات ڈال دی ہے کہ بیشک ہرگز کوئی نہیں مرے گا یہاں تک کہ وہ اپنا رزق پورا پورا لے لے اگرچہ وہ اسے دیر سے ملے۔''

☆ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دس حصوں میں سے نو حصے رزق، تجارت میں ہے۔'' (یعنی تجارت بہت بڑی آمدنی کا ذریعہ ہے اس کو اختیار کرو)

☆ حدیث میں ہے: ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حق تعالیٰ اس مومن کو جو محنتی اور پیشہ ور (ہنرمند) ہو اور جو پروا نہیں کرتا کہ کیا پہنتا ہے (یعنی اسے اتنی فرصت نہیں کہ عمدہ لباس پہن سکے) پسند کرتا ہے۔''

☆ حدیث میں ہے: ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری طرف یہ وحی نہیں کی گئی کہ میں مال جمع کروں اور میں تجارت کرنے والوں میں سے ہو جاؤں، لیکن یہ وحی کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کروں اس کی حمد کے ساتھ اور سجدہ کرنے والوں میں سے ہو جاؤں اور اپنے پروردگار کی عبادت کروں یہاں تک کہ موت آ جائے۔''

یعنی ضرورت سے زیادہ دنیا میں مشغول نہ ہو، کیونکہ بقدرِ ضرورت اخراجات کا انتظام کرنا سب پر واجب ہے۔ ہاں جس میں توکل کی قوت ہو اور توکل کی تمام شرائط اس میں جمع ہوں ایسا شخص البتہ سب کام چھوڑ کر محض عبادت اور دین کے کام میں مشغول ہو سکتا ہے۔

☆ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس آدمی پر رحم کرے جو کوئی چیز فروخت کرتے وقت یا کچھ خریدتے وقت یا قرض طلب کرتے وقت نرمی کرتا ہے۔''

☆ حدیث میں ہے: ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خرید و فروخت میں زیادہ قسمیں کھانے سے بچو۔'' (یعنی اس خیال سے کہ ہمارا مال خوب بکے بہت قسمیں نہ کھاؤ، کیونکہ زیادہ قسم کھانے میں کوئی نہ کوئی قسم ضرور جھوٹی نکلے گی اور پھر اس سے بے

برکتی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے نام کی بے ادبی بھی، ہاں کبھی کبھار اگر ایسا کر و تو مضایقہ نہیں)

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سچا اور امانت دار تاجر (قیامت میں) انبیا، صدیقین اور شہدا کے ساتھ ہوگا۔''

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '' اے تاجروں کی جماعت ! بیشک خرید و فروخت ایسی چیز ہے جس میں اکثر لغو باتیں ہو جاتی ہیں اور قسم کھائی جاتی ہے، پس اس میں صدقہ ملا لیا کرو۔'' (یعنی لغو باتیں اور قسمیں کھانا بہت بری بات ہے اور اس کی تلافی کے لیے صدقہ کرنا چاہیے تا کہ ان لغویات وغیرہ کا جو بغیر ارادے کے ہوگئی ہیں کفارہ ہو جائے)

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '' تجارت کرنے والے قیامت کے روز فاجر اور گناہ گار اٹھائے جائیں گے مگر وہ شخص جو بچتا رہا اور نیکی کی اور سچ بولا۔'' (یعنی خرید و فروخت میں کوئی گناہ نہ کیا تو وہ اس وبال سے بچ جائے گا)

خرید وفروخت کے چند بنیادی قواعد*

شریعت میں بیع کی تعریف یہ ہے: ''قیمت رکھنے والی چیز کا قیمت والی چیز ہی کے بدلے میں باہمی رضا مندی سے تبادلہ''۔ مسلم فقہانے عقدِ بیع کے بارے میں بہت سے قواعد ذکر کیے ہیں اوران کی تفصیل بیان کرنے کے لیے متعدد جلدوں میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ یہاں مقصود صرف ان قواعد پر مختصر گفتگو کرنا ہے۔

قاعدہ نمبر ۱:

بیچی جانے والے چیز بیع کے وقت موجود ہونی چاہیے۔ لہٰذا جو چیز ابھی تک وجود میں نہیں آئی اسے بیچا بھی نہیں جا سکتا۔ اگر کسی غیر موجود چیز کی بیع کی گئی اگر چہ باہمی رضامندی سے ہی ہو، یہ بیع شرعاً باطل ہوگی۔

مثال: ''الف'' اپنی گائے کا بچہ جو کہ ابھی تک پیدا نہیں ہوا ''ب'' کو بیچتا ہے، یہ بیع باطل ہے۔

قاعدہ نمبر ۲:

فروخت کی جانے والی چیز بیع کے وقت بائع کی ملکیت میں ہو۔ لہٰذا جو چیز فروخت کرنے والے کی ملکیت میں نہیں اسے بیچا بھی نہیں جاسکتا، اگراس کی ملکیت حاصل کرنے سے پہلے اسے بیچتا ہے تو بیع باطل ہوگی۔

مثال: ''الف'' ''ب'' کوایک کار بیچتا ہے جو فی الحال ''ج'' کی ملکیت میں ہے، لیکن اسے امید ہے کہ وہ کار ''ج'' سے خرید لے گا اور بعد میں ''ب'' کے حوالے کردے گا، یہ بیع باطل ہے، اس لیے کہ کار بیع کے وقت ''الف'' کی ملکیت میں نہیں تھی۔

قاعدہ نمبر ۳:

بیع کے وقت بیچی جانے والی چیز بیچنے والے کے حسی یا معنوی قبضے میں ہو۔ ''معنوی'' قبضے سے مراد ایسی صورت حال ہے جس میں قبضہ کرنے والے نے وہ چیز ظاہری طور پر اپنی تحویل میں نہیں لی لیکن اس کے کنٹرول میں آگئی ہے اور اس کے تمام حقوق اور ذمہ داریاں اس کی طرف منتقل ہوگئی ہیں، جن میں اس چیز کے ضیاع کا خطرہ اور رسک بھی شامل ہے، یعنی یہ چیز اگر ضائع ہوگئی تو یہ سمجھا جائے گا کہ یہ خریدار کی ضائع ہوئی۔

مثال ۱: ''الف'' نے ''ب'' سے ایک کار خریدی، ''ب'' نے ابھی تک یہ کار ''الف'' یا اس کے وکیل کے حوالے نہیں کی

---

* - ماخوذ از ''اسلامی بینکاری کی بنیادیں''، ص ۹۹، مؤلفہ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم۔

...... ''الف'' یہ کار ''ج'' کو فروخت نہیں کرسکتا۔ اگر وہ اس پر قبضہ کرنے سے پہلے بیچ دیتا ہے تو بیع صحیح نہیں ہوگی۔

مثال ۲: ''الف'' نے ''ب'' سے ایک کار خریدی ''ب'' اس کار کی تعیین اور نشاندہی کرنے کے بعد اسے ایک ایسے گیراج میں کھڑا کردیتا ہے جہاں ''الف'' کی آزادانہ رسائی ہے اور ''ب'' اسے اجازت دے دیتا ہے کہ وہ گاڑی کو وہاں سے جہاں چاہے لے جاسکتا ہے۔ گاڑی کا رسک ''الف'' کی طرف منتقل ہوگیا ہے۔ اب گاڑی اس کے معنوی قبضے میں ہے۔ اگر ''الف'' اس پر ظاہری اور حسی قبضہ کیے بغیر ''ج'' کو بیچ دیتا ہے تو بیع صحیح ہوگی۔

وضاحت نمبر ۱:

قاعدہ نمبر ۱ تا ۳ کا لب لباب یہ ہے کہ کوئی شخص ایسی چیز نہیں بیچ سکتا جو:

۱- جو ابھی وجود میں نہ آئی ہو۔

۲- بیچنے والے کی ملکیت میں نہ ہو۔

۳- بیچنے والے کے حسی یا معنوی قبضے میں نہ ہو۔

وضاحت نمبر ۲:

عملی بیع اور صرف بیع کا وعدہ کر لینے میں بڑا فرق ہے۔ عملی بیع اس وقت تک مؤثر نہیں ہوتی جب تک کہ مذکورہ تین شرطیں پوری نہ کرلی جائیں، البتہ کوئی شخص ایسی چیز کے بیچنے کا وعدہ کرسکتا ہے جو کہ اس کی ملکیت یا قبضے میں نہیں ہے۔ بنیادی طور پر وعدۂ بیع سے وعدہ کرنے والے پر صرف ایک اخلاقی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنا وعدہ پورا کرے، اس میں عموماً عدالتی چارہ جوئی نہیں کی جاسکتی، تاہم بعض مخصوص صورتوں میں خصوصاً جبکہ وعدہ کی وجہ سے دوسرے فریق پر ذمہ داری کا کوئی بوجھ پڑ گیا ہو تو اس وعدے پر بذریعہ عدالت بھی عمل کرایا جاسکتا ہے۔ ایسی صورت میں عدالت وعدہ کنندہ کو اپنے وعدہ کی تکمیل پر یعنی عملاً بیع کرنے پر مجبور کرے گی۔ اگر وہ ایسا نہ کرسکے تو عدالت اسے حکم دے گی کہ دوسرے فریق کو وعدہ خلافی کی وجہ سے جو حقیقی نقصان ہوا ہے، وہ اسے ادا کرے۔

لیکن عملاً بیع اس وقت نافذ اور مؤثر ہوگی جبکہ وہ سامان بائع کے قبضے میں آجائے۔ اس صورت میں نئے ایجاب وقبول کی ضرورت ہوگی اور جب تک اس طرح سے بیع نہ ہوجائے اس کے قانونی نتائج مرتب نہیں ہوں گے۔

استثناء:

قاعدہ نمبر ۱ تا ۳ میں ذکر کردہ اصول میں دو قسم کی بیع میں چھوٹ دی گئی ہے:

۱- بیع سلم ۲- استصناع

ان دونوں قسم کی بیع پر آگے چل کر مستقل باب میں بحث کی جائے گی۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

قاعدہ نمبر ۴:

بیع غیر مشروط اور فوری طور پر نافذ العمل ہونی چاہیے، لہٰذا جو بیع مستقبل کی کسی تاریخ کی طرف منسوب ہو یا مستقبل میں پیش آنے والے کسی واقعہ پر موقوف ہو وہ باطل ہوگی۔ اگر فریقین بیع کو صحیح کرنا چاہتے ہیں تو انہیں اس وقت از سر نو بیع کرنا ہوگی جبکہ مستقبل کی وہ تاریخ آجائے یا وہ شرط پائی جائے جس پر بیع موقوف تھی۔

مثالیں:

۱- ''الف'' یکم جنوری کو ''ب'' سے کہتا ہے کہ میں تمہیں اپنی کار یکم فروری کو بیچتا ہوں۔ یہ بیع باطل ہوگی، اس لیے کہ اسے مستقبل کی ایک تاریخ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

۲- ''الف'' ''ب'' سے کہتا ہے کہ اگر فلاں پارٹی الیکشن جیت گئی تو میری کار تمہارے ہاتھ بکی ہوئی تصور ہوگی۔ یہ بیع بھی باطل ہے، اس لیے کہ اسے مستقبل کے ایک واقعے پر موقوف کیا گیا ہے۔

قاعدہ نمبر ۵:

بیچی جانے والی چیز ایسی ہو جس کی کوئی قیمت ہو، لہٰذا کاروباری عرف میں جس چیز کی کوئی قیمت نہ ہو اس کی بیع نہیں ہوسکتی۔

قاعدہ نمبر ۶:

بیچی جانے والی چیز ایسی نہ ہو جس کا حرام مقصد کے علاوہ کوئی اور استعمال ہی نہ ہو، جیسے: خنزیر اور شراب وغیرہ۔

قاعدہ نمبر ۷:

جس چیز کی بیع ہو رہی ہو وہ واضح طور پر معلوم ہونی چاہیے اور خریدار کو اس کی شناخت کرائی جانی چاہیے۔

وضاحت:

بیچی جانے والی چیز کی تعیین اشارہ کر کے بھی ہوسکتی ہے اور ایسی تفصیلی وضاحت سے بھی ہوسکتی ہے جس سے وہ چیز ان

اشیاء سے ممتاز ہو جائے جن کی بیع مقصود نہیں ہے۔

مثال: ایک بلڈنگ ہے جس میں ایک انداز کے بنے ہوئے کئی اپارٹمنٹ ہیں۔ ''الف'' جو کہ بلڈنگ کا مالک ہے ''ب'' سے کہتا ہے کہ ''میں تمہیں ان اپارٹمنٹس میں سے ایک بیچتا ہوں۔'' ''ب'' قبول بھی کر لیتا ہے، تو بیع صحیح نہیں ہوگی، جب تک کہ زبانی وضاحت کے ساتھ یا اشارہ کر کے ایک اپارٹمنٹ کی تعیین نہ کر دی جائے۔

قاعدہ نمبر ۸:

بیچی جانے والی چیز پر خریدار کا قبضہ کرایا جانا یقینی ہو۔ یہ قبضہ محض اتفاق پر مبنی یا کسی شرط کے پائے جانے پر موقوف نہیں ہونا چاہیے۔

مثال: ''الف'' اپنی ایسی کار بیچتا ہے جو کسی نامعلوم شخص نے چرالی ہے اور دوسرا شخص اس امید پر خرید لیتا ہے کہ ''الف'' یہ کار دوبارہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا، یہ بیع صحیح نہیں ہوگی۔

قاعدہ نمبر ۹:

قیمت کی تعیین بھی بیع کے صحیح ہونے کے لیے ضروری شرط ہے۔ اگر قیمت متعین نہیں ہے تو بیع صحیح نہیں ہوگی۔

مثال: ''الف'' ''ب'' سے کہتا ہے کہ اگر ادائیگی ایک ماہ کے اندر کرو گے تو قیمت پچاس روپے ہوگی اور اگر دو ماہ میں کرو گے تو پچپن روپے ہوگی۔ ''ب'' بھی اس سے متفق ہو جاتا ہے تو چونکہ قیمت غیر متعین ہے، اس لیے بیع صحیح نہیں ہوگی، الا یہ کہ دو متبادل قیمتوں میں سے ایک کی تعیین بیع کے وقت ہی کر لی جائے۔

قاعدہ نمبر ۱۰:

بیع میں کوئی شرط نہیں ہونی چاہیے، جس بیع میں کوئی شرط لگائی جائے وہ فاسد ہوگی، الا یہ کہ وہ شرط کاروباری عرف میں مروّج ہو اور اس کا عام چلن ہو۔

مثالیں:

۱۔ ''الف'' ''ب'' سے ایک کار اس شرط پر خریدتا ہے کہ وہ اس کے بیٹے کو اپنی فرم میں ملازم رکھے گا۔ بیع چونکہ مشروط ہے اس لیے فاسد ہوگی۔

۲۔ ''الف'' ''ب'' سے ایک ریفریجریٹر اس شرط پر خریدتا ہے کہ ''ب'' دو سال تک اس کی مفت سروس کا ذمہ دار ہو

گا۔ یہ شرط چونکہ اس طرح کے معاملے کے حصے کے طور پر متعارف ہے اس لیے صحیح ہے اور بیع بھی درست ہے۔

عقدِ بیع کا بیان:

مسئلہ ۱: جب ایک شخص نے کہا: ''میں نے یہ چیز اتنی قیمت پر بیچ دی'' اور دوسرے نے کہا: ''میں نے لے لی'' تو وہ چیز فروخت ہوگئی اور جس نے خرید لی ہے وہی اس کا مالک بن گیا۔ اب اگر بائع (بیچنے والا) چاہے کہ میں نہ بیچوں یا مشتری (خریدنے والا) چاہے کہ میں نہ خریدوں تو دوسرے فریق کی مرضی کے بغیر ایسا نہیں ہوسکتا۔ بائع کو دینا پڑے گا اور مشتری کو لینا پڑے گا۔ اس بک جانے کو ''بیع'' کہتے ہیں۔

مسئلہ ۲: ایک نے کہا: ''میں نے یہ چیز سو روپے میں آپ کو بیچ دی''، دوسرے نے کہا: ''مجھے منظور ہے'' یا یوں کہا: ''میں اس قیمت پر راضی ہوں'' یا ''میں نے لے لیا'' تو ان سب صورتوں میں وہ چیز بک گئی۔ اب نہ بیچنے والے کو یہ اختیار ہے کہ نہ دے اور نہ لینے والے کو یہ اختیار ہے کہ نہ خریدے، لیکن یہ حکم اس وقت ہے کہ دونوں طرف سے یہ بات چیت ایک ہی جگہ بیٹھے بیٹھے ہوئی ہو۔ اگر ایک نے کہا: ''میں نے یہ چیز سو روپے میں تمہارے ہاتھ بیچی'' اور دوسرے نے سو روپے کا نام سن کر کچھ نہیں کہا بلکہ اٹھ کھڑا ہوا یا کسی اور سے مشورہ کرنے کے لیے گیا یا اور کسی کام کے لیے چلا گیا اور جگہ بدل گئی، پھر بعد میں اس نے کہا: ''اچھا میں نے سو روپے کی خرید لی'' تو ابھی وہ چیز نہیں بکی، البتہ اگر اس کے بعد وہ بیچنے والا کہہ دے کہ میں نے دے دی یا یوں کہے: ''ٹھیک ہے لے لو'' تو بک جائے گی۔ اسی طرح اگر بیچنے والا اٹھ کھڑا ہوا یا کسی کام سے چلا گیا، اس کے بعد دوسرے نے کہا: ''میں نے لے لیا'' تب بھی وہ چیز نہیں بکی۔ خلاصہ یہ ہوا کہ جب ایک ہی جگہ دونوں طرف سے بات چیت ہوگی تب خرید وفروخت مکمل ہوگی۔

مسئلہ ۳: کسی نے کہا: ''یہ چیز سو روپے میں دے دو''، دوسرے نے کہا: ''میں نے دے دی''، اس سے بیع مکمل نہیں ہوئی، البتہ اس کے بعد اگر خریدنے والے نے پھر کہہ دیا کہ میں نے لے لیا تو بیع مکمل ہوگئی۔

مسئلہ ۴: کسی نے کہا: ''میں نے یہ چیز سو روپے میں لے لی''، دوسرے نے کہا: ''لے لو'' تو بیع ہوگئی۔

مسئلہ ۵: کسی نے کسی چیز کی قیمت معلوم کرکے وہ قیمت بیچنے والے کو دے دی اور وہ چیز اٹھا لی اور اس نے خوشی سے قیمت لے لی، نہ بیچنے والے نے زبان سے کہا: ''میں نے یہ چیز اتنی قیمت پر بیچی''، نہ خریدنے والے نے کہا کہ میں نے خریدی تو اس طرح لین دین سے بھی چیز بک جاتی ہے اور یہ بیع درست ہے۔

مسئلہ ۶: کسی نے موتیوں کی ایک لڑی کے بارے میں کہا: ''میں نے یہ لڑی دس روپے میں تمہارے ہاتھ بیچی''، اس پر خریدنے والے نے کہا: ''اس میں سے پانچ موتی میں نے لے لیے'' یا یوں کہا: ''آدھے موتی میں نے خرید لیے'' تو جب تک وہ بیچنے والا اس پر راضی نہیں ہوگا بیع نہیں ہوگی، کیونکہ اس نے تو پوری لڑی کی قیمت لگائی ہے تو جب تک وہ راضی نہ ہو لینے والے کو یہ اختیار نہیں کہ اس میں سے کچھ لے لے اور کچھ نہ لے، اگر لیتا ہے تو پوری لڑی لینی پڑے گی، البتہ اگر اس نے ایک ایک موتی کی قیمت بتائی ہو اور یوں کہہ دیا ہو کہ ہر موتی ایک ایک روپے کا ہے، اس پر خریدنے والے نے کہا کہ اس میں سے پانچ موتی میں نے خرید ے تو پانچ موتی بک گئے۔

مسئلہ ۷: کسی کے پاس متعدد چیزیں ہیں، مثلاً: قلم، دوات، کاپی، پنسل، اس نے کہا: ''یہ سب چیزیں میں نے پچاس روپے میں بیچیں'' تو لینے والے کو یہ اختیار نہیں کہ اس کی رضامندی کے بغیر کچھ چیزیں لے لے اور کچھ نہ لے، کیونکہ وہ سب کو ساتھ ملا کر بیچنا چاہتا ہے، البتہ اگر ہر چیز کی قیمت الگ الگ بتا دے تو اس میں سے ایک چیز بھی خرید سکتا ہے۔

مسئلہ ۸: خرید و فروخت میں یہ بھی ضروری ہے کہ جو سودا خریدے ہر طرح سے اس کو متعین کرلے، کوئی بات ایسی مبہم اور گول مول نہ رکھے جس سے جھگڑا پیدا ہونے کا اندیشہ ہو۔ اسی طرح قیمت بھی صاف صاف مقرر اور طے ہو جانی چاہیے، اگر دونوں میں سے ایک چیز بھی اچھی طرح معلوم اور طے نہیں ہوگی تو بیع صحیح نہیں ہوگی۔

مسئلہ ۹: کسی نے کوئی چیز خریدی، اب بیچنے والا کہہ رہا ہے کہ پہلے تم قیمت دو تب میں چیز دوں گا اور خریدنے والا کہہ رہا ہے کہ پہلے تم چیز دے دو تب میں قیمت دوں گا، تو پہلے خریدنے والے سے قیمت دلوائی جائے گی، جب یہ قیمت دیدے تب بیچنے والے سے وہ چیز دلائی جائے گی۔ قیمت وصول ہونے تک بائع کو چیز نہ دینے کا اختیار ہے اور اگر دونوں طرف ایک جیسی چیز ہے، مثلاً: دونوں طرف رقم ہے یا دونوں طرف سامان ہے، جیسے: کوئی سو روپے کا کھلا لینے کے لیے گیا یا کپڑے کے بدلے کپڑا لینے کے لیے گیا اور دونوں میں اسی طرح اختلاف ہو گیا تو دونوں سے کہا جائے گا کہ تم اس کے ہاتھ پر رکھو اور وہ تمہارے ہاتھ پر رکھے۔

قیمت کا بیان:

مسئلہ ۱۰: کسی نے مٹھی بند کر کے کہا: ''جتنی رقم میرے ہاتھ میں ہے اتنے میں فلاں چیز دیدو'' اور معلوم نہیں کہ اس کے ہاتھ میں کیا ہے، رقم ہے یا کچھ اور، اگر ہے تو کتنی ہے؟ تو ایسی بیع درست نہیں۔

مسئلہ ۱۱: کسی کے ہاتھ میں کچھ رقم ہے اور اس نے مٹھی کھول کر دکھا دی کہ اتنے پیسوں کی یہ چیز دیدو اور اس نے پیسے ہاتھ میں دیکھ لیے اور چیز دے دی، لیکن یہ نہیں معلوم ہوا کہ کتنے پیسے ہاتھ میں ہیں، تب بھی بیع درست ہے۔ اسی طرح اگر نوٹوں کا بنڈل سامنے رکھا ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہے کہ اگر بیچنے والا اس کے بدلے کوئی چیز بیچ دے اور یہ نہ جانے کہ اس میں کتنے روپے ہیں تو بیع درست ہے۔ غرض یہ کہ جب اپنی آنکھوں سے دیکھ لے کہ اتنے پیسے ہیں تو اس وقت اس کی مقدار بتانا ضروری نہیں اور اگر اس نے آنکھوں سے نہیں دیکھا تو ایسی صورت میں مقدار بتانا ضروری ہے، جیسے: یوں کہے کہ میں نے یہ چیز دس روپے میں لی۔ اگر اس صورت میں اس کی مقدار مقرر اور طے نہیں کی تو بیع فاسد ہوگئی۔

مسئلہ ۱۲: کسی نے یوں کہا: ''آپ یہ چیز لے لیں، قیمت طے کرنے کی کیا ضرورت ہے، جو قیمت ہوگی آپ سے وہی لی جائے گی'' یا یہ کہا: ''آپ یہ چیز لے لیں، میں پوچھ کر جو کچھ قیمت ہوگی پھر بتا دوں گا'' یا یوں کہا: ''اسی طرح کی چیز فلاں نے لی ہے جو قیمت اس نے دی ہے وہی قیمت آپ بھی دے دیں'' یا اس طرح کہا: ''جو آپ کا جی چاہے دے دیں، میں ہرگز انکار نہیں کروں گا، جو کچھ آپ دے دیں لے لوں گا'' یا اس طرح کہا: ''بازار سے معلوم کرلو، جو اس کی قیمت ہو وہ دے دینا'' یا یوں کہا: ''فلاں کو دکھا دو، جو قیمت وہ بتا دے تم وہی دے دینا''، تو ان سب صورتوں میں بیع فاسد ہے، البتہ اگر اسی جگہ قیمت صاف صاف معلوم ہوگئی تو بیع درست ہو جائے گی اور اگر جگہ بدل جانے کے بعد معاملہ صاف ہوا تو پہلی بیع فاسد رہی، البتہ اب دوبارہ نئے سرے سے بیع کی جاسکتی ہے۔

مسئلہ ۱۳: کسی نے روزمرہ ضرورت کی اشیا خریدنے کے لیے کوئی دکاندار مقرر کیا ہے کہ جس چیز کی ضرورت پڑتی ہے اس کی دکان سے منگوالی جاتی ہے اور قیمت معلوم نہیں کی جاتی، بلکہ مہینہ کے آخر میں حساب کر کے رقم ادا کر دی جاتی ہے، یہ صورت جائز ہے۔

مسئلہ ۱۴: کسی کے ہاتھ میں ایک نوٹ ہے، اس نے کہا: ''میں نے اس نوٹ کے بدلے یہ چیز خرید لی'' تو اس کو اختیار ہے چاہے وہی نوٹ دے یا اس کے بدلے کوئی اور نوٹ دیدے۔

مسئلہ ۱۵: کسی نے سو روپے کی کوئی چیز خریدی تو اسے اختیار ہے، چاہے سو روپے کا نوٹ دے یا پچاس پچاس روپے کے دو نوٹ دے یا دس دس روپے کے دس نوٹ دے۔ بیچنے والا اس کے لینے سے انکار نہیں کرسکتا، البتہ اگر سو روپے کے سکے دے تو بیچنے والے کو اختیار ہے، چاہے لے لے چاہے نہ لے، اگر وہ سکے لینے پر راضی نہ ہو تو نوٹ ہی دینا پڑے گا۔

سودا معلوم ہونے کا بیان:

مسئلہ (۱۶): اناج غلہ وغیرہ سب چیزوں میں اختیار ہے، چاہے وزن کے حساب سے لے اور یوں کہہ دے کہ سو روپے کے دس کلو گیہوں میں نے خرید ے اور چاہے وزن کا حساب کیے بغیر لے لے اور یوں کہہ دے کہ گیہوں کی یہ ڈھیری میں نے سو روپے میں خریدی، پھر اس ڈھیری میں چاہے جتنے گیہوں ہوں سب اسی کے ہیں۔

مسئلہ (۱۷): کیلے اور نارنگی وغیرہ میں بھی اختیار ہے کہ گنتی کے حساب سے لے یا ویسے ہی ڈھیری کی قیمت لگا کر لے، اگر کیلے کی پیٹی خریدی اور یہ معلوم نہیں کہ اس میں کتنے درجن کیلے ہیں تو بیع درست ہے اور سب کیلے اسی کے ہیں، چاہے کم ہوں یا زیادہ۔

مسئلہ (۱۸): کوئی شخص امرود وغیرہ کوئی پھل بیچنے کے لیے آیا اور کسی نے اس سے کہا کہ دس روپے کے بدلے اس پتھر کے برابر وزن کر کے دیدو اور وہ اس پر راضی ہوا تو یہ بیع درست ہے، اگرچہ پتھر کا وزن کسی کو معلوم نہ ہو۔

مسئلہ (۱۹): کسی نے مالٹے وغیرہ کی پوری پیٹی اس شرط پر دو سو روپے میں خریدی کہ اس میں دس درجن مالٹے ہیں، پھر جب گنے گئے تو اس میں آٹھ درجن نکلے تو لینے والے کو اختیار ہے، چاہے لے یا نہ لے۔ اگر لینا چاہے تو پورے دو سو روپے نہیں دینے پڑیں گے بلکہ دو درجن کی قیمت کم کر کے ایک سو ساٹھ روپے دے کر لے لے؛ اور اگر پیٹی میں دس درجن سے زیادہ ہوں تو وہ بائع (بیچنے والے) کے ہوں گے، مشتری (خریدنے والے) کو دس درجن سے زیادہ لینے کا حق حاصل نہیں، البتہ اگر پوری پیٹی خریدی اور یہ متعین نہیں کیا کہ اس میں کتنے مالٹے ہیں تو جتنے بھی ہوں سب لینے والے کا حق ہے، چاہے کم ہوں یا زیادہ۔

مسئلہ (۲۰): دوپٹہ یا بستر کی چادر وغیرہ کوئی ایسا کپڑا خریدا کہ اگر اس میں سے کچھ پھاڑ لیں تو باقی خراب ہو جائے گا اور خریدتے وقت یہ شرط لگائی تھی کہ یہ دوپٹہ وغیرہ مثلاً تین گز کا ہے پھر جب ناپا تو اس سے کم نکلا تو جتنا کم نکلا ہے اس کے بدلے میں قیمت کم نہیں ہوگی بلکہ جو قیمت طے ہوئی تھی وہ پوری دینی پڑے گی، البتہ کم نکلنے کی وجہ سے بیع مکمل ہو جانے کے بعد بھی اس کو اختیار ہے چاہے لے لے یا چھوڑ دے، اور اگر کچھ زیادہ نکلا تو وہ اسی کا ہے اور اس کے بدلے میں قیمت میں اضافہ نہیں ہوگا۔

مسئلہ (۲۱): کسی نے دو انگوٹھیاں اس شرط پر خریدیں کہ دونوں کا نگ فیروزہ کا ہے، پھر معلوم ہوا کہ ایک میں فیروزہ

نہیں، کچھ اور ہے تو دونوں کی بیع ناجائز ہے۔ اب اگر ان میں سے ایک یا دونوں لینا چاہتا ہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ نئے سرے سے بات چیت کر کے خریدے۔

بیع مؤجل

(ادھار ادائیگی کی بنیاد پر بیع)

١- ایسی بیع جس میں فریقین اس بات پر اتفاق کرلیں کہ قیمت کی ادائیگی بعد میں کی جائے گی "بیع مؤجل" کہلاتی ہے۔

٢- بیع مؤجل بھی جائز ہے بشرطیکہ ادائیگی کی تاریخ غیر مبہم طور پر طے کرلی گئی ہو۔

٣- ادائیگی کا وقت متعین تاریخ کے حوالے سے بھی طے کیا جا سکتا ہے (مثلاً یکم جنوری کو ادائیگی ہوگی) اور متعین مدت کے حوالے سے بھی، مثلاً: تین ماہ بعد ادائیگی ہوگی، لیکن ادائیگی کا وقت مستقبل کے کسی ایسے واقعے کے حوالے سے متعین نہیں کیا جاسکتا جس کی حتمی تاریخ غیر معلوم یا غیر یقینی ہو۔ اگر ادائیگی کا وقت غیر متعین یا غیر یقینی ہے تو بیع صحیح نہیں ہوگی۔

٤- اگر ادائیگی کے لیے ایک خاص مدت متعین کی گئی ہے، مثلاً ایک ماہ تو اس کا آغاز قبضے کے وقت سے ہوگا، الا یہ کہ فریقین کسی اور بات پر متفق ہو جائیں۔

٥- ادھار کی صورت میں قیمت نقد سے زائد بھی ہوسکتی ہے، لیکن عقد کے وقت ہی اس کی تعیین ہو جانا ضروری ہے۔

٦- ایک دفعہ جو قیمت متعین ہوگئی اس میں وقت سے پہلے ادائیگی کی وجہ سے کمی کرنا یا ادائیگی میں تاخیر کی وجہ سے اضافہ کرنا درست نہیں۔

٧- قسطوں کی بروقت ادائیگی کے لیے خریدار پر دباؤ ڈالنے کی خاطر اسے یہ وعدہ کرنے کے لیے کہا جا سکتا ہے کہ نادہندگی کی صورت میں وہ متعین مقدار میں رقم کسی خیراتی مقصد کے لیے دے گا، اس صورت میں بائع وہ رقم خریدار سے وصول کرسکتا ہے لیکن اپنی آمدن کا حصہ بنانے کے لیے ہرگز نہیں، بلکہ خریدار کی طرف سے خیراتی کاموں میں خرچ کرنے کے لیے۔

٨- اگر سامان کی بیع قسطوں پر ہوئی ہے تو بائع یہ شرط بھی عائد کرسکتا ہے کہ اگر خریدار کسی بھی قسط کی بروقت ادائیگی میں ناکام رہا تو باقی ماندہ تمام اقساط فوری طور پر واجب الادا ہو جائیں گی۔

٩- قیمت کی ادائیگی یقینی بنانے کے لیے بائع خریدار سے یہ مطالبہ کرسکتا ہے کہ وہ اسے کوئی سیکورٹی فراہم کرے چاہے وہ رہن کی شکل میں ہو یا اس کے موجودہ اثاثوں میں کسی اثاثے کے ذریعے اپنی رقم کی وصولی کے حق کی صورت میں ہو۔

۱۰- خریدار سے پرامیسری نوٹ یا ہنڈی پر دستخط کا مطالبہ بھی کیا جا سکتا ہے، لیکن اس پرامیسری نوٹ یا ہنڈی کو کسی تیسرے فریق کے ہاتھ اس پر لکھی ہوئی قیمت سے کم یا زیادہ پر بیچا نہیں جا سکتا۔

مسئلہ (۱): کسی نے اگر کوئی سودا ادھار پر خریدا تو یہ بھی درست ہے، لیکن اس میں یہ بات ضروری ہے کہ کوئی مدت مقرر کر کے کہہ دے کہ پندرہ دن میں یا مہینے میں یا چار مہینے میں تمہاری رقم دے دوں گا۔ اگر کوئی مدت مقرر نہیں کی، صرف اتنا کہہ دیا کہ ابھی پیسے نہیں پھر دے دوں گا، پس اگر یوں کہا: "میں اس شرط سے خریدتا ہوں کہ قیمت بعد میں دوں گا" تو بیع فاسد ہوگئی اور اگر خریدتے وقت یہ شرط نہیں لگائی، خریدنے کے بعد کہہ دیا کہ قیمت بعد میں دوں گا تو کوئی حرج نہیں اور اگر نہ خریدتے وقت کچھ کہا اور نہ خریدنے کے بعد کچھ کہا تب بھی بیع درست ہوگئی اور ان دونوں صورتوں میں اس چیز کی قیمت ابھی دینی پڑے گی، البتہ اگر بیچنے والا کچھ دن کی مہلت دے دے تو اور بات ہے، لیکن اگر وہ مہلت نہ دے اور ابھی قیمت مانگے تو دینی پڑے گی۔

مسئلہ (۲): کسی نے خریدتے وقت یوں کہا: "فلاں چیز مجھے دے دو، جب ہمارے پاس پیسے آ جائیں گے تو قیمت لے لینا" یا یوں کہا: "جب میرا بھائی آئے گا تب دے دوں گا" یا یوں کہا: "جب کھیتی کٹے گی تب دے دوں گا" یا بائع نے کہا: "تم لے لو جب جی چاہے قیمت دے دینا"، یہ بیع فاسد ہوگئی۔ کوئی مدت مقرر کر کے لینا چاہیے اور اگر خریدنے کے بعد یہ کہا تو بیع ہو گئی اور بیچنے والے کو اختیار ہے کہ ابھی قیمت مانگ لے، لیکن صرف کھیتی کٹنے کے مسئلہ میں کھیتی کٹنے سے پہلے نہیں مانگ سکتا۔

مسئلہ (۳): نقد قیمت پر سو روپے میں دس کلو گندم بکتی ہے مگر کسی کو ادھار پر لینے کی وجہ سے دکاندار نے سو روپے کے آٹھ کلو گندم دے دی تو یہ بیع درست ہے، البتہ اسی وقت معلوم ہو جانا چاہیے کہ ادھار پر خریدے گا یا نقد پر۔ اگر اسی مجلس میں یہ طے ہو گیا کہ ادھار پر لے گا یا نقد پر تو جائز ہے اور اگر کچھ طے نہیں ہوا اور بات یوں ہی گول مول رہ گئی تو جائز نہیں۔

مسئلہ (۴): ایک مہینے کے وعدے پر کوئی چیز خریدی، پھر ایک مہینہ پورا ہونے کے بعد بیچنے والے سے کہا کہ پندرہ دن کی مہلت اور دیدو اور وہ بیچنے والا بھی اس پر راضی ہو گیا تو پندرہ دن کی مہلت اور مل گئی اور اگر وہ راضی نہیں ہوا تو کسی وقت مطالبہ کر سکتا ہے۔

مسئلہ (۵): جب کسی کے پاس رقم موجود ہو تو ناحق کسی کو ٹالنا کہ آج نہیں کل آنا، اِس وقت نہیں اُس وقت آنا، ابھی کھلے نہیں، جب کھلے ہو جائیں گے تو دے دیں گے، یہ سب باتیں حرام ہیں۔ جب وہ مانگے اسی وقت کھلے کروا کر قیمت ادا کر دینا چاہیے، البتہ اگر ادھار خریدا ہے تو جتنے دن کے وعدے پر خریدا ہے اتنے دن کے بعد دینا واجب ہوگا، وعدہ کا وقت پورا

ہونے کے بعد ٹالنا جائز نہیں، لیکن اگر واقعتاً کسی کے پاس نہیں، نہ کہیں سے انتظام کرسکتا ہے تو مجبوری ہے، جب مل جائے اس وقت ٹال مٹول نہ کرے۔

خیار کی تین اقسام

۱- خیارِ شرط (واپسی کی شرط لگانا):

مسئلہ ۱: خریدتے وقت یہ کہا کہ ایک دن یا دو دن یا تین دن تک مجھے لینے نہ لینے کا اختیار ہے، دل چاہے گا لے لوں گا ورنہ واپس کردوں گا تو یہ درست ہے۔ جتنے دن کا کہا ہے اتنے دن تک واپس کرنے کا اختیار ہے، چاہے لے لے، چاہے واپس کردے۔

مسئلہ ۲: کسی نے کہا: ''تین دن تک مجھے لینے نہ لینے کا اختیار ہے''، پھر تین دن گزر گئے اور اس نے کوئی جواب نہیں دیا، نہ وہ چیز واپس کی تو اب وہ چیز لینی پڑے گی، بیچنے والے کی رضامندی کے بغیر واپس کرنے کا اختیار نہیں رہا، البتہ اگر وہ خوشی سے واپس لے لے تو درست ہے۔

مسئلہ ۳: تین دن سے زیادہ کی شرط رکھنا درست نہیں۔ اگر کسی نے چار پانچ دن کی شرط رکھی تو اگر تین دن کے اندر اس نے واپس کردیا تو بیع فسخ ہوگئی اور اگر کہہ دیا کہ میں نے لے لیا تو بیع درست ہوگئی اور اگر تین دن گزر گئے اور کچھ معلوم نہیں ہوا کہ لے گا یا نہیں تو بیع فاسد ہوگئی۔

مسئلہ ۴: اسی طرح بیچنے والا بھی کہہ سکتا ہے کہ تین دن تک مجھے اختیار ہے، اگر چاہوں گا تو تین دن کے اندر واپس لے لوں گا تو یہ بھی جائز ہے۔

مسئلہ ۵: خریدتے وقت کہہ دیا تھا کہ تین دن تک مجھے واپس کرنے کا اختیار ہے، پھر دوسرے دن آیا اور کہا کہ میں نے وہ چیز لے لی، اب واپس نہیں کروں گا تو اختیار ختم ہوگیا، اب واپس نہیں کرسکتا، بلکہ اگر دوسرے فریق کی غیر موجودگی میں مثلاً اپنے گھر ہی میں آکر کہہ دیا کہ میں نے یہ چیز لے لی ہے اب واپس نہیں کروں گا تب بھی اختیار ختم ہوگیا اور جب بیع کو فسخ کرنا چاہتا ہو تو بیچنے والے کے سامنے فسخ کرنا چاہیے، اس کی غیر موجودگی میں ختم کرنا درست نہیں۔

مسئلہ ۶: کسی نے کہا: ''تین دن تک میرے والد صاحب یا بھائی کو اختیار ہے، اگر وہ کہیں گے تو لے لوں گا، ورنہ واپس کردوں گا'' تو یہ بھی درست ہے، اب تین دن کے اندر وہ خود یا اس کا والد یا بھائی واپس کرسکتے ہیں اور اگر خود وہ یا

اس کا والد کہہ دے کہ میں نے لے لی، اب واپس نہیں کروں گا تو اب واپس کرنے کا اختیار نہیں رہا۔

مسئلہ ⑦: کسی نے تین دن تک واپس کرنے کی شرط لگائی تھی پھر وہ چیز اپنے گھر میں استعمال کرنا شروع کر دی تو اب واپس کرنے کا اختیار نہیں رہا۔ البتہ اگر صرف دیکھنے کے لیے استعمال کیا ہے تو واپس کرنے کا حق ہے، مثلاً: سلا ہوا کرتہ یا چادر یا دری خریدی تو یہ دیکھنے کے لیے ایک مرتبہ پہن کر دیکھا کہ یہ کرتہ ٹھیک آتا ہے یا نہیں اور پھر فوراً اتار دیا یا چادر اوڑھ کر اس کی لمبائی دیکھی یا دری بچھا کر اس کی لمبائی اور چوڑائی دیکھی تو اب بھی واپس کرنے کا حق حاصل ہے۔

۲- خیار رؤیت (دیکھے بغیر چیز خریدنا):

مسئلہ ①: کسی نے بغیر دیکھے کوئی چیز خرید لی تو یہ بیع درست ہے، لیکن دیکھنے کے بعد اس کو اختیار ہے، پسند ہو تو رکھے ورنہ واپس کر دے، اگرچہ اس میں کوئی عیب نہ ہو، جس طرح کی چیز کا کہا تھا ویسی ہی ہو تب بھی رکھنے نہ رکھنے کا اختیار ہے۔

مسئلہ ②: کسی نے دیکھے بغیر اپنی چیز بیچ دی تو اس بیچنے والے کو دیکھنے کے بعد واپس لینے کا اختیار نہیں، دیکھنے کے بعد اختیار صرف لینے والے کو ہوتا ہے۔

مسئلہ ③: کوئی شخص مٹر کی پھلیاں یا ایسی کوئی چیز بیچنے کے لیے لایا جو سب ایک جیسی ہوتی ہیں، اس میں اوپر اوپر تو اچھی اچھی تھیں، ان کو دیکھ کر پورا ٹوکرا لے لیا لیکن نیچے خراب نکلیں تو اب بھی اس کو واپس کرنے کا اختیار ہے، البتہ اگر سب پھلیاں ایک جیسی ہوں تو تھوڑی سی پھلیاں دیکھ لینا کافی ہے، پھر چاہے سب پھلیاں دیکھے چاہے نہ دیکھے، واپس کرنے کا اختیار نہیں رہے گا۔

مسئلہ ④: امرود، انار یا نارنگی وغیرہ کوئی ایسی چیز خریدی کہ سب ایک جیسی نہیں ہوا کرتیں تو جب تک سب نہ دیکھے تب تک اختیار رہتا ہے، تھوڑا سا دیکھ لینے سے اختیار ختم نہیں ہوتا۔

مسئلہ ⑤: اگر کھانے پینے کی کوئی چیز خریدی تو اس میں صرف دیکھ لینے سے اختیار ختم نہیں ہوگا، بلکہ چکھنا بھی چاہیے، اگر چکھنے کے بعد پسند نہ آئے تو واپس کرنے کا اختیار ہے۔

مسئلہ ⑥: خریدنے سے کافی عرصہ پہلے کوئی چیز دیکھی تھی، بعد میں اس کو خرید لیا لیکن ابھی دیکھا نہیں، پھر جب گھر لا کر دیکھا تو جیسے دیکھا تھا بالکل ویسے ہی اس کو پایا تو اب دیکھنے کے بعد واپس کرنے کا اختیار نہیں، البتہ اگر کوئی فرق ہو گیا ہو تو دیکھنے کے بعد اس کے لینے نہ لینے کا اختیار ہوگا۔

۳- خیارِ عیب (سودے میں عیب نکل آنا):

مسئلہ ①: جب کوئی چیز بیچے تو اس میں جو خرابی ہو وہ ظاہر کر دینی چاہیے، عیب چھپانا اور دھوکہ دے کر بیچ دینا حرام ہے۔

مسئلہ ②: کوئی چیز خریدنے کے بعد اس میں کوئی عیب نظر آیا، جیسے: کپڑے کو چوہوں نے کتر ڈالا ہے یا کوئی اور عیب نکل آیا تو اب اس خریدنے والے کو اختیار ہے چاہے تو رکھ لے اور چاہے تو واپس کر دے، لیکن اگر رکھنا چاہے تو پوری قیمت دینی پڑے گی، اس عیب کے بدلے قیمت کا کچھ حصہ کاٹ لینا درست نہیں، البتہ اگر قیمت کم کرنے پر بیچنے والا بھی راضی ہو جائے تو کمی درست ہے۔

مسئلہ ③: کوئی چیز خریدنے کے بعد اس میں کوئی عیب پیدا ہوا مثلاً: کسی نے کوئی کپڑا خرید کر رکھا تھا کہ کسی لڑکے نے اس کا ایک کونا پھاڑ ڈالا یا قینچی سے کتر ڈالا۔ اس کے بعد دیکھا کہ وہ اندر سے خراب ہے، جا بجا چوہے کتر گئے ہیں تو اب اس کو بیچنے والے کی رضامندی کے بغیر واپس نہیں کر سکتا، کیونکہ اس میں اس کے پاس آنے کے بعد ایک اور عیب پیدا ہو گیا ہے، البتہ بیچنے والے کے پاس جو عیب تھا، اس کے بدلے قیمت کم کر دی جائے گی۔ اس کے معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو دکھایا جائے جو اس کی قیمت سے واقف ہوں اور جتنا وہ بتائیں اتنی قیمت کم کر دینی چاہیے۔

مسئلہ ④: اسی طرح اگر کپڑا خریدا اور کاٹنے کے بعد عیب کا پتہ چلا تب بھی واپس نہیں کر سکتا، البتہ عیب کی وجہ سے قیمت کم کر دی جائے گی، لیکن اگر بیچنے والا کہے کہ میرا کٹا ہوا کپڑا دیدو اور اپنی پوری قیمت واپس لے لو، میں قیمت کم نہیں کر سکتا تو اس کو یہ اختیار حاصل ہے، خریدنے والا انکار نہیں کر سکتا۔ اگر کپڑا کاٹ کر سی بھی لیا تھا، پھر عیب معلوم ہوا تو عیب کے بدلے قیمت کم کر دی جائے گی اور بیچنے والا اس صورت میں اپنا کپڑا نہیں لے سکتا، اسی طرح اگر اس خریدنے والے نے وہ کپڑا بیچ دیا یا اپنے نابالغ بچے کے پہنانے کی نیت سے کاٹ دیا بشرطیکہ اس کی ملکیت میں دینے کی نیت کی ہو اور پھر اس میں عیب نکلا تو اب قیمت کم نہیں کی جائے گی اور اگر بالغ اولاد کی نیت سے کاٹا تھا اور سی بھی دیا تھا تو اب قیمت کم کی جائے گی۔

مسئلہ ⑤: کسی نے کچھ انڈے خریدے، جب توڑے تو سب خراب نکلے تو سب کی قیمت واپس لے سکتا ہے اور یوں سمجھیں گے گویا اس نے بالکل خریدے ہی نہیں اور اگر کچھ گندے نکلے اور کچھ صحیح تو خراب انڈوں کی قیمت واپس لے سکتا ہے اور اگر کسی نے یکمشت بہت سارے انڈے یہ کہہ کر خریدے کہ یہ سب انڈے میں نے مثلاً سو روپے میں خرید لیے تو دیکھا

جائے کہ کتنے خراب نکلے؟ اگر سو میں پانچ چھ خراب نکلے، تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑا اور اگر زیادہ خراب نکلے تو خراب انڈوں کی قیمت کا حساب کر کے رقم واپس لے سکتا ہے۔

مسئلہ ۶: کھیرا، ککڑی، خربوزہ، تربوز، لوکی، بادام، اخروٹ، وغیرہ کچھ خریدا۔ جب توڑے تو اندر سے بالکل خراب نکلے تو دیکھو کہ استعمال کے قابل ہیں یا بالکل خراب اور پھینک دینے کے قابل ہیں؟ اگر بالکل خراب ہوں تو یہ بیع بالکل صحیح نہیں ہوئی، اپنی ساری قیمت واپس لے لے اور اگر کسی کام میں آسکتے ہوں تو بازار میں اس مقصد کے لیے ان کی جتنی قیمت ہو وہ دی جائے گی۔ پوری قیمت نہیں دی جائے گی۔

مسئلہ ۷: اگر سو بادام میں چار پانچ خراب نکلے تو اس سے بیع پر کوئی فرق نہیں پڑا اور اگر زیادہ خراب نکلے تو جتنے خراب ہیں ان کی قیمت کاٹ لینے کا اختیار ہے۔

مسئلہ ۸: کسی نے ایک من گندم خریدی یا دو کلو گھی خرید لیا یا اور کوئی تل کر بکنے والی چیز خریدی، اس میں سے کچھ صحیح نکلا اور کچھ خراب، تو یہ جائز نہیں کہ صحیح لے کر خراب واپس کر دے، بلکہ اگر لینا ہے تو سب لے لے اور واپس کرنا ہے تو سب واپس کرے، البتہ اگر بیچنے والا راضی ہو کہ صحیح صحیح لے لو اور خراب واپس کر دو تو ایسا کرنا درست ہے۔

مسئلہ ۹: کسی چیز میں عیب نکل آنے کے بعد اس کو واپس کرنے کا اختیار اسی وقت ہے جب عیب دار چیز لینے پر کسی طرح رضامندی ثابت نہ ہوئی ہو اور اگر اس کے لینے پر راضی ہو جائے تو پھر اس کو واپس کرنا جائز نہیں، البتہ بیچنے والا خوشی سے واپس لے لے تو واپس کرنا درست ہے، جیسے: کسی نے ایک بکری یا گائے وغیرہ کوئی چیز خریدی اور گھر لانے کے بعد معلوم ہوا کہ وہ بیمار ہے یا اس کے بدن میں کہیں زخم ہے، پس اگر دیکھنے کے بعد اپنی رضامندی ظاہر کرے کہ میں نے عیب دار ہی لے لی تو اب واپس کرنے کا اختیار نہیں رہا اور اگر زبان سے نہیں کہا لیکن کوئی ایسا کام کیا جس سے رضامندی معلوم ہوتی ہے جیسے اس کا علاج کرنے لگا تب بھی واپس کرنے کا اختیار نہیں رہا۔

مسئلہ ۱۰: بکری کا گوشت خریدا، پھر معلوم ہوا کہ بھیڑ کا گوشت ہے تو واپس کر سکتا ہے۔

مسئلہ ۱۱: موتیوں کا ہار یا اور کوئی زیور خریدا اور کچھ وقت اس کو پہن لیا یا جوتا خریدا اور پہن کر چلنے پھرنے لگا تو اب کسی عیب کی وجہ سے واپس کرنے کا اختیار نہیں رہا، البتہ اگر اس غرض سے پہنا کہ دیکھوں پاؤں میں آتا ہے یا نہیں اور پیر کو چلنے میں کوئی تکلیف تو نہیں ہوتی؟ تو یہ معلوم کرنے کے لیے کچھ دیر پہننے میں حرج نہیں، اس کے بعد بھی واپس کر سکتا ہے۔ اسی طرح

اگر کوئی چارپائی یا تخت خریدا اور کسی ضرورت سے اس کو بچھا کر بیٹھ گیا یا تخت پر نماز پڑھی اور استعمال کرنے لگا تو اب واپس کرنے کا اختیار نہیں رہا، اسی طرح دیگر چیزوں کے بارہ میں سمجھ لو کہ اگر کوئی چیز استعمال کر لی تو پھر واپس کرنے کا اختیار نہیں رہے گا۔

مسئلہ (۱۲): بیچتے وقت کسی نے کہہ دیا کہ خوب دیکھ بھال کر لے لو، اگر بعد میں کوئی عیب نکلے یا خراب ہو تو میں ذمہ دار نہیں ہوں گا، اس طرح کہنے کے بعد بھی اس نے لے لیا تو اب چاہے جتنے عیب اس میں نکلیں اس کو واپس کرنے کا اختیار نہیں اور اس طرح بیچنا بھی درست ہے۔ اتنی وضاحت کر دینے کے بعد عیب بتانا بھی واجب نہیں۔

بیع باطل اور فاسد

مسئلہ (۱): جو بیع شریعت میں بالکل ہی غیر معتبر اور لغو ہو اور ایسا سمجھا جائے کہ اُس نے بالکل خریدا ہی نہیں اور اس نے بیچا ہی نہیں اس کو ''بیع باطل'' کہتے ہیں۔ اس کا حکم یہ ہے کہ خریدنے والا اس چیز کا مالک نہیں ہوا، وہ چیز اب تک اسی بیچنے والے کی ملکیت میں ہے، اس لیے خریدنے والے کے لیے نہ تو اس کا کھانا جائز ہے اور نہ کسی کو دینا بلکہ کسی طرح سے بھی اپنے کام میں لانا درست نہیں اور جو بیع ہو گئی لیکن اس میں کوئی خرابی آ گئی، اس کو ''بیع فاسد'' کہتے ہیں۔ اس کا حکم یہ ہے کہ جب تک خریدی ہوئی چیز خریدنے والے کے قبضہ میں نہ آ جائے اس وقت تک وہ چیز اس کی ملکیت میں نہیں آتی اور جب قبضہ کر لیا تو ملکیت میں آ گئی لیکن حلال طیب نہیں۔ اس لیے اس کو کھانا پینا یا کسی اور طرح سے اپنے استعمال میں لانا درست نہیں بلکہ ایسی بیع کو ختم کر دینا واجب ہے۔ لینا ہو تو دوبارہ نئے سرے سے بیع کریں۔ اگر یہ بیع نہیں توڑی بلکہ وہ چیز کسی اور کے ہاتھ بیچ دی تو گناہ ہوا اور اس دوسرے خریدنے والے کے لیے اس کا کھانا پینا اور استعمال کرنا جائز ہے اور یہ دوسری بیع درست ہو گئی، اگر نفع لے کر بیچا ہو تو نفع کو صدقہ کرنا واجب ہے، اپنے استعمال میں لانا درست نہیں۔

مسئلہ (۲): کسی کی زمین میں خود بخود گھاس اگی، نہ اس نے خود گھاس لگائی اور نہ اس کو پانی دے کر سینچا تو یہ گھاس بھی کسی کی ملکیت نہیں، جس کا دل چاہے کاٹ کر لے جائے، نہ اس کو بیچنا درست ہے اور نہ کاٹنے سے کسی کو منع کرنا درست ہے، البتہ اگر پانی دے کر سینچا اور خدمت کی ہو تو اس کی ملکیت ہو جائے گی، اب بیچنا بھی جائز ہے اور لوگوں کو منع کرنا بھی درست ہے۔

مسئلہ (۳): جانور کے پیٹ میں جو بچہ ہے، پیدا ہونے سے پہلے اس کو بیچنا باطل ہے اور اگر پورا جانور بیچ دیا تو

درست ہے لیکن اگر یوں کہہ دیا کہ میں یہ بکری تو بیچتا ہوں لیکن اس کے پیٹ کا بچہ نہیں بیچتا، جب پیدا ہوگا تو وہ میرا ہوگا تو یہ بیع فاسد ہے۔

مسئلہ ۴: جانور کے تھن میں جو دودھ ہے، دوہنے سے پہلے اس کو بیچنا باطل ہے۔ اسی طرح بھیڑ، دنبہ وغیرہ کے بال جب تک کاٹ نہ لے تب تک ان کو بیچنا ناجائز اور باطل ہے۔

مسئلہ ۵: جو شہتیر یا لکڑی چھت میں لگی ہوئی ہے، نکالنے سے پہلے اس کو بیچنا درست نہیں۔

مسئلہ ۶: آدمی کے بال اور ہڈی وغیرہ کسی چیز کو بیچنا ناجائز اور باطل ہے اور ان چیزوں کو اپنے کام میں لانا اور استعمال کرنا بھی درست نہیں۔

مسئلہ ۷: خنزیر کے سوا دوسرے مردار کی ہڈی، بال اور سینگ وغیرہ پاک ہیں، ان کو استعمال کرنا اور بیچنا جائز ہے۔

مسئلہ ۸: کسی نے کوئی چیز کسی سے مثلاً سو روپے میں خریدی اور اس پر قبضہ کر لیا لیکن ابھی تک قیمت ادا نہیں کی، پھر اتفاق سے بعد میں بھی اس کی قیمت ادا نہیں کر سکا یا اب اس کو رکھنا نہیں چاہتا، اس لیے اس نے بیچنے والے سے کہا کہ یہی چیز مجھ سے نوے روپے میں لے لیں، دس روپے میں آپ کو دے دوں گا تو اس طرح بیچنا اور لینا جائز نہیں۔ جب تک بائع کو قیمت ادا نہ کی ہو اس وقت تک اس چیز کو کم قیمت پر اس کے ہاتھ واپس بیچنا درست نہیں۔

مسئلہ ۹: کسی نے اس شرط پر اپنا مکان بیچا کہ ایک مہینے تک ہم حوالہ نہیں کریں گے بلکہ خود اس میں رہیں گے یا یہ شرط لگائی کہ اتنے روپے آپ ہمیں قرض دے دیں؛ یا کپڑا اس شرط پر خریدا کہ بائع ہی کاٹ کر اور سی کر دے گا یا یہ شرط لگائی کہ ہمارے گھر تک پہنچا دینا یا شریعت کے خلاف کوئی اور شرط لگا دی تو ان سب صورتوں میں بیع فاسد ہے۔

مسئلہ ۱۰: یہ شرط لگا کر ایک گائے خریدی کہ یہ چار سیر دودھ دیتی ہے تو بیع فاسد ہے، البتہ اگر کوئی مقدار مقرر نہیں کی، صرف یہ کہا کہ یہ گائے بہت دودھ دیتی ہے تو بیع جائز ہے۔

مسئلہ ۱۱: مٹی یا چینی کے کھلونے یعنی تصویریں بچوں کے لیے خریدیں تو یہ بیع باطل ہے، شریعت میں ان کی کوئی قیمت نہیں، لہٰذا ان کی کوئی قیمت ادا نہیں کی جائے گی۔ اگر کوئی توڑ دے تو اس کو کوئی تاوان بھی نہیں دینا پڑے گا۔

مسئلہ ۱۲: زمین اور مکان وغیرہ کے سوا اور جتنی چیزیں ہیں ان کے خریدنے کے بعد جب تک قبضہ نہ کر لے تب تک ان کو آگے بیچنا درست نہیں۔

مسئلہ (۱۲): ایک بکری یا اور کوئی چیز خریدی، کچھ دن بعد ایک اور شخص نے آ کر کہا کہ یہ بکری تو میری ہے، کسی نے ویسے ہی پکڑ کر بیچ دی ہے، اس کی نہیں تھی تو اگر وہ اپنا دعویٰ مسلمان قاضی کے یہاں دو گواہوں سے ثابت کر دے تو قاضی کے فیصلہ کے بعد بکری اسی دعویٰ کرنے والے کو دینی پڑے گی اور بکری کی قیمت اس سے نہیں لے سکتے بلکہ جب وہ بیچنے والا ملے تو اس سے قیمت وصول کر لے، اس آدمی سے کچھ نہیں لے سکتے۔

مسئلہ (۱۳): کوئی بکری یا گائے وغیرہ مرگئی تو اس کو بیچنا حرام و باطل ہے اور اس کی کھال اتار کر درست کر لینے اور بنا لینے کے بعد بیچنا اور اپنے استعمال میں لانا درست ہے۔

مسئلہ (۱۵): جب ایک شخص نے بھاؤ تاؤ کر کے قیمت مقرر کر لی اور وہ بیچنے والا اس قیمت پر رضامند بھی ہے تو اس وقت کسی دوسرے کے لیے جائز نہیں کہ قیمت بڑھا کر وہ چیز خود لے لے۔ اسی طرح یوں کہنا بھی درست نہیں کہ تم اس سے نہ لو، ایسی چیز میں آپ کو اس سے کم قیمت پر دے دوں گا۔

مسئلہ (۱۶): کسی نے آپ کو پانچ روپے کے چار امرود دیے، پھر کسی اور نے اس سے پانچ روپے کے پانچ لے لیے تو اب تمہیں اس سے ایک اور امرود لینے کا حق نہیں، زبردستی کر کے لینا ظلم اور حرام ہے۔ جس سے جو کچھ طے ہو بس اتنا ہی لینے کا اختیار ہے۔

مسئلہ (۱۷): کوئی شخص کچھ بیچنا چاہتا ہے لیکن تمہارے ہاتھ بیچنے پر راضی نہیں ہوتا تو اس سے زبردستی لے کر قیمت دے دینا جائز نہیں، کیونکہ وہ اپنی چیز کا مالک ہے، چاہے بیچے یا نہ بیچے اور جس کے ہاتھ چاہے بیچے۔

مسئلہ (۱۸): دس روپے کے ایک کلو آلو لیے، اس کے بعد تین چار آلو زبردستی اور لے لیے تو یہ درست نہیں، البتہ اگر وہ خود اپنی خوشی سے کچھ اور دیدے تو اس کا لینا جائز ہے۔ اسی طرح جو دام طے کر لیے ہیں، چیز لے لینے کے بعد اب اس سے کم دام دینا درست نہیں، البتہ اگر وہ اپنی خوشی سے کچھ کم کر دے تو کم دے سکتا ہے۔

مسئلہ (۱۹): جس کے گھر میں شہد کا چھتا لگا ہے وہی اس کا مالک ہے، کسی اور کے لیے اس کو توڑنا درست نہیں اور اگر اس کے گھر میں کسی پرندے نے بچے دیے تو وہ گھر والے کی ملکیت نہیں بلکہ جو پکڑے اسی کے ہیں لیکن بچوں کو پکڑنا اور ستانا درست نہیں، کیونکہ شہد زمین کی پیداوار کی طرح ہے جبکہ پرندے زمین کی پیداوار نہیں ہیں البتہ اگر کسی نے اپنی زمین میں پرندے پکڑنے کا انتظام کیا مثلاً جال وغیرہ ڈالے تو پرندے اسی کے ہوں گے۔

اضافہ

آزاد عورت کی خرید و فروخت:

بعض علاقوں میں رواج ہے کہ عورت کا باپ یا دوسرے رشتہ دار کچھ رقم کے عوض عورت کو دوسروں کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں، پھر خریدنے والا جہاں چاہتا ہے اس کا نکاح کراتا ہے یا خود اس سے نکاح کرتا ہے، یہ عمل ناجائز اور حرام ہے۔ آزاد عورت کے عوض میں ملنے والا مال بھی حرام ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں قیامت کے دن تین آدمیوں کے خلاف فریق بنوں گا، ایک وہ جس نے کسی کو میرے نام کا وعدہ دیا اور پھر وعدہ خلافی کی، دوسرا وہ جس نے کسی آزاد شخص کو فروخت کیا اور اس کی قیمت لے کر کھالی، تیسرا وہ جس نے کسی کو مزدوری پر رکھا اور اس سے پورا پورا کام لیا اور اس کی اجرت نہیں دی۔''[1]

بیعانہ کی رقم ضبط کرنا:

سودا طے ہو جانے کے بعد اگر خریدنے والا چیز کو نہ لینا چاہے تو بائع کو سودا ختم کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا، اس کو پورا حق ہے کہ وہ مشتری سے پوری قیمت وصول کر کے چیز اس کے حوالے کر دے لیکن اگر اس نے چیز واپس لے لی تو پوری قیمت زرِ بیعانہ سمیت واپس کرنا ضروری ہے، بیعانہ ضبط کرنا جائز نہیں۔[2]

قسطوں پر خرید و فروخت:

قسطوں پر خرید و فروخت جائز ہے اور ادھار کی وجہ سے نقد قیمت سے زیادہ پر بیچنا بھی صحیح ہے لیکن دو باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے:

۱۔ نقد اور ادھار میں سے کوئی ایک متعین کر کے سودا کریں، معاملے کو لٹکا کر نہ رکھیں کہ اگر فلاں وقت تک ادائیگی کی تو یہ قیمت، ورنہ وہ قیمت۔

۲۔ بروقت ادا نہ کرنے کی صورت میں بطورِ جرمانہ قیمت میں اضافے یا چیز کی مفت ضبطی وغیرہ کوئی فاسد شرط نہ رکھیں۔

۱- بخاری شریف: ۱/ ۲۹۷، أحسن الفتاوی: ٦/ ۲۷۹

۲- إمداد الأحکام: ۳/ ۳۷۸، أحسن الفتاوی: ٦/ ۵۰۰

ان دو باتوں کا خیال نہ رکھا گیا تو معاملہ ناجائز ہو جائے گا۔[1]

انعامی بانڈز خریدنا:

انعامی بانڈز کی حقیقت یہ ہے کہ حکومت عوام سے قرض لیتی ہے اور بانڈز کے نام سے قرض کی رسید جاری کرتی ہے، قرض دینے پر لوگوں کو آمادہ کرنے کے لیے حکومت نے یہ اسکیم بنائی ہے کہ پرائز بانڈ خریدنے والوں کو ان کی اصل رقم کی واپسی کے ساتھ کچھ اضافی رقم بھی بنام انعام دی جاتی ہے لیکن تمام قرض دہندگان کو نہیں، بلکہ وہ رقم بذریعہ قرعہ اندازی بعض خریداروں کو دی جاتی ہے، اس میں جو رقم ملتی ہے وہ یقینی سود ہے، اس لیے ایسا معاملہ کرنا حرام اور ناجائز ہے۔[2]

پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ اور سود کا حکم:

پراویڈنٹ فنڈ کے حکم کی تفصیل درجِ ذیل ہے:

۱- وصول ہونے سے پہلے پراویڈنٹ فنڈ کی رقم پر زکوٰۃ فرض نہیں، وصول ہونے کے بعد بھی گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ فرض نہیں، آئندہ کے لیے یہ تفصیل ہے: اگر یہ شخص پہلے سے صاحبِ نصاب ہے تو اس نصاب پر سال پورا ہونے سے اس کے ساتھ پراویڈنٹ فنڈ والی رقم کی زکوٰۃ بھی فرض ہو جائے گی۔

اور اگر پہلے سے صاحبِ نصاب نہیں تھا، پراویڈنٹ فنڈ کی رقم ملنے سے صاحبِ نصاب ہو گیا تو قمری مہینے کی جس تاریخ میں یہ رقم ملی ہے اس کے بعد ایک سال گزرنے پر زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے۔

۲- پراویڈنٹ فنڈ میں ملازم کی جمع شدہ تنخواہ سے زائد ملنے والی رقم حلال ہے۔ جو ماہانہ کٹوتی میں جمع کی جاتی ہے وہ بھی اور جو مجموعہ پر سود کے نام سے جمع ہوتی ہے وہ بھی، شرعاً یہ سود نہیں۔

۳- اگر پراویڈنٹ فنڈ کی رقم کسی بیمہ کمپنی کے حوالہ کر دی گئی تو اس پر زکوٰۃ فرض ہو جائے گی اس تفصیل کے مطابق جو اوپر فنڈ وصول ہونے کے بعد سے متعلق لکھی گئی۔ باقی اس صورت میں بیمہ کمپنی سے ملنے والا سود حرام ہے۔[3]

فرضی بیع:

کسی مصلحت سے جائیداد وغیرہ کی فرضی بیع کی تو اگر فریقین اس بیع کے فرضی ہونے پر متفق ہوں تو ملکیت منتقل نہیں ہو گی

۱- بحوث ۱/۷، أحسن الفتاوی: ۶/۵۱۹

۲- بحوث ۲/۲۳٤، أحسن الفتاوی: ۷/۲٦

۳- أحسن الفتاوی: ۷/۳۷

اور چیز بدستور بائع کی رہے گی اور اگر دونوں میں سے کوئی بھی اس بیع کے حقیقی ہونے کا دعویٰ کرے گا تو یہ بیع نافذ ہو جائے گی اور فروخت شدہ چیز مشتری کی شمار ہوگی۔[۱]

جائیداد کسی اور کے نام کرنا:

جائیداد کی دستاویز میں مالک کے علاوہ کسی اور کا نام درج کر دیا گیا تو اس سے جائیداد اس شخص کی ملکیت نہیں ہو جاتی۔ جب تک کوئی ایسا عقد درمیان میں نہ ہو جس سے ملکیت منتقل ہوتی ہے مثلاً بیع، ہبہ وغیرہ اس وقت تک شرعاً ملکیت منتقل نہیں ہوتی۔ لہٰذا صرف دستاویز میں کسی کا نام لکھنے سے جائیداد اس شخص کی نہیں ہوگی۔[۲]

وقتِ مقررہ سے پہلے ادائیگی کی شرط پر قرض میں کمی کرنا:

ایک شخص کا دوسرے پر کسی مقررہ مدت میں واجب الادا قرضہ تھا، قرض دار نے اس شرط پر وقتِ مقررہ سے پہلے ادائیگی کی پیشکش کی کہ اس کے بدلے قرضہ میں سے کچھ حصہ کم کر دیا جائے، قرض خواہ نے یہ قبول کر لیا یا قرض خواہ نے ہی اس شرط پر کمی کی پیشکش کی اور قرض دار نے قبول کر لی تو یہ ناجائز ہوگا اور قرض دار کے لیے اس شرط کی وجہ سے ملنے والی چھوٹ حلال نہ ہوگی۔[۳]

تصویر اور مجسمے کی تجارت:

مجسموں اور تصاویر کی خرید و فروخت ناجائز ہے، ایسے کاروبار سے حاصل ہونے والی آمدنی حرام ہے۔[٤]

کسی جاندار کی شکل والے ایسے کھلونے جن کی آنکھیں، ناک وغیرہ بنی ہوئی ہوں، ان کا حکم بھی یہی ہے۔[٥]

۱- إمداد الفتاوىٰ: ۳/ ۲۹

۲- إمداد الفتاوىٰ: ۳/ ۳۱

۳- أحسن الفتاوى: ۷/ ۱۸۰، إمداد الأحكام: ۳/ ٤۸۲

٤- إمداد الأحكام: ۳/ ۳۸۳

۵- فتاوىٰ محموديه: ٦/ ۷۵، ۷٦

باب المرابحۃ والتولیۃ

(قیمتِ خرید بتا کر نفع کے ساتھ یا اسی قیمت پر بیچنا)

مرابحہ کا بیان

مرابحہ اسلامی فقہ کی ایک اصطلاح ہے اور اس سے مراد ایک خاص قسم کی بیع ہوتی ہے جس میں گاہک کو اصل لاگت بتا کر اس پر نفع کی شرح متعین کر لی جاتی ہے، مثلاً اگر کوئی بائع اپنے خریدار کے ساتھ اس پر اتفاق کر لیتا ہے کہ وہ اسے ایک متعین سامان متعین نفع پر دے گا جسے اس سامان کی لاگت پر زائد کیا جائے گا تو اسے ''مرابحہ'' کہا جاتا ہے۔ مرابحہ کا بنیادی عنصر یہ ہے کہ بیچنے والا اس لاگت کو ظاہر کرتا ہے جو اس نے اس سامان کے حصول پر برداشت کی ہے اور اس پر کچھ نفع شامل کر لیتا ہے، یہ نفع ایک متعین رقم کی شکل میں بھی ہوسکتا ہے اور فیصدی شرح پر مبنی بھی۔

مرابحہ کی صورت میں ادائیگی بروقت بھی ہوسکتی ہے اور بعد میں آنے والی کسی تاریخ پر بھی جس پر فریقین متفق ہوں۔ اس لیے مرابحہ لازمی طور پر مؤجل ادائیگی پر دلالت نہیں کرتا جیسا کہ عموماً وہ لوگ خیال کرتے ہیں جو کہ اسلامی فقہ سے زیادہ شناسائی نہیں رکھتے اور انہوں نے بینکنگ کے معاملات کے حوالے ہی سے مرابحہ کا نام سنا ہوتا ہے۔

مرابحہ اپنی اصل شکل میں ایک سادہ بیع ہے۔ وہ واحد خصوصیت جو اسے باقی اقسام کی بیوع سے ممتاز کرتی ہے وہ یہ ہے کہ مرابحہ میں بائع صراحتاً خریدار کو یہ بتاتا ہے کہ اسے کتنی لاگت آئی ہے اور لاگت پر وہ کتنا نفع لینا چاہتا ہے۔ اگر کوئی شخص کوئی چیز ایک متعین قیمت پر فروخت کرتا ہے جس میں لاگت کا کوئی حوالہ نہیں ہے تو یہ مرابحہ نہیں ہے، اگرچہ وہ اپنی لاگت پر نفع بھی کمائے، اس لیے کہ یہ بیع لاگت پر کچھ زائد شامل کرنے کے تصور پر مبنی نہیں ہے۔ اس صورت میں یہ بیع ''مساومہ'' کہلاتی ہے۔

یہ ہے مرابحہ کی اصطلاح کا حقیقی مفہوم جو کہ ایک خالص اور سادہ بیع ہے۔ اس کے احکام کا خلاصہ یہ ہے:

مرابحہ کے احکام کا خلاصہ

۱- مرابحہ بیع کی ایک خاص قسم ہے جس میں بیچنے والا شخص بیچی جانے والی چیز کی لاگت صراحتاً بیان کرتا اور اس پر کچھ منافع شامل کر کے دوسرے شخص کو بیچتا ہے۔

۲- مرابحہ میں نفع کا تعین باہمی رضامندی سے دو طریقوں میں سے کسی طریقے سے کیا جا سکتا ہے: یا تو لگی بندھی مقدار طے کر لی جائے (مثلاً اصل لاگت پر اتنے روپے زائد) یا اصل لاگت پر خاص تناسب طے کر لیا جائے (یعنی اصل لاگت پر اتنے فیصد زائد)

۳- بیچی جانے والی اشیاء حاصل کرنے کے لیے بائع کو جتنا خرچ کرنا پڑا ہے مثلاً: مال برداری کا کرایہ اور کسٹم ڈیوٹی وغیرہ، وہ سب لاگت میں شامل ہوگا اور نفع اس مجموعی لاگت پر لاگو کیا جائے گا، لیکن کاروبار کے وہ خرچے جو ایک ہی مرتبہ چیز حاصل کرنے پر نہیں ہوتے بلکہ بار بار ہوتے رہتے ہیں جیسا ملازمین کی تنخواہیں، عمارت کا کرایہ وغیرہ، انہیں انفرادی معاملے میں لاگت میں شامل نہیں کیا جا سکتا، البتہ اصل لاگت پر جو نفع متعین کیا جائے گا اس میں خرچوں کا بھی لحاظ رکھا جا سکتا ہے۔

۴- مرابحہ اسی صورت میں صحیح ہوگا جبکہ چیز کی پوری لاگت متعین کی جا سکتی ہو، اگر چیز کی پوری لاگت متعین نہ کی جا سکتی ہو تو اسے مرابحہ کے طور پر نہیں بیچا جا سکتا۔ اس صورت میں وہ چیز ''مساومہ'' کی بنیاد پر بھی بیچی جا سکتی ہے، یعنی لاگت اور اس پر طے شدہ نفع کے حوالے کے بغیر۔ اس صورت میں قیمت باہمی رضامندی سے ایک متعین مقدار میں طے کی جائے گی۔

مثال:

۱- ''الف'' نے جوتوں کا ایک جوڑا سو روپے میں خریدا، وہ اسے دس فیصد مارک اپ پر بطورِ مرابحہ بیچنا چاہتا ہے۔ اصل لاگت چونکہ پورے طور پر معلوم ہے اس لیے بیع مرابحہ درست ہے۔

۲- ''الف'' نے ایک ہی عقد میں ایک ریڈی میڈ سوٹ اور جوتوں کا ایک جوڑا پانچ سو روپے میں خریدا۔ اب وہ سوٹ اور جوتے دونوں ملا کر بطورِ مرابحہ بیچ سکتا ہے، لیکن وہ صرف جوتے بطورِ مرابحہ نہیں بیچ سکتا، اس لیے کہ صرف جوتوں کی لاگت متعین نہیں کی جا سکتی، اگر وہ صرف جوتے ہی بیچنا چاہتا ہے تو انہیں لاگت اور اس پر نفع کے حوالے کے بغیر ایک لگی بندھی قیمت پر بیچنا ہوگا۔

۳- مرابحہ میں قیمت نقد بھی رکھی جاسکتی ہے اور ادھار بھی، ادھار کی صورت میں اسے ''مرابحۃ مؤجلۃ'' کہیں گے۔ اس کے جائز ہونے کی شرط یہ ہے کہ قیمت کے بروقت ادا نہ کرنے کی صورت میں کوئی شرط فاسد نہ لگائی جائے، مثلاً یہ شرط نہ ہو کہ ادا شدہ قسطیں ضبط کرلی جائیں گی یا جرمانہ ادا کرنا پڑے گا وغیرہ۔

چند مسائل[1]:

مسئلہ ①: کسی نے کوئی چیز سو روپے میں خریدی تھی اور آگے بیچتے وقت گاہک کو وہی قیمت خرید نہیں بتا رہا تو اب اس کو اختیار ہے، چاہے وہ چیز سو روپے میں ہی بیچے یا دو تین سو روپے میں بیچے، اس میں کوئی گناہ نہیں، اس کو ''بیع مساومۃ'' کہتے ہیں اور عام طور پر یہی بیع ہوا کرتی ہے۔

لیکن اگر اگلے خریدار کو اطمینان دلانے کے لیے اسے اپنی قیمت خرید بتلادی اور معاملہ اس طرح طے ہوا کہ مثلاً بیس فیصد منافع لے کر ہمارے ہاتھ بیچ دو، اس نے کہا: ''ٹھیک ہے میں بیس فیصد نفع پر بیچتا ہوں'' تو اب بیس فیصد سے زیادہ نفع لینا جائز نہیں۔ اس کو ''بیع مرابحہ'' کہتے ہیں۔

اور اگر کسی نے کہا: ''یہ چیز میں آپ کو اتنی قیمت پر دیتا ہوں جتنی پر میں نے خریدی ہے، نفع نہیں لیتا'' تو اب نفع لینا درست نہیں، قیمت خرید ہی صحیح صحیح بتادینا واجب ہے۔ اس کو ''بیع تولیہ'' کہتے ہیں۔

مسئلہ ②: سودا اس طرح طے کیا کہ مثلاً: دس فیصد نفع پر مجھے بیچ دو، اس نے کہا: ''میں نے اتنے ہی نفع پر بیچا'' یا یہ کہا: ''جتنے کا لیا ہے اتنے ہی پر بیچ دو''، اس نے کہا: ''تم وہی دیدو، نفع نہ دو''، لیکن اس نے ابھی یہ نہیں بتایا کہ یہ چیز کتنے کی خریدی ہے؟ تو دیکھو اگر اسی جگہ الگ ہونے سے پہلے وہ خرید کر دام بتادے تب تو یہ بیع صحیح ہے اور اگر اسی جگہ نہ بتائے، بلکہ یوں کہے: ''آپ لے جائیں، حساب دیکھ کر بتایا جائے گا'' تو یہ بیع فاسد ہے۔

مسئلہ ③: اصل قیمت اور نفع کی مقدار بتاکر بیچا پھر لینے کے بعد اگر معلوم ہوا کہ اس نے قیمت خرید غلط بتائی ہے اور نفع وعدہ سے زیادہ لیا ہے تو خریدنے والے کو قیمت کم دینے کا اختیار نہیں بلکہ اگر خریدنا چاہے تو وہی قیمت دینی پڑے گی جس پر اس نے بیچا ہے، البتہ یہ اختیار ہے کہ اگر لینا نہ چاہے تو واپس کردے؛ اور اگر قیمت خرید پر بیچنے کا اقرار تھا اور یہ وعدہ تھا کہ میں نفع نہیں لوں گا، پھر اس نے قیمت خرید غلط اور زیادہ بتائی تو جتنا زیادہ بتایا ہے، اس کے لینے کا حق نہیں، لینے والے کو

---

[1] - یہاں تک کے مسائل حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب کی کتاب ''اسلامی بینکاری کی بنیادیں'' سے لیے گئے تھے۔ اب یہاں سے بہشتی زیور کے مسائل شروع ہو رہے ہیں۔ ان میں سے کچھ باتیں مکرر معلوم ہوں گی مگر یہ تکرار مفید بھی تھا اور ناگزیر بھی۔

اختیار ہے کہ صرف قیمتِ خرید دے اور جو زیادہ بتایا ہے وہ نہ دے۔

مسئلہ ۴: کسی نے کوئی چیز ادھار خریدی تو جب تک دوسرے خریدنے والے کو یہ نہ بتائے کہ میں نے یہ چیز ادھار لی ہے، اس وقت تک اس کو نفع پر بیچنا یا قیمتِ خرید پر بیچنا جائز نہیں،[1] بلکہ بتادے کہ یہ چیز میں نے ادھار خریدی تھی، پھر اس طرح نفع لے کر یا قیمتِ خرید پر بیچنا درست ہے، کیونکہ نقد خریدنے پر چیز کی قیمت نسبتاً کم ہوتی ہے اور ادھار میں زیادہ۔ اگر ادھار خریدی اور یہ نہیں بتایا کہ اس نے ادھار خریدی ہے تو اگلے خریدار کو دھوکہ ہوگا کہ شاید اس نے نقد اس قیمت پر لی ہے، البتہ اگر قیمتِ خرید کا کوئی ذکر نہ کرے تو جتنی قیمت پر چاہے بیچے، درست ہے۔

مسئلہ ۵: کسی نے ایک کپڑا تین سو روپے کا خریدا، پھر پچاس روپے دے کر اس کو رنگوایا یا اس کو دھلوایا یا سلوایا تو اب ایسا سمجھیں گے کہ ساڑھے تین سو روپے کا اس نے خریدا ہے، لہٰذا اب ساڑھے تین سو روپے اس کی اصلی قیمت ظاہر کر کے نفع لینا درست ہے مگر یوں نہ کہے کہ ساڑھے تین سو روپے کا میں نے لیا ہے بلکہ یوں کہے: ''ساڑھے تین سو روپے میں یہ چیز مجھے پڑی ہے''، تاکہ جھوٹ نہ ہو۔

مسئلہ ۶: ایک بکری چار ہزار روپے میں خریدی، پھر ایک مہینہ تک اس کے پاس رہی اور پانچ سو روپے اس کی خوراک میں لگ گئے تو اس کی قیمت چار ہزار پانچ سو روپے ظاہر کر کے نفع لینا درست ہے، البتہ اگر وہ دودھ دیتی ہو تو جتنا دودھ دیا ہے اتنا گھٹانا پڑے گا۔ مثلاً: اگر مہینے بھر میں تین سو روپے کا دودھ دیا ہے تو اب اصلی قیمت چار ہزار دو سو روپے ظاہر کرے اور یوں کہے کہ چار ہزار دو سو میں مجھے پڑی ہے۔
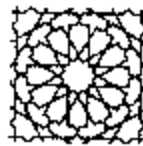
۱۔ یعنی مرابحہ یا تولیہ کے طور پر بیچنا جائز نہیں کہ دھوکے کا احتمال ہے۔ اگر ''مساومہ'' کے طور پر بیچے اور قیمتِ خرید گاہک کو بالکل نہ بتائے تو درست ہے۔

بابُ الرِّبَا

(سود اور سودی لین دین)

تعریف:[1]

سود کبھی تو قرض میں ہوتا ہے اور کبھی چیزوں کے لین دین میں:

☆ قرض لینے دینے میں جو سود ہوتا ہے اس کی تعریف یہ ہے: ''قرض پر مشروط اضافہ'' یعنی قرض دیتے وقت شرط لگا کر اضافی رقم لینا۔ اگر شرط نہ لگائی لیکن عام عرف اور رواج یہی ہے کہ اضافہ کے ساتھ ہی قرض واپس ہوتا ہے ویسے نہیں، تو یہ بھی شرط کی طرح ہے اور حرام ہے۔

البتہ اگر اضافہ صراحۃً مشروط یا عرفاً مروّج نہ ہو بلکہ مقروض بغیر کسی سابقہ معاہدے، شرط یا عرف و رواج کے ویسے ہی کوئی چیز قرض دینے والے کو ہدیہ میں دے تو یہ سود نہیں۔

☆ چیزوں کے لین دین میں سود کی تعریف یوں ہوگی: ''ہم جنس چیزوں کے ناپ یا تول کے ساتھ تبادلہ میں اضافہ یا ادھار'' یعنی جب ایسی ہم جنس[2] چیزوں کا لین دین کیا جا رہا ہے جو وزن سے تول کر یا پیمانے سے (نہ کہ گز سے) ناپ کر بکتی ہیں تو اس میں نہ کسی ایک طرف اضافہ کیا جا سکتا ہے اور نہ ادھار کی گنجائش ہے۔ بلکہ یکساں مقدار کے ساتھ ہاتھ در ہاتھ لینا دینا ضروری ہوگا اگرچہ ایک چیز اچھی اور عمدہ اور دوسری ناقص اور کم درجے کی ہو۔ اگر اضافہ کیا گیا تو اسے ''ربا حقیقی'' کہتے ہیں اور ادھار کیا گیا تو اسے ''ربا حکمی'' کہتے ہیں۔[3] ربا کی یہ دونوں قسمیں حرام اور ناجائز ہیں۔

۱- ربا، وکالت، کفالت، حوالہ وغیرہ کی تعریفات مرتبین کی طرف سے اضافہ کی گئی ہیں۔

۲- ہم جنس چیزوں کا مطلب واضح ہے کہ دونوں طرف ایک ہی چیز ہو، جیسے گیہوں کے بدلے گیہوں اور چنے کے بدلے چنے کا لین دین کرنا۔

۳- ادھار کو ''حکمی ربا'' کہنے کی وجہ یہ ہے کہ دو چیزیں اگرچہ برابر برابر ہوں لیکن جو چیز فی الحال دی جاتی ہے اس کی حیثیت اور مانگ اس چیز کی بنسبت زیادہ ہوتی ہے جو بعد میں دی جائے۔ اس طرح ایک فریق گھاٹے میں رہتا ہے۔ یہ فرق حقیقی ربا تو نہیں لیکن حکمی ربا ضرور ہے۔

حکم:

سودی لین دین کا بہت سخت گناہ ہے۔قرآن مجید اور حدیث شریف میں اس پر بڑی سخت وعیدیں اور اس سے بچنے کی بڑی تاکید آئی ہے۔رسول اللہ ﷺ نے سود دینے والے، لینے والے، سودی دستاویز لکھنے والے اور سودی معاملہ پر گواہ بننے والے پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ یہ سب گناہ میں برابر کے شریک ہیں، اس لیے اس سے بہت زیادہ بچنا چاہیے۔سود کے مسائل بہت نازک ہیں۔بعض دفعہ ذرا ذرا سی بات میں سود کا گناہ ہو جاتا ہے اور بے علمی میں لوگوں کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ یہ گناہ ہو گیا۔ہم ضروری ضروری مسائل یہاں بیان کرتے ہیں۔لین دین کے وقت ہمیشہ ان کا خیال رکھا جائے۔

چیزیں پانچ قسم کی ہیں:

(۱) ایک تو سونا چاندی یا ان سے بنی ہوئی چیز۔

(۲) وہ چیزیں جو تل کر بکتی ہیں، جیسے: لوہا، تانبہ، روئی، ترکاری وغیرہ۔

(۳) وہ چیزیں جو پیمانے سے ناپ کر بکتی ہیں، جیسے: اناج، غلہ[1] وغیرہ۔

(٤) چوتھی وہ چیزیں جو گز سے ناپ کر بکتی ہیں، جیسے: کپڑا وغیرہ۔

(۵) پانچویں وہ جو گنتی کے حساب سے بکتی ہیں جیسے: انڈے، اخروٹ، نارنگی، بکری، گائے، گھوڑا وغیرہ۔

آخری چار قسموں میں سے چونکہ دوسری اور تیسری کا حکم ایک جیسا اور چوتھی پانچویں کا حکم بھی ایک جیسا ہے، اس لیے ان دو دو قسموں کو اکٹھے بیان کیا جائے گا۔

(۱) سونا چاندی اور ان کی بنی ہوئی چیزیں:[2]

مسئلہ ۱: سونا چاندی خریدنے کی کئی صورتیں ہیں: ایک تو یہ ہے کہ چاندی کو چاندی سے اور سونے کو سونے سے خریدا جائے، یعنی دونوں طرف ایک ہی قسم کی چیز ہے تو اس صورت میں دو باتیں واجب ہیں: ایک تو یہ کہ دونوں طرف کی چاندی یا دونوں طرف کا سونا برابر ہو۔دوسرے یہ کہ جدا ہونے سے پہلے پہلے ہی دونوں طرف سے پورا پورا لین دین ہو جائے، کوئی ادھار باقی نہ رہے۔اگر ان دونوں باتوں میں سے کسی بات کے خلاف کیا تو سود ہو گیا، مثلاً: ایک تولہ چاندی لی تو

۱- اناج، غلہ کا لین دین پہلے زمانے میں زیادہ تر ناپ سے ہوتا تھا۔آج کل وزن کا رواج زیادہ ہو گیا ہے۔

۲- بہشتی زیور میں زیوارت کے متعلق مسائل اس زمانے کے احکام پر مشتمل ہیں جب چاندی کے روپے اور اشرفیوں کا رواج تھا، آج کل چونکہ وہ صورتیں رائج نہیں اس لیے زیورات سے متعلق آج کل کے بہت سارے مسائل بہشتی زیور کی بجائے دیگر کتب فقہ وفتویٰ سے لے کر یہاں درج کیے گئے ہیں۔

اس کے بدلے میں ایک تولہ چاندی ہی دینا واجب ہے، اس سے کم زیادہ کرنا سود ہے۔ اسی طرح اگر ایک نے چاندی دی، دوسرے نے اس مجلس میں نہیں دی، بعد میں دینے کا وعدہ کیا تو یہ بھی جائز نہیں۔

مسئلہ ۲: دوسری صورت یہ ہے کہ دونوں طرف ایک قسم کی چیز نہیں، بلکہ ایک طرف چاندی اور دوسری طرف سونا ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ وزن کا برابر ہونا ضروری نہیں، ایک تولہ چاندی کے بدلے میں جتنا چاہے سونا لے، جائز ہے۔ اسی طرح ایک تولہ سونے کے بدلے جتنی چاہے چاندی لے، جائز ہے لیکن جدا ہونے سے پہلے پہلے لین دین پورا ہو، ادھار نہ ہو۔

مسئلہ ۳: دو تولے سونا اور ایک تولہ چاندی کو ایک تولہ سونا اور پچاس تولے چاندی کے عوض فروخت کرنا صحیح ہے اور یوں سمجھیں گے کہ دو تولے سونا پچاس تولے چاندی کے عوض میں اور ایک تولہ چاندی ایک تولہ سونے کے عوض میں ہے۔ ایسا ہم اس وقت سمجھیں گے جب خرید و فروخت کرنے والوں نے اپنی زبان سے کچھ اور نہ کہا ہو اور اگر انہوں نے یہ کہا کہ دو تولہ سونا ایک تولے سونے کے عوض میں اور ایک تولہ چاندی پچاس تولے چاندی کے عوض میں ہے تو اب ان کی بات کا اعتبار ہو گا اور معاملہ سودی ہو جائے گا۔

مسئلہ ۴: سونے کے زیور یا برتن کو سونے یا چاندی کے عوض فروخت کیا اور قیمت کا مثلاً نصف حصہ آپس میں جدا ہونے سے پہلے ادا کر دیا تو آدھے زیور و برتن میں بیع صحیح ہو جائے گی اور باقی آدھے میں صحیح نہ ہو گی، لہٰذا یہ زیور یا برتن بائع و مشتری کے درمیان مشترک ہو جائے گا اور مذکورہ مثال میں نصف بائع کا ہو گا اور نصف مشتری کا ہو گا۔

مسئلہ ۵: زیور میں دو تولے سونا ہو اور تین تولے وزن کے نگینے ہوں تو اس زیور کو پانچ تولے خالص سونے کے عوض فروخت کرنا جائز ہے، لیکن قیمت کے پانچ تولہ سونے میں سے دو تولہ سونا اسی وقت دینا ضروری ہے، باقی تین تولہ سونے میں ادھار ہو سکتا ہے۔

مسئلہ ۶: ایک شخص کے ذمہ مثلاً پچاس تولہ چاندی کا قرض ہے۔ مقروض نے قرض خواہ کے ہاتھ اس چاندی کے عوض ایک تولہ سونا فروخت کیا تو صحیح ہے اور اگر قرض کی چاندی کا ذکر نہیں کیا بلکہ پچاس تولہ چاندی کو مطلق ذکر کیا یعنی فقط یوں کہا کہ ایک تولہ سونا تمہارے ہاتھ پچاس تولہ چاندی کے عوض فروخت کیا، اس سے قرض خواہ کے ذمے بھی پچاس تولہ چاندی ثابت ہوئی پھر مقروض اور قرض خواہ نے آپس میں حساب برابر کر لیا تو یہ بھی جائز ہے۔

مسئلہ ۷: کھوٹی اور خراب چاندی دے کر اچھی چاندی خریدنا ہے اور اچھی چاندی وزن میں کھوٹی کے برابر نہیں

مل سکتی تو اس کی تدبیر یہ ہے کہ پہلے خراب چاندی روپوں میں بیچ دی جائے اور جو رقم ملے اس پر قبضہ کرنے کے بعد اس سے اچھی چاندی خرید ی جائے۔

کاغذی کرنسی کے بدلے سونے چاندی کی خرید وفروخت:

مسئلہ ۸: موجودہ رائج الوقت کاغذی نوٹوں سے سونا چاندی نقد یا ادھار خریدنا جائز ہے۔[1]

اگر کسی کو یہ خیال ہو کہ دو روپے اور اس سے زائد کے نوٹ تو رسید ہوتے ہیں کیونکہ ان پر لکھا ہوتا ہے: ''بینک دولت پاکستان مطالبہ پر اتنے روپے ادا کرے گا'' تو اس کا ایک آسان جواب یہ ہے کہ اب ان کے پیچھے کوئی چیز نہیں، نہ سونا چاندی نہ کچھ اور، عرصہ ہوا ان کے رسید ہونے کا تصور معدوم ہو چکا ہے اور عرفاً وعملاً ان ہی کو آلۂ تبادلہ اور ثمن سمجھا جاتا ہے۔

مسئلہ ۹: جن مسائل میں اسی وقت لین دین ہونا شرط ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں کے علیحدہ ہونے سے پہلے ہی لین دین ہو جائے۔ اگر ان میں سے ایک دوسرے سے الگ ہو گیا، اس کے بعد لین دین ہوا تو یہ بھی سود میں داخل ہے۔[2]

(۳،۲) تول کر یا پیمانے سے ناپ کر بکنے والی چیزیں:

مسئلہ ۱۰: جو چیزیں وزن سے تُل کر یا پیمانے سے ناپ کر بکتی ہیں[3] جیسے: اناج، گوشت، ترکاری، نمک، لوہا، تانبا وغیرہ، اس قسم کی چیزوں میں سے اگر ایک چیز کو اسی قسم کی چیز سے بیچنا اور بدلنا ہو، مثلاً: گیہوں دیکر گیہوں لے لی یا چاول دے کر چاول لیے یا آٹے کے عوض آٹا یا اسی طرح کوئی اور چیز، یعنی دونوں طرف ایک ہی قسم کی چیز ہے تو اس میں بھی ان دونوں باتوں کا خیال رکھنا واجب ہے۔ ایک تو یہ کہ دونوں طرف وزن بالکل برابر ہو، ذرا بھی کسی طرف کمی بیشی نہیں ہونی چاہیے، ورنہ سود ہو جائے گا۔ دوسری یہ کہ اسی وقت دونوں طرف سے لین دین اور قبضہ ہو جائے، اگر قبضہ نہ ہو تو کم سے کم اتنا ضرور ہو کہ دونوں گیہوں الگ کر کے رکھ دیے جائیں۔ ہر ایک اپنے گیہوں تول کر الگ رکھ دے کہ دیکھو یہ رکھے ہیں، جب تمہارا دل چاہے لے جانا۔ اسی طرح دوسرا بھی اپنے گیہوں تول کر الگ کر دے اور کہہ دے کہ یہ تمہارے گیہوں الگ رکھے ہیں، جب چاہو لے جانا۔ اگر یہ بھی نہیں کیا اور ایک دوسرے سے الگ ہو گئے تو سود کا گناہ ہوا۔

مسئلہ ۱۱: خراب گیہوں دے کر اچھے گیہوں لینے ہوں یا خراب آٹا دے کر اچھا آٹا لینا ہو اور اس کے برابر کوئی

۱- نقد ہر صورت میں جائز ہے، ادھار اس وقت جائز ہے کہ دونوں عوضوں (رقم اور سونا چاندی) میں سے ایک پر اسی مجلس میں قبضہ ہو۔

۲- اس لیے اگر سودا مکمل ہونے سے پہلے الگ ہونا پڑے تو معاملہ باطل ہو گیا۔ جب دوبارہ اکٹھے ہوں اور عقد کا ارادہ ہو تو نئے سرے سے عقد کریں۔

۳- پیمانے سے ناپ کر اس لیے کہا کہ جو چیزیں گز سے ناپ کر بکتی ہیں ان کا حکم الگ ہے اور آگے آ رہا ہے۔

نہیں دیتا تو سود سے بچنے کی ترکیب یہ ہے کہ اس گیہوں یا آٹے وغیرہ کو روپے سے بیچ دو، پھر روپے کے عوض اس سے وہ اچھے گیہوں یا آٹا خرید لو، یہ جائز ہے۔

مسئلہ (۱۲): اگر ایسی چیزوں میں جو تل کر بکتی ہیں ایک طرح کی چیز نہ ہو، مثلاً: گیہوں دے کر چاول لیے یا جو، چنا، جوار، نمک، گوشت، ترکاری وغیرہ کوئی اور چیز لی، غرض یہ کہ ایک طرف ایک چیز ہے اور دوسری طرف دوسری چیز، دونوں طرف ایک چیز نہیں تو اس صورت میں دونوں کا وزن برابر ہونا واجب نہیں۔ ایک سیر گیہوں دے کر چاہے دس سیر چاول وغیرہ لے لو تو بھی جائز ہے، البتہ وہ دوسری بات یہاں بھی واجب ہے کہ سامنے رہتے رہتے دونوں طرف سے لین دین ہو جائے یا کم سے کم اتنا ہو کہ دونوں کی چیزیں الگ کر کے رکھ دی جائیں۔ اگر ایسا نہ کیا تو سود کا گناہ ہوگا۔

مسئلہ (۱۳): اگر اس قسم کی چیز جو تل کر بکتی ہے روپے سے خریدی یا کپڑے وغیرہ کسی ایسی چیز سے بدل دی جو تل کر نہیں بکتی بلکہ گز سے ناپ کر بکتی ہے یا گنتی سے بکتی ہے مثلاً: ایک تھان کپڑا دے کر گیہوں وغیرہ لیے یا گیہوں، چنے دے کر انڈے وغیرہ ایسی چیزیں لیں جو گن کر بکتی ہیں، غرض یہ کہ ایک طرف ایسی چیز ہے جو تل کر بکتی ہے اور دوسری طرف گنتی سے یا گز سے ناپ کر بکنے والی چیز ہے تو اس صورت میں ان دونوں باتوں میں سے کوئی بھی واجب نہیں۔ ایک روپے کے چاہے جتنے گیہوں آٹا ترکاری خریدے، اسی طرح کپڑا دے کر جتنا چاہے اناج لے، گیہوں چنے وغیرہ دے کر چاہے جتنے انڈے لے اور چاہے اسی وقت اس جگہ رہتے رہتے لین دین ہو جائے اور چاہے الگ ہونے کے بعد، ہر طرح یہ معاملہ درست ہے۔

مسئلہ (۱۴): سرسوں دے کر سرسوں کا تیل لیا یا تل دے کر تل کا تیل لیا تو دیکھو: اگر تیار تیل اس تیل سے یقیناً زیادہ ہے جو اس سرسوں اور تل میں سے نکلے گا تو یہ معاملہ اسی وقت قبضہ ہونے کی صورت میں صحیح ہے اور اگر اس کے برابر یا کم ہو یا شک ہو کہ شاید اس سے زیادہ نہ ہو تو بہر حال درست نہیں، بلکہ سود ہے۔

مسئلہ (۱۵): گائے کا گوشت دے کر بکری کا گوشت لیا تو دونوں کا برابر ہونا واجب نہیں، کمی بیشی جائز ہے مگر اسی وقت قبضہ ہو۔

مسئلہ (۱۶): یہ جتنے مسائل بیان ہوئے سب میں اسی وقت آمنے سامنے لین دین ہو جانا یا کم از کم اسی وقت سامنے دونوں چیزیں الگ کر کے رکھ دینا شرط ہے، اگر ایسا نہیں کیا تو سودی معاملہ ہوا۔

(٥،٤) گز سے ناپ کر یا گن کر بکنے والی چیزیں:

مسئلہ (۱۷): جو چیزیں گز سے ناپ کر یا گن کر بکتی ہیں ان کا حکم یہ ہے کہ اگر ایک ہی قسم کی چیز دے کر اسی قسم کی چیز لو جیسے: کپڑا دے کر دوسرا کپڑا لیا، انڈے دے کر دوسرے انڈے لیے یا نارنگی دے کر نارنگی لی تو برابر ہونا شرط نہیں، کمی بیشی جائز ہے، لیکن اسی وقت لین دین ہو جانا واجب ہے اور اگر ایک طرف ایک چیز ہے اور دوسری طرف دوسری چیز، مثلاً: انڈے دے کر نارنگی لی یا گیہوں دے کر امرود لیے یا لٹھا دے کر کھدر لیا تو بہر حال جائز ہے، نہ تو دونوں کا برابر ہونا واجب ہے اور نہ اسی وقت لین دین نمٹا دینا واجب ہے۔

آخری چار اقسام کا خلاصہ:

سب کا خلاصہ یہ ہوا کہ سونے چاندی کے علاوہ دوسری چیزوں میں اگر دونوں طرف ایک ہی چیز ہو اور وہ چیز وزن کے حساب سے تل کر یا پیمانے سے ناپ کر بکتی ہو جیسے: گیہوں کے عوض گیہوں، چنے کے عوض چنا وغیرہ، تب تو وزن میں برابر ہونا بھی واجب ہے اور اسی وقت آمنے سامنے لین دین ہو جانا بھی واجب ہے اور اگر دونوں طرف ایک ہی چیز ہے لیکن تل کر یا پیمانے سے ناپ کر نہیں بکتی بلکہ گز سے ناپ کر یا گن کر بکتی ہے جیسے: کپڑا دے کر ویسا ہی کپڑا لیا، انڈے دے کر انڈے لیے، نارنگی دے کر نارنگی لی یا ایک طرف سے ایک چیز اور دوسری طرف سے کوئی اور چیز ہے لیکن دونوں تل کر بکتی ہیں جیسے: گیہوں کے بدلے چنا، چنے کے بدلے جوار، ان دونوں صورتوں میں وزن میں برابر ہونا واجب نہیں، کمی بیشی جائز ہے، البتہ اسی وقت لین دین ہونا واجب ہے اور جہاں دونوں باتیں نہ ہوں یعنی دونوں طرف ایک چیز نہیں بلکہ ایک طرف ایک چیز ہے اور دوسری طرف دوسری چیز اور وہ دونوں وزن کے حساب سے یا پیمانے سے تل کر بھی نہیں بکتیں، وہاں کمی بیشی جائز ہے اور اسی وقت لین دین کرنا بھی واجب نہیں جیسے: کیلے دے کر نارنگی لیا۔ ان مسائل کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔

مسئلہ (۱۸): کسی نے ایک کلو آٹے سے پکائی ہوئی روٹیاں ایک کلو یا اس سے زیادہ آٹے کے بدلے میں بیچ دیں تو یہ جائز ہے، چاہے دونوں چیزوں پر اسی مجلس میں قبضہ ہو جائے یا ایک پر اسی وقت اور دوسری پر بعد میں ہو۔

بابُ السَّلَم (*)

(پیشگی قیمت لے کر کوئی چیز بیچنا)

اگر کسی چیز کی قیمت پہلے وصول کر لی جائے اور وہ چیز بعد کی کسی متعین تاریخ میں سپرد کی جائے تو اسے ''بیع سَلَم'' کہتے ہیں۔

شرعاً کسی بیع کے صحیح ہونے کے لیے بنیادی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ جس چیز کی بیع کا ارادہ ہے وہ بیچنے والے کے حسی یا معنوی قبضے میں ہو۔ اس شرط میں تین باتیں پائی جاتی ہیں:

۱۔ وہ چیز موجود ہو، لہٰذا ایسی چیز جو ابھی وجود میں نہیں آئی وہ بیچی نہیں جاسکتی۔

۲۔ بیچی جانے والی چیز پر بائع کی ملکیت آچکی ہو، لہٰذا وہ چیز موجود تو ہے لیکن بائع اس کا مالک نہیں ہے تو وہ اس کی بیع نہیں کرسکتا۔

۳۔ صرف ملکیت ہی کافی نہیں ہے بلکہ یہ بائع کے قبضے میں ہونی چاہیے، چاہے یہ قبضہ حسی ہو یا معنوی، اگر بائع اس چیز کا مالک تو ہے لیکن وہ خود یا اپنے کسی وکیل کے ذریعے اسے قبضے میں نہیں لایا تو وہ اسے بیچ نہیں سکتا۔

شریعت کے اس عمومی اصول سے صرف دو صورتیں مستثنیٰ ہیں: ایک سلم اور دوسری استصناع۔ دونوں مخصوص نوعیت کی بیع ہیں، اس باب میں یہ بتایا جائے گا کہ ان کا تصور کیا ہے اور انہیں کس حد تک استعمال کیا جاسکتا ہے؟

سَلَم کا معنیٰ:

''سَلَم'' ایک ایسی بیع ہے جس کے ذریعے بائع یہ ذمہ داری قبول کرتا ہے کہ وہ مستقبل کی کسی تاریخ میں متعین چیز خریدار کو فراہم کرے گا اور اس کے بدلے میں مکمل قیمت بیع کے وقت ہی پیشگی لے لیتا ہے۔

یہاں قیمت نقد ہے لیکن مبیع (بیچی جانے والی چیز) کی ادائیگی مؤجل اور مؤخر ہے۔ خریدار کو ''رب السلم'' اور بائع کو ''مسلم الیہ'' اور خریدی ہوئی چیز کو ''مسلم فیہ'' کہا جاتا ہے۔

---

*۔ سَلَم اور استصناع کا استعمال چونکہ اسلامی بینکوں میں سود کے جائز متبادل کے طور پر ہوتا ہے لہٰذا یہاں مشہور ماہر اقتصادیات حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کی کتاب ''اسلامی بینکاری کی بنیادیں'' سے ان دونوں کے بارے میں کچھ تفصیل نقل کی جارہی ہے۔ اس میں بعض باتیں مکرر معلوم ہوں گی لیکن اولاً تو اس سے بات کھلے گی، ثانیاً یہ تکرار بوجوہ ناگزیر تھا اس لیے اسے باقی رہنے دیا گیا۔

سَلَم کی حضورِاقدس ﷺ نے مخصوص شرائط کے ساتھ اجازت دی تھی۔ اس بیع کا بنیادی مقصد چھوٹے کاشتکاروں کی ضرورت کو پورا کرنا تھا، جنہیں اپنی فصل اُگانے کے لیے اور فصل کی کٹائی تک اپنی بیوی بچوں کے اخراجات پورے کرنے کے لیے رقم کی ضرورت ہوتی تھی۔ ربا کی حرمت کے بعد وہ سودی قرضہ نہیں لے سکتے تھے، اس لیے انہیں اجازت دی گئی کہ وہ اپنی زرعی پیداوار پیشگی قیمت پر فروخت کردیں۔

اسی طرح عرب تاجر دوسرے علاقوں کی طرف کچھ اشیاء برآمد کرتے تھے اور وہاں سے اپنے علاقے میں کچھ چیزیں درآمد کرتے تھے، اس مقصد کے لیے انہیں رقم کی ضرورت ہوتی تھی، ربا کی حرمت کے بعد یہ لوگ سودی قرضہ نہیں لے سکتے تھے، اس لیے انہیں اجازت دی گئی کہ وہ پیشگی قیمت پر یہ اشیاء فروخت کردیں، نقد قیمت وصول کر کے یہ لوگ اپنا مذکورہ بالا کاروبار بآسانی جاری رکھ سکتے تھے۔

سَلَم سے بائع کو بھی فائدہ پہنچتا تھا، اس لیے کہ قیمت پیشگی مل جاتی تھی اور خریدار کو بھی فائدہ پہنچتا تھا اس لیے کہ سَلَم میں قیمت عموماً نقد سودے کی نسبت کم ہوتی تھی۔

سَلَم کی اجازت اس عام قاعدے سے ایک استثناء ہے جس کے مطابق مستقبل کی طرف منسوب بیع جائز نہیں ہے، سَلَم کی یہ اجازت چند کڑی شرائط کے ساتھ مشروط ہے، ان شرائط کو ذیل میں مختصراً بیان کیا جاتا ہے۔

سَلَم کی شرائط:

۱۔ سَلَم کے جائز ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ خریدار پوری کی پوری قیمت عقد کے وقت ادا کردے۔ یہ اس لیے ضروری ہے کہ اگر عقد کے وقت خریدار قیمت کی مکمل ادائیگی نہ کرے تو یہ دَین (ادھار) کے بدلے میں دَین (ادھار) کی بیع کے مترادف ہوگا، جس سے رسول اللہ ﷺ نے صراحتاً منع فرمایا ہے۔ علاوہ ازیں سَلَم کے جواز کی بنیادی حکمت بائع کی فوری ضرورت کو پورا کرنا ہے، اگر قیمت اسے مکمل طور پر ادا نہیں کی جاتی تو عقد کا بنیادی مقصد فوت ہو جائے گا۔

اس لیے تمام فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ سَلَم میں قیمت کی مکمل ادائیگی ضروری ہے، البتہ امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ بائع خریدار کو دو یا تین دن کی رعایت دے سکتا ہے، یہ رعایت عقد کا باقاعدہ حصہ نہیں ہونی چاہیے۔

۲۔ سَلَم صرف انہی اشیاء میں ہوسکتی ہے جن کی کوالٹی اور مقدار کا پیشگی پورے طور پر تعین ہوسکتا ہو، ایسی اشیاء جن کی کوالٹی یا مقدار کا تعین نہ کیا جاسکتا ہو انہیں ''سلم'' کے ذریعے نہیں بیچا جاسکتا۔ مثال کے طور پر قیمتی پتھروں کی سَلَم کی بنیاد پر بیع

نہیں ہوسکتی، اس لیے کہ ان کا ہر ٹکڑا اور دانہ عموماً دوسرے سے معیار، سائز یا وزن میں مختلف ہوتا ہے اور ان کی بیان کے ذریعے تعیین عموماً ممکن نہیں ہوتی۔

۳- کسی متعین چیز یا متعین کھیت یا فارم کی پیداوار کی بیع سَلَم نہیں ہوسکتی، مثلاً: اگر بائع یہ ذمہ داری قبول کرتا ہے کہ وہ متعین کھیت کی گندم یا متعین درخت کا پھل مہیا کرے گا تو سَلَم صحیح نہیں ہوگی، اس لیے کہ اس بات کا امکان موجود ہے کہ ادائیگی سے پہلے ہی اس کھیت کی پیداوار یا اس درخت کا پھل تباہ ہوجائے، اس امکان کی وجہ سے بیچی ہوئی چیز کی ادائیگی غیر یقینی رہے گی، یہ قاعدہ ہر اس چیز پر لاگو ہوگا جس کی فراہمی یقینی نہ ہو۔

۴- یہ بھی ضروری ہے کہ جس چیز کی سَلَم کرنا مقصود ہو اس کی نوعیت اور معیار واضح طور پر متعین کرلیا جائے، جس میں کوئی ایسا ابہام باقی نہ رہے جو بعد میں تنازع کا باعث بن سکتا ہو، اس سلسلے میں تمام ممکنہ تفصیلات واضح طور پر ذکر کرلینی چاہئیں۔

۵- یہ بھی ضروری ہے کہ بیچی جانے والی چیز کی مقدار بغیر کسی ابہام کے متعین کرلی جائے، اگر چیز کی مقدار تاجروں کے عرف میں وزن کے ذریعے متعین کی جاتی ہے (یعنی وہ چیز تُل کر بکتی ہے) تو اس کا وزن متعین ہونا ضروری ہے اور اگر اس کی مقدار کا تعین پیمائش کے ذریعے ہوتا ہے تو اس کی متعین پیمائش معلوم ہونی چاہیے۔ جو چیز عموماً تولی جاتی ہے اس کی مقدار کا تعین (سلم کی صورت میں) پیمائش کے ذریعے سے نہیں ہونا چاہیے، اسی طرح پیمائش کی جانے والی چیز کی مقدار وزن میں متعین نہیں ہونی چاہیے۔

٦- بیچی گئی چیز کی سپردگی کی تاریخ اور جگہ کا تعین بھی عقد کے اندر ہونا چاہیے۔

۷- بیع سَلَم ایسی اشیاء کی نہیں ہوسکتی جن کی فوری ادائیگی ضروری ہوتی ہے، مثال کے طور پر اگر سونے کی بیع چاندی کے بدلے میں ہورہی ہے تو شرعاً ضروری ہے کہ دونوں چیزوں کی ادائیگی ایک ہی وقت میں ہو، اس لیے یہاں بیع سَلَم کارگر نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح اگر گندم کی بیع جو کے بدلے میں ہورہی ہو تو بیع کے صحیح ہونے کے لیے دونوں چیز پر ایک ہی وقت میں قبضہ ہونا ضروری ہے، اس لیے اس صورت میں سَلَم کا معاہدہ جائز نہیں ہے۔

تمام فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ سَلَم اس وقت تک صحیح نہیں ہوتی جب تک ان شرائط کو مکمل طور پر پورا نہیں کرلیا جاتا، اس لیے کہ یہ شرائط ایک صریح حدیث پر مبنی ہیں۔ اس سلسلے میں ایک معروف حدیث یہ ہے:

"مَنْ أَسْلَفَ فِي شَيْءٍ ، فَلْيُسْلِفْ فِي كَيْلٍ مَعْلُومٍ ، وَوَزْنٍ مَعْلُومٍ إِلَى أَجَلٍ مَعْلُومٍ ."

''جو شخص سَلَم کرنا چاہتا ہے اسے سَلَم کرنی چاہیے متعین پیائش اور متعین وزن میں ایک طے شدہ مدت تک۔''

البتہ ان شرائط کے علاوہ کچھ اور شرطیں بھی ہیں جن کے بارے میں مختلف فقہی مکاتب فکر کے مختلف نقطہ ہائے نظر ہیں، ان شرائط پر ذیل میں بحث کی جارہی ہے:

۱۔ فقہ حنفی کے مطابق یہ ضروری ہے کہ جس چیز کی بیع سَلَم ہورہی ہے وہ معاہدہ طے پانے کے دن سے قبضہ کے دن تک مارکیٹ میں دستیاب ہو، لہٰذا اگر عقدِ سَلَم کے وقت وہ چیز بازار میں دستیاب نہیں ہے تو اس کی بیع سَلَم نہیں ہوسکتی، اگرچہ اس بات کی توقع ہو کہ قبضے کے وقت وہ چیز بازار میں دستیاب ہوگی۔

لیکن فقہ شافعی، مالکی اور حنبلی کا نکتہ نظر یہ ہے کہ معاہدے کے وقت اس چیز کا دستیاب ہونا سَلَم کے صحیح ہونے کے لیے شرط نہیں ہے۔ ان کے ہاں جو چیز ضروری ہے وہ یہ ہے کہ وہ چیز قبضے کے وقت دستیاب ہو۔ موجودہ حالات میں اس نکتہ نظر پر عمل کیا جاسکتا ہے۔

۲۔ فقہ حنفی اور فقہ حنبلی کی رُو سے یہ ضروری ہے کہ قبضے کی مدت عقد کے وقت سے کم از کم ایک ماہ ہو، اگر قبضے کا وقت ایک مہینے سے پہلے کا مقرر کرلیا گیا تو سَلَم صحیح نہیں ہوگی۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ سَلَم کی اجازت چھوٹے کاشتکاروں اور تاجروں کی ضرورت کے لیے دی گئی ہے لہٰذا انہیں وہ چیز مہیا کرنے کے لیے مناسب وقت ملنا چاہیے۔ ایک مہینے سے پہلے وہ یہ سامان مہیا کرنے کے قابل نہیں ہوں گے، علاوہ ازیں سَلَم میں قیمت نقد سودے کی نسبت کم ہوتی ہے، قیمت میں یہ رعایت تب ہی قرین انصاف ہوگی جبکہ یہ سامان ایسی مدت کے بعد سپرد کیا جائے جس کا قیمتوں پر معقول اثر پڑسکتا ہو۔ ایک مہینے سے کم نہیں ہونا چاہیے۔

امام مالک اس بات سے تو اتفاق کرتے ہیں کہ سَلَم کے معاہدے کے لیے کم سے کم مدت ہونی چاہیے، لیکن ان کا موقف یہ ہے کہ یہ مدت پندرہ دن سے کم نہیں ہونی چاہیے، اس لیے کہ مارکیٹ کے ریٹ دو ہفتوں کے اندر اندر تبدیل ہوسکتے ہیں۔

اس نکتہ نظر سے (کہ کم از کم مدت شرعاً متعین ہے) دوسرے فقہاء مثلاً: امام شافعی اور بعض حنفی فقہاء نے اتفاق نہیں کیا، ان کا کہنا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے سَلَم کے صحیح ہونے کے لیے کم از کم مدت کا تعین نہیں فرمایا، حدیث کے مطابق شرط صرف یہ ہے کہ قبضے کا وقت واضح طور پر متعین ہونا چاہیے، لہٰذا کوئی کم از کم مدت بیان نہیں کی جاسکتی، فریقین باہمی رضامندی سے

قبضے کی کوئی بھی تاریخ متعین کر سکتے ہیں۔

موجودہ حالات میں یہ نکتہ نظر قابل ترجیح معلوم ہوتا ہے، اس لیے کہ حضور اقدس ﷺ نے کوئی کم از کم مدت متعین نہیں کی، فقہاء نے مختلف مدتیں ذکر کی ہیں جو ایک دن سے لے کر ایک مہینے تک ہیں۔ ظاہر ہے کہ فقہاء نے یہ مدتیں غریب بائع کے مفاد کو مدِ نظر رکھتے ہوئے تقاضائے مصلحت سمجھ کر مقرر کی ہیں، لیکن مصلحت، وقت اور جگہ کے بدلنے سے بدل سکتی ہے، بعض اوقات زیادہ قریب کی تاریخ مقرر کرنا بائع کے زیادہ مفاد میں ہوسکتا ہے، جہاں تک قیمت کا تعلق ہے تو یہ سَلَم کا لازمی عنصر نہیں ہے کہ سَلَم میں قیمت ہمیشہ اس دن کی بازاری قیمت سے کم ہی ہو، بائع اپنے مفاد کا خود بہتر فیصلہ کر سکتا ہے۔ اگر وہ اپنی آزادانہ مرضی سے پہلے کی کوئی تاریخ قبضہ کرانے کے لیے مقرر کر لیتا ہے تو اس کی کوئی وجہ نہیں کہ اسے ایسا کرنے سے روکا جائے۔ بعض معاصر فقہاء نے اس نکتہ نظر کو اختیار کیا ہے، اس لیے کہ یہ جدید معاہدوں کے لیے زیادہ موزوں ہے۔

بیع سَلَم درست ہونے کے لیے چند ضروری باتیں:[1]

مبیع کی تعیین:

۱- پہلی شرط یہ ہے کہ جو چیز خریدی جارہی ہے اس کی کیفیت خوب صاف صاف اس طرح بتادے کہ لیتے وقت دونوں میں جھگڑا نہ ہو، مثلاً: کہہ دے کہ فلاں قسم کی گندم دینا، بہت باریک نہ ہو، عمدہ ہو خراب نہ ہو، اس میں کوئی اور چیز چنا، مٹر وغیرہ نہ ملی ہو، اچھی طرح خشک ہو گیلی نہ ہو، غرض یہ کہ جس قسم کی چیز لینی ہو بتادینا چاہیے تاکہ لیتے وقت اختلاف نہ ہو۔ اگر اس وقت صرف اتنا کہہ دیا کہ ہزار روپے کی گندم دے دینا تو یہ ناجائز ہوا۔ یا یوں کہا کہ ہزار روپے کے چنے دے دینا یا چاول دیدینا، اس کی کوئی قسم نہیں بتائی تو یہ سب ناجائز ہے۔

قیمت کی تعیین:

۲- دوسری شرط یہ ہے کہ نرخ بھی اسی وقت طے کر لے کہ دس یا بارہ روپے کلو کے حساب سے لیں گے۔ اگر یوں کہا کہ اس وقت جو بازار کا بھاؤ ہو اس کے حساب سے دینا یا اس سے دو روپے یا دو فیصد زیادہ پر دینا تو یہ جائز نہیں۔ بازار کے بھاؤ کا کوئی اعتبار نہیں۔ اسی وقت نرخ مقرر کر لو اور وقت آنے پر اسی مقرر کیے ہوئے بھاؤ سے لے لو۔

۳- تیسری شرط یہ ہے کہ جتنے روپے کی گندم وغیرہ لینی ہو اسی وقت بتادو کہ ہم ہزار روپے یا دو ہزار روپے کی گندم لیں

۱- یہاں سے آگے کی عبارت بہشتی زیور کی ہے، اس سے پہلے کے مسائل ''اسلامی بینکاری کی بنیادیں'' مصنفہ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب سے لیے گئے ہیں۔

گے۔ اگر یہ نہیں بتایا اور یوں ہی گول مول کہہ دیا کہ کچھ رقم کے ہم بھی لیں گے تو یہ صحیح نہیں۔

مکمل قیمت کی ادائیگی:

۴- چوتھی شرط یہ ہے کہ اسی وقت اسی جگہ سب روپے دیدے۔ اگر معاملہ کرنے کے بعد الگ ہو کر پھر روپے دیے تو وہ معاملہ باطل ہو گیا، اب دوبارہ نئے سرے سے بیع کرنا چاہیے۔ اسی طرح اگر کچھ روپے تو اسی وقت دے دیے اور باقی دوسرے وقت دیے تو جتنے روپے دیے اس میں بیع سَلَم باقی رہی اور جتنے نہیں دیے اس میں باطل ہو گئی۔

مدت کی تعیین:

۵- پانچویں شرط یہ ہے کہ چیز لینے کی مدت کم سے کم ایک مہینہ مقرر کرے کہ ایک مہینے کے بعد فلاں تاریخ کو ہم گندم لیں گے، مہینے سے کم مدت مقرر کرنا صحیح نہیں اور زیادہ چاہے جتنی مقرر کرے، جائز ہے، لیکن دن، تاریخ، مہینہ سب مقرر کر دے تاکہ جھگڑا نہ ہو کہ وہ کہے میں ابھی نہیں دوں گا، تم کہو نہیں، آج ہی دو، اس لیے پہلے ہی سب کچھ طے کرلیا جائے۔ اگر دن، تاریخ، مہینہ مقرر نہیں کیا بلکہ یوں کہا کہ جب فصل کٹے گی تب دے دینا تو یہ صحیح نہیں۔

جگہ کی تعیین:

۶- چھٹی شرط یہ ہے کہ یہ بھی مقرر کردے کہ فلاں جگہ وہ گندم دینا یعنی اس شہر میں یا کسی دوسرے شہر میں، جہاں لینا ہو وہاں پہنچانے کے لیے کہہ دے یا یوں کہہ دے کہ ہمارے گھر یا دکان گودام پر پہنچا دینا۔ غرض یہ کہ جس جگہ لین دین چاہتے ہوں، صاف صاف بتادیں۔ اگر یہ نہیں بتایا تو بیع سَلَم صحیح نہیں ہوئی، البتہ اگر کوئی ہلکی پھلکی چیز ہو، جس کے لانے اور لیجانے میں کوئی مزدوری نہیں لگتی، مثلاً: مشک خریدا یا موتی ہیرا وغیرہ اور کوئی ایسی چیز تو لینے کی جگہ بتانا ضروری نہیں، جہاں یہ ملے اس کو دیدے۔ اگر ان شرائط کے مطابق کیا تو بیع سَلَم درست ہے، ورنہ نہیں۔

مبیع کی دستیابی:

۷- سَلَم کے صحیح ہونے کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ جس وقت معاملہ کیا ہے اس وقت سے لے کر وصول پانے تک وہ چیز بازار میں ملتی رہے، نایاب نہ ہو۔ اگر اس درمیان میں وہ چیز بالکل نایاب ہو جائے کہ اس ملک کے بازاروں میں نہ مل سکے، اگرچہ دوسری جگہ سے بہت زیادہ مشکلات برداشت کر کے منگوا سکے تو وہ بیع سَلَم باطل ہو گئی۔[1]

۱- اس پر کچھ بحث سَلَم کی شرائط کے آخر میں گذر چکی ہے۔

چند مسائل:

مسئلہ ۱: فصل کٹنے سے پہلے یا کٹنے کے بعد کسی کو ہزار روپے دیے اور کہا کہ دو یا تین مہینے کے بعد فلاں مہینے کی فلاں تاریخ میں ہم آپ سے اس ہزار روپے کی گندم لیں گے اور نرخ اسی وقت طے کر لیا کہ مثلاً: دس یا بارہ روپے کلو کے حساب سے لیں گے تو یہ بیع درست ہے، جس مہینے کا وعدہ ہوا ہے اس مہینے میں اس کو اسی قیمت پر گندم دینا پڑے گی، چاہے بازار میں اس سے مہنگی ہو یا سستی، بازار کے بھاؤ کا کوئی اعتبار نہیں۔

مسئلہ ۲: گندم وغیرہ غلہ کے علاوہ اور جو چیزیں ایسی ہوں کہ ان کی کیفیت بیان کر کے مقرر کر دی جائے کہ لیتے وقت جھگڑا ہونے کا ڈر نہ رہے تو ان کی بیع سَلَم بھی درست ہے، جیسے: انڈے، اینٹیں، کپڑا وغیرہ، مگر سب باتیں طے کر لے کہ اتنی بڑی اینٹ ہو، اتنی لمبی ہو، اتنی چوڑی ہو؛ کپڑا سوتی ہو، اتنا باریک ہو، اتنا موٹا ہو، غرض یہ کہ سب باتیں بتا دینی چاہئیں، کوئی اشتباہ باقی نہ رہے۔

مسئلہ ۳: سو روپے کی پانچ گٹھری کے حساب سے بھوسا بطور بیع سَلَم کے لیا تو یہ درست نہیں کیونکہ گٹھری کی مقدار میں بہت فرق ہوتا ہے، البتہ اگر کسی طرح سے سب کچھ مقرر اور طے کر لے یا وزن کے حساب سے بیع کرے تو درست ہے۔

مسئلہ ۴: معاملہ کرتے وقت یہ شرط لگا دی کہ فصل کٹنے پر فلاں مہینے میں ہم نئی فصل کے گیہوں لیں گے یا فلاں کھیت کے گیہوں لیں گے تو یہ معاملہ جائز نہیں، اس لیے یہ شرط نہیں لگانی چاہیے۔ پھر وقتِ مقررہ پر اس کو اختیار ہے، چاہے نئے دے یا پرانے، البتہ اگر نئے گیہوں کٹ چکے ہوں تو نئے کی شرط لگانا بھی درست ہے۔

مسئلہ ۵: کسی نے ہزار روپے کی گندم لینے کا معاملہ کیا تھا، وہ مدت گزر گئی مگر اس نے اب تک گندم نہیں دی، نہ دینے کی امید ہے تو اب اس سے ایک متعین مدت تک گندم کے بدلے کوئی اور چیز مثلاً: چنے وغیرہ لینا جائز نہیں یا تو وہ اس کو کچھ مہلت دے اور اس مہلت کے بعد گندم لے یا اپنا روپیہ واپس لے لے۔ اسی طرح اگر بیع سَلَم کو دونوں نے توڑ دیا کہ گندم نہیں لیں گے، روپیہ واپس دیدو یا انہوں نے نہیں توڑا بلکہ وہ معاملہ خود ہی ٹوٹ گیا، جیسے: وہ چیز نایاب ہو گئی، کہیں نہیں ملتی تو اس صورت میں اس کو صرف رقم لینے کا اختیار ہے، اس رقم کے بدلے اس سے کوئی اور چیز لینا درست نہیں۔ پہلے رقم واپس لے لے اور اس کے بعد اس سے جو چیز چاہے، خرید لے۔

☆☆☆

باب الاستصناع

(آرڈر پر کوئی چیز بنوانا)

استصناع اس بیع کی دوسری قسم ہے[1] جس میں چیز کے وجود میں آنے سے پہلے ہی سودا ہو جاتا ہے۔ استصناع کا معنی ہے: کسی تیار کنندہ (مینوفیکچرز) کو یہ آرڈر دینا کہ وہ خریدار کے لیے متعین چیز بنادے۔ اگر تیار کنندہ اپنے پاس سے خام مال لگا کر خریدار کے لیے چیز تیار کرنے کی ذمہ داری قبول کر لیتا ہے تو استصناع کا عقد وجود میں آجائے گا، لیکن استصناع کے صحیح ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ قیمت فریقین کی رضامندی سے طے کر لی جائے اور مطلوبہ چیز (جس کی تیار مقصود ہے) کے ضروری اوصاف بھی متعین کر لیے جائیں۔

استصناع کے معاہدے کی وجہ سے تیار کنندہ پر یہ اخلاقی ذمہ داری عائد ہو جاتی ہے کہ وہ اس چیز کو تیار کرے، لیکن تیار کنندہ کے اپنا کام شروع کرنے سے پہلے فریقین میں سے کوئی بھی دوسرے کو نوٹس دے کر معاہدہ منسوخ کر سکتا ہے، البتہ تیار کنندہ کے کام شروع کر دینے کے بعد معاہدہ یک طرفہ طور پر ختم نہیں کیا جا سکتا ہے۔

استصناع اور سَلَم میں فرق:

استصناع کی یہ نوعیت مدِنظر رکھتے ہوئے استصناع اور سَلَم میں کئی فرق ہیں جو یہاں مختصراً بیان کیے جا رہے ہیں:

۱- استصناع ہمیشہ ایسی چیز پر ہوتا ہے جسے تیار کرنے کی ضرورت ہو، جبکہ سَلَم ہر چیز کی ہو سکتی ہے چاہے اسے تیار کرنے کی ضرورت ہو یا نہ ہو۔

۲- سَلَم میں یہ ضروری ہے کہ قیمت مکمل طور پر پیشگی ادا کی جائے جبکہ استصناع میں یہ ضروری نہیں ہے۔

۳- سَلَم کا عقد جب ایک مرتبہ ہو جائے تو اسے یک طرفہ طور پر منسوخ نہیں کیا جا سکتا۔ جبکہ عقد استصناع کو سامان کی تیاری شروع ہونے سے پہلے منسوخ کیا جا سکتا ہے۔

۴- سپردگی کا وقت سَلَم میں بیع کا ضروری حصہ ہے جبکہ استصناع میں سپردگی کا وقت مقرر کرنا ضروری نہیں ہے۔

۱- پہلی قسم "سلم" ہے۔

استصناع اور اجارہ میں فرق:

یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ استصناع میں تیارکنندہ خود اپنے خام مال سے چیز تیار کرنے کی ذمہ داری قبول کرتا ہے، لہٰذا یہ معاہدہ اس بات کو بھی شامل ہوتا ہے کہ اگر خام مواد تیار کنندہ کے پاس موجود نہیں ہے تو وہ اسے مہیا کرے اور اس بات کو بھی کہ مطلوبہ چیز کی تیاری کے لیے کام کرے۔ اگر خام مواد گاہک کی طرف سے مہیا کیا گیا ہے اور تیار کنندہ سے صرف اس کی محنت اور مہارت مطلوب ہے تو یہ معاہدہ استصناع نہیں ہوگا، اس صورت میں یہ اجارے کا عقد ہوگا جس کے ذریعے کسی شخص کی خدمات ایک متعین معاوضے کے بدلے میں حاصل کی جاتی ہیں۔

جب مطلوبہ چیز کو بائع تیار کرلے تو اسے خریدار کے سامنے پیش کرے، فقہاء کے اس بارے میں مختلف نقطۂ ہائے نظر ہیں کہ اس مرحلے پر خریدار یہ چیز مسترد کرسکتا ہے یا نہیں؟ امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ خریدار وہ چیز دیکھنے پر اپنا خیار رؤیت استعمال کرسکتا ہے۔ اس لیے کہ استصناع ایک بیع ہے اور جب کوئی شخص کوئی ایسی چیز خریدتا ہے جو اس نے دیکھی نہیں ہے تو دیکھنے کے بعد اسے سودا منسوخ کرنے کا اختیار ہوتا ہے، استصناع پر بھی یہی اصول لاگو ہوگا۔

لیکن امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اگر فراہم کردہ چیز فریقین کے درمیان عقد کے وقت طے شدہ اوصاف کے مطابق ہے تو خریدار اسے قبول کرنے کا پابند ہوگا اور وہ خیار رؤیت استعمال نہیں کرسکے گا۔ خلافتِ عثمانیہ میں فقہاء نے اسی نکتہ نظر کو ترجیح دی تھی اور حنفی قانون اسی کے مطابق مدون کیا گیا تھا۔ اس لیے کہ جدید صنعت وتجارت میں یہ بڑی نقصان کی بات ہوگی کہ تیار کنندہ نے اپنے تمام وسائل مطلوبہ چیز کی تیاری پر لگادے۔ اس کے بعد خریدار کوئی وجہ بتائے بغیر سودا منسوخ کردے، اگرچہ فراہم کردہ چیز مطلوبہ اوصاف کے مکمل طور پر مطابق ہو۔

فراہمی کا وقت:

جیسا کہ پہلے اشارہ کیا گیا ہے استصناع میں یہ ضروری نہیں ہے کہ سامان کی فراہمی کا وقت متعین کیا جائے، تاہم خریدار سامان کی فراہمی کے لیے زیادہ سے زیادہ مدت مقرر کرسکتا ہے، جس کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر تیار کنندہ فراہمی میں متعین وقت سے تاخیر کردے تو خریدار اسے قبول کرنے اور قیمت ادا کرنے کا پابند نہیں ہوگا۔

یہ بات یقینی بنانے کے لیے کہ سامان مطلوبہ مدت میں فراہم کردیا جائے گا اس طرح کے بعض جدید معاہدے ایک تعزیری شق پر مشتمل ہوتے ہیں جس کے نتیجے میں اگر تیار کنندہ فراہمی میں متعین وقت سے تاخیر کردے تو اس پر جرمانہ عائد ہو

گا جس کا حساب یومیہ بنیاد پر کیا جائے گا، کیا شرعاً بھی اس طرح کی کوئی تعزیری شق شامل کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اگر چہ فقہاء استصناع پر بحث کے دوران اس سوال پر خاموش نظر آتے ہیں لیکن انہوں نے اس طرح کی شرط کو اجارے میں جائز قرار دیا ہے۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے کپڑوں کی سلائی کے لیے کسی درزی کی خدمات حاصل کرتا ہے تو فراہمی کے حساب سے اجرت مختلف ہوسکتی ہے، مستاجر (جو کپڑے سلوانا چاہتا ہے) یہ کہہ سکتا ہے کہ اگر درزی ایک دن میں یہ کپڑے تیار کردے تو وہ سو روپے اجرت دے گا اور اگر وہ دو دن میں تیار کرتا ہے تو وہ اسّی روپے دے گا۔

اسی طرح سے استصناع میں قیمت کو فراہمی کے وقت کے ساتھ منسلک کیا جاسکتا ہے، اگر فریقین اس بات پر متفق ہو جائیں کہ فراہمی میں تاخیر کی صورت میں فی یوم متعین مقدار میں قیمت کم ہوجائے گی تو یہ شرعاً جائز ہوگا۔

بابُ القرض

(قرض کا لین دین)

مسئلہ ①: جو چیز ایسی ہو کہ اس کے بدلے میں اس جیسی چیز دی جا سکتی ہو، (اسے ''مثلی'' یا ''ذوات الامثال'' کہتے ہیں) اس کا قرض لینا درست ہے، جیسے: اناج، انڈے، گوشت، وغیرہ؛ اور جو چیز ایسی ہو کہ اسی طرح کی چیز دینا مشکل ہے (اسے ''قیمی'' یا ''ذوات القیم'' کہتے ہیں) تو اس کا قرض لینا درست نہیں، جیسے: امرود، نارنگی، بکری، مرغی وغیرہ۔

مسئلہ ②: جس زمانے میں سو روپے کی دس کلو گندم ملتی تھی اس وقت تم نے پانچ کلو گندم قرض لی، پھر گندم سستی ہوگئی اور سو روپے کی بیس کلو ملنے لگی تو تمہیں وہی پانچ کلو دینا پڑے گی۔ اسی طرح اگر مہنگی ہوگئی تب بھی اتنی ہی دینا پڑے گی۔

مسئلہ ③: جیسی گندم تم نے دی تھی مقروض نے اس سے اچھی گندم ادا کی تو اس کا لینا جائز ہے، یہ سود نہیں، مگر قرض لیتے وقت یہ کہنا درست نہیں کہ ہم اس سے اچھی لیں گے، البتہ وزن میں زیادہ نہیں ہونی چاہیے۔ اگر تم نے دی ہوئی گندم سے زیادہ لی تو یہ ناجائز ہوگیا۔ خوب ٹھیک تول کر لینا دینا چاہیے، لیکن اگر تھوڑا جھکتا تول دیا تو کوئی حرج نہیں۔

مسئلہ ④: کسی سے کچھ روپیہ یا غلہ اس وعدہ پر قرض لیا کہ ایک مہینہ یا پندرہ دن کے بعد ہم ادا کر دیں گے اور اس نے قبول کرلیا تب بھی وہ مدت لازم نہیں۔ اگر اس کو اس مدت سے پہلے ضرورت پڑے اور تم سے مانگے یا ضرورت کے بغیر مانگے تو تم کو اسی وقت دینا پڑے گا۔

مسئلہ ⑤: تم نے دو کلو گندم یا آٹا وغیرہ کچھ قرض لیا، جب اس نے مانگا تو تم نے کہا: ''اس وقت گندم تو نہیں ہے، اس کے بدلے تم بیس روپے لے لو''، اس نے کہا: ''ٹھیک ہے''، تو یہ روپے اسی وقت سامنے رہتے رہتے دے دینے چاہییں۔ اگر روپے نکالنے کے لیے گھر کے اندر چلا گیا اور اس سے الگ ہوگیا تو وہ پچھلا معاملہ باطل ہوگیا، اب دوبارہ کہنا چاہیے کہ تم اس ادھار گندم کے بدلے بیس روپے لے لو۔

مسئلہ ⑥: گھروں میں دستور ہے کہ ضرورت کے وقت دوسرے گھر سے پانچ دس روٹیاں قرض منگوالیں، پھر

جب اپنے گھر میں پک گئیں گن کر بھیج دیں، یہ درست ہے۔

بلاضرورت قرض کی مذمت:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: "اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الْکُفْرِ وَالدَّیْنِ" (ترجمہ)''میں اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں کفر اور قرض سے۔'' ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ! کیا آپ قرض کو کفر کے برابر سمجھتے ہیں اور اس کے ساتھ ذکر کرتے ہیں؟ فرمایا: ''ہاں۔''

عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قرض اللہ تعالیٰ کا جھنڈا ہے زمین میں، جب وہ کسی بندے کو ذلیل کرنا چاہتے ہیں اس کی گردن پر قرض کا بوجھ رکھ دیتے ہیں۔''

عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ایک شخص کو اس طرح وصیت فرمارہے تھے: ''گناہ کم کیا کرو، تم پر موت آسان ہو جائے گی اور قرض کم لیا کرو، آزاد ہو کر جیو گے۔''

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص لوگوں کا مال ادا کرنے کی نیت سے لے (قرض لے) اللہ تعالیٰ اس کا قرض ادا کر دیتے ہیں اور جو شخص لوگوں کا مال ضائع کرنے کی نیت سے لے اللہ تعالیٰ اس کو تباہ کر دیتے ہیں۔''

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت میں سے جس شخص پر قرض کا بوجھ آجائے، پھر اس کے ادا کرنے میں پوری کوشش کرے، لیکن ادا کرنے سے پہلے مرجائے تو میں اس کا مددگار ہوں گا۔''

میمون کُردی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے کسی عورت سے کم یا زیادہ مقدارِ مہر پر نکاح کیا اور اس کے دل میں عورت کا مہر ادا کرنے کی نیت نہیں تھی، پھر ادا کیے بغیر مرگیا تو وہ قیامت کے دن زناکار بن کر اللہ تعالیٰ کے سامنے جائے گا اور جس شخص نے کسی سے قرض لیا اور اس کے دل میں قرض ادا کرنے کی نیت نہیں تھی، بلکہ محض دھوکہ سے اس کا مال لے لیا پھر ادا کیے بغیر مرگیا تو وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے چور بن کر جائے گا۔''

عمر بن شرید اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''استطاعت (مالی حیثیت) والے کا ٹالنا اس کی آبرو اور مال کو حلال کر دیتا ہے۔''

یعنی جو شخص قرض ادا کرنے کی استطاعت رکھتا ہو اور پھر بھی ادا نہ کرے تو قرض خواہ اس کی بے عزتی کر سکتا ہے اور برا بھلا کہہ سکتا ہے اور لوگوں میں اس کی بدمعاملگی کو مشہور کر سکتا ہے اور جس طریقہ سے ممکن ہو ظاہراً یا چھپ کر اپنا حق اس سے وصول کر سکتا ہے۔

ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تین آدمیوں سے بہت نفرت کرتے ہیں، ایک بڈھا زناکار، دوسرے مفلس تکبر کرنے والا، تیسرے مالدار ظالم۔'' (جو قرضخواہوں یا واجب الاداء رقم کے ادا کرنے میں پرٹال مٹول کر کے ظلم کرتا ہے)

قرض کی ادائیگی کی دعا:

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک مکاتب (معاوضہ پر آزاد ہونے والا غلام) آیا اور کہنے لگا کہ میں آزادی کی رقم ادا کرنے سے عاجز ہو گیا ہوں، میری امداد کیجیے۔ فرمایا میں تجھ کو چند کلمات کی دعا نہ بتادوں جو مجھے رسول اللہ ﷺ نے بتائی ہے، اگر تیرے اوپر ثبیر پہاڑ کے برابر بھی قرض ہوگا تو اللہ تعالیٰ ادا کر دیں گے، یوں کہا کر:

" اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ ، وَ اَغْنِنِيْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ . "

انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: ''میں تم کو ایسی دعا نہ بتادوں کہ اگر تمہارے اوپر پہاڑ کے برابر قرض ہو تو اس کو بھی اللہ تعالیٰ ادا کر دیں گے۔ یوں کہا کرو:

" اَللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ، وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ، بِيَدِكَ الْخَيْرُ ، إِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ . رَحْمَانَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَرَحِيْمَهُمَا ، تُعْطِيْهِمَا مَنْ تَشَآءُ وَتَمْنَعُ مِنْهُمَا مَنْ تَشَآءُ ، اِرْحَمْنِيْ رَحْمَةً تُغْنِيْنِيْ بِهَا عَنْ رَحْمَةِ مَنْ سِوَاكَ . "

☆☆☆☆☆☆☆

کتابُ کَفَالَۃ

(کسی کے قرض کی ذمہ داری لینا)

کسی شخص پر قرض یا مالی واجبات ہوں اس کی ذمہ داری کوئی شخص اپنے اوپر لے لے تو اس کو ''کفالت'' کہتے ہیں اور جس شخص نے یہ ذمہ داری قبول کی وہ ''کفیل'' کہلاتا ہے، جس شخص پر قرض یا مالی ادائیگی تھی اسے ''اصیل'' اور جس کی رقم تھی اسے ''مکفول لہٗ'' کہا جاتا ہے۔ کفالت میں ''اصیل'' (مقروض) رقم کی ادائیگی سے بری الذمہ نہیں ہوتا البتہ ''حوالہ'' میں اصل مقروض بری الذمہ ہو جاتا ہے۔ کفالت کے مسائل یہ ہیں:

مسئلہ (۱): حامد کے ذمہ کسی کے کچھ روپے تھے، تم نے اس کی ذمہ داری لے لی کہ اگر یہ نہیں دے گا تو ہم سے لے لینا یا یوں کہا: ''ہم اس کے ذمہ دار ہیں'' یا اور کوئی ایسا لفظ کہا جس سے ذمہ داری معلوم ہوئی اور اس حقدار نے تمہاری ذمہ داری منظور بھی کر لی تو اب تم اس کے کفیل ہو گئے اور اس پر واجب الادا رقم کی ادائیگی تمہارے ذمہ واجب ہو گئی۔ اگر حامد نہیں دے گا تو تمہیں دینے پڑیں گے اور اس حقدار کو اختیار ہے جس سے چاہے مطالبہ کرے، چاہے تم سے کرے یا حامد سے۔ اب جب تک حامد اپنا قرض ادا نہ کر دے یا معاف نہ کرالے تب تک تم برابر ذمہ دار ہو گے، البتہ اگر وہ حقدار تمہاری ذمہ داری معاف کر دے اور کہہ دے کہ اب تم سے مطالبہ نہیں کریں گے تو اب تمہاری ذمہ داری نہیں رہی اور اگر تمہاری ذمہ داری کے وقت ہی اس حقدار نے منظور نہیں کیا اور کہا تمہاری ذمہ داری کا ہمیں اعتبار نہیں یا اور کچھ کہا تو تم ذمہ دار نہیں ہوئے۔

مسئلہ (۲): تم نے کسی کی ذمہ داری لی تھی اور اس کے پاس روپے ابھی نہیں تھے، اس لیے تمہیں دینا پڑے تو اگر تم نے اس قرض دار کے کہنے سے ذمہ داری لی تھی تو دیکھو: تمہاری ذمہ داری کو پہلے کس نے منظور کیا ہے، اس قرض دار نے یا حق دار نے؟ اگر پہلے قرض دار نے منظور کیا تب تو یہی سمجھیں گے کہ تم نے اس کے کہنے سے ذمہ داری لی، لہٰذا اپنا روپیہ اس سے لے سکتے ہو اور اگر پہلے حق دار نے منظور کر لیا تو جو کچھ تم نے دیا ہے وہ قرض دار سے لینے کا حق نہیں بلکہ اس کے ساتھ تمہاری طرف سے احسان سمجھا جائے گا کہ ویسے ہی اس کا قرض تم نے ادا کر دیا۔ اب وہ خود دے دے تو اور بات ہے۔

مسئلہ ۳: اگر حقدار نے قرض دار کو مہینہ یا پندرہ دن وغیرہ کی مہلت دے دی تو اب اتنے دن اس کفیل (ذمہ داری لینے والے) سے بھی مطالبہ نہیں کر سکتا۔

مسئلہ ۴: اگر تم نے اپنے پاس سے دینے کی ذمہ داری نہیں لی تھی بلکہ اس قرض دار کا روپیہ تمہارے پاس امانت رکھا تھا، اس لیے تم نے کہا تھا کہ ہمارے پاس اس شخص کی امانت رکھی ہے، ہم اس میں سے دے دیں گے، پھر وہ روپیہ چوری ہوگیا یا اور کسی طرح ضائع ہوگیا تو اب تمہاری ذمہ داری نہیں رہی۔ نہ اب تم پر اس کا دینا واجب ہے اور نہ وہ حقدار تم سے مطالبہ کر سکتا ہے۔

مسئلہ ۵: کہیں جانے کے لیے تم نے کوئی سواری کرائے پر لی اور اس سواری والے کی کسی نے ذمہ داری لی کہ اگر یہ لے کر نہیں گیا تو میں اپنی سواری دے دوں گا تو یہ ذمہ داری درست ہے۔ اگر وہ نہ دے تو اس ذمہ دار کو سواری دینی پڑے گی۔

مسئلہ ۶: تم نے اپنی چیز کسی کو دی کہ جاؤ، اس کو بیچ دو، اس نے بیچ دی، لیکن اس کی قیمت نہیں لایا اور کہا کہ رقم کہیں نہیں جا سکتی، رقم کا میں ذمہ دار ہوں، اس سے نہ ملی تو مجھ سے لے لینا تو یہ ذمہ داری صحیح نہیں، کیونکہ قیمت وصول کر کے تمہیں دینا پہلے سے اس کے ذمے ہے۔[1]

مسئلہ ۷: نابالغ لڑکا یا لڑکی اگر کسی کی ذمہ داری لیں تو وہ ذمہ داری صحیح نہیں۔

۱- جبکہ کفیل وہ شخص بن سکتا ہے جس کے ذمے اس رقم کی ادائیگی پہلے سے نہ ہو۔ کفالت کی وجہ سے ذمہ دار بنے۔

کِتَابُ الحوالۃ

(اپنا قرضہ دوسرے کے ذمے منتقل کرنا)

کسی شخص پر قرض یا کوئی مالی ذمہ داری ہو اس پر واجب الادا رقم کی ادائیگی کسی اور شخص پر منتقل کردی جائے تو اسے "حوالہ" کہتے ہیں۔ اس میں اصل مقروض شخص رقم کی ادائیگی سے بری ہو جاتا ہے۔ مقروض کو "محیل" قرض خواہ کو "محتال لہ" اور جس نے قرضہ اپنے اوپر لیا اسے "محتال علیہ" کہتے ہیں۔ حوالہ کے احکام مختصراً یہ ہیں:

مسئلہ (۱): حامد کا تمہارے ذمہ کچھ قرض ہے اور محمود تمہارا قرض دار ہے۔ حامد نے تم سے مطالبہ کیا، تم نے کہا کہ محمود ہمارا قرض دار ہے، تم اپنا قرضہ اس سے لے لو۔ اگر اسی وقت حامد یہ بات مان لے اور محمود بھی اس پر راضی ہو جائے تو حامد کا قرضہ تمہارے ذمہ سے اتر گیا۔ اب حامد تم سے بالکل مطالبہ نہیں کرسکتا بلکہ محمود ہی سے مانگے، چاہے جب ملے اور جتنا قرضہ تم نے حامد کو دلایا ہے اتنا اب تم محمود سے نہیں لے سکتے، البتہ اگر محمود اس سے زیادہ کا قرض دار ہے تو جو کچھ زیادہ ہے وہ لے سکتے ہو۔ پھر اگر محمود نے حامد کو دے دیا تو ٹھیک ہے اور اگر نہیں دیا اور مر گیا تو جو کچھ مال و اسباب چھوڑا ہے وہ بیچ کر حامد کو دلائیں گے اور اگر اس نے کوئی مال نہیں چھوڑا جس سے قرضہ دلائیں یا اپنی زندگی ہی میں مکر گیا اور قسم کھالی کہ تمہارے قرضہ سے میرا کوئی تعلق نہیں اور گواہ بھی نہیں ہیں تو اب اس صورت میں پھر حامد تم سے مطالبہ کرسکتا ہے اور اپنا قرضہ تم سے لے سکتا ہے۔

اگر تمہارے کہنے پر حامد محمود سے لینا منظور نہ کرے یا محمود اس کو دینے پر راضی نہ ہو تو قرضہ تم سے نہیں اترا۔

مسئلہ (۲): محمود تمہارا قرض دار نہیں تھا، تم نے اس سے مدد چاہتے ہوئے اپنا قرضہ اس پر منتقل کردیا اور محمود نے مان لیا اور حامد نے بھی منظور کرلیا تب بھی تمہارے ذمہ سے حامد کا قرضہ اتر کر محمود کے ذمہ ہو گیا، اس لیے اس کا بھی وہی حکم ہے جو ابھی بیان ہوا اور جتنا روپیہ محمود کو دینا پڑے گا وہ دینے کے بعد تم سے لے لے اور دینے سے پہلے اس کو لینے کا حق نہیں۔

مسئلہ (۳): اگر محمود کے پاس تمہارے روپے امانت رکھے ہوئے تھے، اس لیے تم نے اپنا قرضہ محمود پر منتقل کردیا، پھر وہ روپے کسی طرح ضائع ہو گئے تو اب محمود ذمہ دار نہیں رہا بلکہ اب حامد تم سے ہی مطالبہ کرے گا اور تم ہی سے لے گا۔ اب

محمود سے مانگنے اور لینے کا حق نہیں رہا۔

مسئلہ ۴: محمود پر قرضہ اتار دینے کے بعد اگر تم ہی وہ قرضہ ادا کر دو اور حامد کو دے دو تو یہ بھی صحیح ہے، حامد یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں تم سے نہیں لوں گا بلکہ محمود سے لوں گا۔

کتاب القضاء

قضاء اجتماعی اسلامی احکام میں سے نہایت اہم حکم ہے۔ یہی وہ ذریعہ ہے جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے درمیان اللہ تعالیٰ کے احکامات کے مطابق فیصلے ہوتے ہیں۔ معاشرے میں شرعی احکام کا نفاذ اسلامی طریق قضاء کے بغیر ممکن نہیں۔ افسوس کہ خلافتِ اسلامیہ کے سقوط کے بعد مسلم ممالک کی عدالتوں میں بھی شرعی احکام کے مطابق فیصلے نہیں ہوتے۔ یہ مسلمانوں کی بہت بڑی کوتاہی اور بدنصیبی ہے۔ اسلامی خلافت کا احیاء اور عدالتوں میں شرعی احکام کا اجراء مسلمانوں کی اہم ترین اجتماعی ذمہ داری ہے۔ جس سے غفلت برتنے پر پورا عالم اسلام وبال میں مبتلا ہے۔ ذیل میں قضاء کے آداب و احکام ذکر کیے جاتے ہیں:

عہدۂ قضا قبول کرنے کے احکام:

قضاء کا عہدہ قبول کرنے کے مختلف حالتوں میں پانچ مختلف احکام ہیں:

۱۔ واجب: اس شخص کے لیے جو اس کام کی اہلیت رکھتا ہو اور اس کے علاوہ کوئی اور شخص اس کا اہل موجود نہ ہو۔

۲۔ مستحب: اس شخص کے لیے لوگ جس کے علاوہ اس کام کی اہلیت رکھنے والے لوگ موجود ہیں، لیکن یہ ان سے بہتر ہو۔

۳۔ اختیاری: اس شخص کے لیے جس کے علاوہ اور لوگ بھی اس کام کی صلاحیت اس کے برابر رکھتے ہوں۔

۴۔ مکروہ: اس شخص کے لیے جس میں اس کام کی صلاحیت تو ہو لیکن دوسرا اس سے بہتر اور زیادہ لائق موجود ہو۔

۵۔ حرام: اس شخص کے لیے جو اپنی باطنی حالت سے واقف ہے کہ وہ ہوس پرستی اور ظلم کرنے سے نہ بچ سکے گا۔

قاضی کے لیے ضروری شرائط:

۱۔ مسلمان ہو، لہٰذا کافر شخص قاضی و جج نہیں بن سکتا۔

۲۔ مکلف ہو، یعنی عاقل بالغ ہو، لہٰذا بچہ اور پاگل قاضی نہیں بن سکتا۔

۳۔ آزاد ہو، لہٰذا غلام قاضی نہیں بن سکتا۔

۴۔ بینا ہو، اندھا نہ ہو۔

۵- گونگا، بہرا اور اونچا سننے والا نہ ہو۔

٦- اس کو کبھی کسی پر تہمت لگانے کی وجہ سے حدِ قذف نہ لگی ہو۔

مسئلہ ①: حدود وقصاص کے علاوہ دیگر معاملات میں اگر عورت کو قاضی بنا دیا جائے اور وہ فیصلہ کرے تو اس کا فیصلہ نافذ ہوگا، لیکن عورت کو قاضی بنانا سخت گناہ ہے۔ حدود وقصاص میں عورت کا فیصلہ نافذ نہیں ہوگا۔

مسئلہ ②: فاسق کو بھی قاضی مقرر کر دیا جائے تو وہ قاضی ہو جاتا ہے اگر چہ اس کو قاضی مقرر کرنا، نامناسب اور گناہ ہے جبکہ ایسے لوگ موجود ہوں جو عادل وعالم ہوں۔

مسئلہ ③: قاضی کے لیے فقیہ ہونا بہتر ہے، ضروری شرط نہیں، کیونکہ قاضی کا اصل کام یہ ہے کہ وہ حقدار کو اس کا حق دلوا دے، لہٰذا اگر وہ خود ماہر فقیہ نہ ہو تو دوسرے ماہرینِ فقہ سے فتویٰ لے کر فیصلہ دے گا، البتہ حاکم کے لیے جائز نہیں کہ ماہرین کے ہوتے ہوئے غیر ماہر کو عہدۂ قضا پر مقرر کرے۔ ایسا کرنا سخت گناہ ہے۔

مسئلہ ④: جس حکومت سے عہدۂ قضا حاصل کرے اس کے سربراہ کا مسلمان ہونا شرط نہیں، بلکہ کافر حکومت سے بھی عہدۂ قضاء لے سکتا ہے جبکہ حکومت انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے سے نہ روکتی ہو۔

مسئلہ ⑤: قاضی کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے ماں باپ، اولاد یا اپنی بیوی یا اپنے شریک یا اپنے ملازم (یعنی اجیر خاص) کا دعویٰ سنے اور اس کے حق میں فیصلہ دے۔ یہ لوگ اپنا مقدمہ کسی دوسرے قاضی کی عدالت میں لے جائیں۔

مجلس قضا کے اصول وآداب:

۱- قضا کی مجلس (عدالت) شہر کے وسط میں مسجد یا دار القضاء میں ہو، تاکہ لوگوں کی وہاں تک رسائی آسان ہو۔

۲- قریبی محرم مثلاً بھائی بہن کے علاوہ قاضی کسی سے ہدیہ قبول نہ کرے۔ اگر کسی سے پہلے سے ہدیہ لینے دینے کا معمول ہو تو معمول سے زیادہ ہدیہ نہ لے۔

۳- جن سے ہدیہ لینا منع ہے، ان سے قرض لینا یا عاریت پر کوئی چیز مانگ کر لینا بھی منع ہے۔

۴- رشوت لینا تو حرام ہے ہی، رشوت لینے کا کوئی حیلہ بھی جائز نہیں، مثلاً: اتنی کم قیمت پر کوئی چیز خریدنا کہ اس قیمت میں وہ چیز عام طور پر فروخت نہیں ہوتی۔

۵- مقدمہ کے فریقین میں سے کوئی قاضی کو اپنے ہاں دعوت میں بلائے، چاہے وہ دعوتِ عام ہو، جیسے ولیمہ وغیرہ یا

خاص قاضی ہی کے اعزاز میں کی گئی ہو، بہر حال قاضی کو اس میں شریک ہونے کی اجازت نہیں۔

اگر فریقین کے علاوہ کوئی اور شخص دعوت کرے تو دعوتِ عام میں تو شرکت کرسکتا ہے لیکن دعوتِ خاص میں (یعنی جو صرف قاضی کے اعزاز میں کی گئی ہو اس میں) شرکت نہیں کرسکتا۔

۶- فریقین کے علاوہ کسی کا جنازہ ہو تو اس میں شرکت کرسکتا ہے۔ اسی طرح فریقین کے علاوہ اگر کوئی بیمار ہو تو اس کی عیادت کے لیے جاسکتا ہے، لیکن وہاں زیادہ دیر نہ ٹھہرے۔

۷- قاضی کے لیے ہر ایسی حالت اور حرکت سے اجتناب ضروری ہے جس سے تہمت یا بدگمانی کا خدشہ ہو، مثلاً:

(ا) کسی ایک فریق کا استقبال کرنا یا اس کے ساتھ تنہائی میں بیٹھنا، چاہے عدالت میں ہو یا عدالت سے باہر یا اپنے گھر میں ہو۔

(ب) کسی ایک کی طرف ہاتھ سے یا سر سے یا آنکھ سے اشارہ کرنا یا کسی ایک کی طرف دیکھ کر مسکرانا۔

(ج) کسی ایک سے سرگوشی کرنا۔

(د) کسی ایک سے ایسی زبان میں بات کرنا جو دوسرا فریق نہیں سمجھتا۔

(ہ) کسی ایک فریق کو دلیل کی تلقین کرنا یا اس کے گواہ کو گواہی کی تلقین کرنا، مثلاً یوں کہنا کہ کیا تم فلاں فلاں بات کا دعویٰ کرتے ہو یا تم فلاں فلاں بات کی گواہی دیتے ہو؟ (کیونکہ اس سے یہ بدگمانی اور تہمت پیدا ہوتی ہے کہ قاضی اس شخص کو اس کے فائدے کے نکات سمجھا رہا ہے) البتہ اگر عدالت کے رعب و ہیبت کی وجہ سے کوئی فریق یا گواہ بولنے سے عاجز ہو جائے تو قاضی اس صورت میں اس کو تلقین کرسکتا ہے۔

۸- قاضی عدالت میں جائز ہنسی مزاح بھی نہ کرے اور نہ کسی چیز کی خرید و فروخت کی بات چیت کرے۔

۹- فریقین کو بٹھانے میں، ان کی طرف دیکھنے میں اور توجہ کرنے میں برابری کرے اگرچہ ان میں سے ایک فریق بڑے مرتبہ والا ہو اور دوسرا عام آدمی ہو۔

۱۰- جب غم، غصہ، بھوک یا نیند کے غلبہ کی وجہ سے قاضی کا ذہن تشویش میں ہو اور وہ صحیح غور و فکر نہ کرسکتا ہو، اس وقت مقدمے کی سماعت نہ کرے نہ وہ فیصلہ سنائے۔

قضا کے پانچ مراحل:

جب فریقین قاضی کے پاس فیصلہ کروانے آئیں، تو وہ بالترتیب درجِ ذیل مراحل پر عمل کرے:

۱- سماعتِ دعویٰ:

قاضی مدعی کو حکم دے گا کہ وہ یا اس کا وکیل زبانی دعویٰ پیش کرے اور اگر پہلے سے تحریری دعویٰ جمع کرایا جا چکا ہے تو اس کو پڑھے۔

دعویٰ کی سماعت کے بعد تین میں سے ایک صورت سامنے آئے گی:

(ا) دعویٰ سرے سے باطل ہو۔ باطل دعویٰ یہ ہے کہ جس سے فریق مخالف پر کچھ لازم نہیں آتا، مثلاً: ایک شخص دعویٰ کرے کہ زید نے مجھے اپنی سائیکل ہبہ کی اور ابھی میں اس پر قبضہ نہیں کر پایا تھا کہ زید ہبہ سے پھر گیا، لہٰذا زید سے مجھے سائیکل دلوائی جائے۔ چونکہ قبضہ کے بغیر ہبہ پورا نہیں ہوتا لہٰذا یہ دعویٰ باطل ہے۔ دعویٰ کے باطل ہونے کی صورت میں قاضی دعویٰ کو خارج اور رد کر دے گا۔

(ب) دعویٰ بالکل صحیح ہو۔

(ج) دعویٰ میں کچھ نقص اور کمی ہو جو دور کی جا سکتی ہو، مثلاً: کوئی قید یا شرط ذکر نہ کی گئی ہو۔ اس صورت میں قاضی اس کے بارے میں پوچھے گا۔ اگر مدعی اپنے بیان سے اس نقص کو دور کر دے تو دعویٰ مزید کارروائی کے لیے منظور کر لیا جائے گا اور اگر مدعی اس نقص کو دور نہ کر سکے تو مزید کارروائی نہ ہوگی، مثلاً: کسی زمین کے بارے میں دعویٰ ہوا اور اس کی حدود ذکر نہ کی گئی ہوں پھر قاضی کے پوچھنے پر مدعی نے حدود ذکر کر دیں تو دعویٰ صحیح ہو گیا اور اگر یہ دعویٰ ہو کہ زید نے مجھ سے روپے قرض لیے تھے اور سوال پر بھی مدعی یہ نہ بتائے کہ وہ روپے کتنے تھے تو مزید کارروائی نہ ہوگی۔

جب دعویٰ صحیح ہو یا بعد میں قاضی کے استفسار کرنے سے صحیح ہو جائے تو قاضی مدعا علیہ سے جواب طلبی کرے گا کہ مدعی تم پر اس طرح کا دعویٰ کرتا ہے، تم اس بارے میں کیا کہتے ہو؟

۲- مدعیٰ علیہ کا اقرار:

اگر مدعا علیہ دعویٰ کی درستی کا اقرار کر لے تو قاضی اس پر اس کے اقرار کی وجہ سے مدعی کے حق کی ادائیگی لازم کر دے گا۔

لیکن اگر مدعا علیہ دعویٰ کو ماننے سے انکار کر دے تو قاضی مدعی سے اس کے دعویٰ کے بارے میں ثبوت طلب کرے گا۔

ثبوت کے طور پر مدعی گواہ یا دیگر دلائل مثلاً معاملہ سے متعلق اصل مستند دستاویزات پیش کرے۔

۳-مدعی کی طرف سے ثبوت:

مدعی کی طرف سے گواہ یا دستاویز پیش کیے جائیں تو ان گواہوں کے تزکیہ اور دستاویزات کی چھان بین اور معتبر ہونے کی تحقیق کے بعد قاضی مدعی کے حق میں فیصلہ دے گا۔

۴-مدعیٰ علیہ کی طرف سے قسم:

اگر مدعی کوئی ثبوت پیش نہ کر سکے اور مدعا علیہ اپنے انکار پر قائم ہو تو مدعی کے طلب کرنے پر قاضی مدعا علیہ سے قسم لے گا۔ اگر مدعیٰ علیہ قسم اٹھالے تو قاضی اس کو بری قرار دے کر مدعی کو اس کا پیچھا کرنے سے منع کر دے گا۔

۵-مدعیٰ علیہ کی طرف سے انکار:

اگر مدعیٰ علیہ قسم اٹھانے سے انکار کر دے تو حاکم اس کے قسم سے انکار پر مدعی کے حق میں فیصلہ دے دے۔

مسئلہ ①: قسم صرف مدعا علیہ پر آتی ہے۔ اگر یہ سمجھوتہ ہو جائے کہ اگر مدعی قسم کھالے تو مدعا علیہ اس کا حق تسلیم کر لے گا تو یہ باطل ہے کیونکہ یہ شرعی اصول کے خلاف ہے۔

مسئلہ ②: اگر مدعا علیہ زبان بند کر کے خاموش ہو جائے اور مکرر پوچھنے پر بھی چپ سادھی رہے، نہ اقرار کرے اور نہ انکار، تو اس کی خاموشی کو انکار سمجھا جائے گا۔ اسی طرح اگر یہ کہے کہ میں نہ اقرار کرتا ہوں نہ انکار کرتا ہوں تو یہ اس کی طرف سے انکار شمار ہوگا۔

مسئلہ ③: فریقین آپس میں رشتے دار ہوں یا ان میں مصالحت کی طرف میلان نظر آتا ہے تو قاضی ان کو ایک دو مرتبہ صلح کرنے کی ترغیب دے، لیکن جب قاضی کو معلوم ہو جائے کہ کون حق پر ہے اور کون ظلم کر رہا ہے تو پھر ایسا نہ کرے۔

مسئلہ ④: قاضی کے فیصلہ کے وقت فریقین کی موجودگی ضروری ہے، لیکن مدعی کے دعویٰ کے بعد مدعا علیہ دعویٰ کا اقرار کرلے پھر قاضی کے فیصلہ دینے سے پہلے عدالت سے چلا جائے تو قاضی اس کی عدم موجودگی میں اس کے اقرار کی بنا پر فیصلہ دے سکتا ہے۔ اسی طرح مدعا علیہ نے دعویٰ کا انکار کیا اور مدعی نے گواہ پیش کر دیے، پھر مدعا علیہ گواہوں کے تزکیہ اور قاضی کے فیصلہ دینے سے پہلے غائب ہو جائے تو قاضی گواہوں کا تزکیہ کرا کے اس کی عدم موجودگی میں مدعا علیہ کے خلاف فیصلہ دے سکتا ہے۔

مسئلہ ⑤: جب مدعا علیہ نہ خود عدالت میں حاضر ہوا اور نہ ہی اپنے وکیل کو بھیجے اور اس کو حاضر کرانا بھی ممکن نہ ہو تو اس کو تین مرتبہ طلب کیا جائے گا جس کی صورت یہ ہے کہ قاضی اس کو مختلف ایام میں تین مرتبہ دعویٰ کی نقل بھیجے اور اس کو عدالت میں طلب کرے اور یہ بھی لکھ دے کہ اگر وہ نہ آیا تو اس کے لیے قاضی خود ایک وکیل مقرر کر دے گا جو دعویٰ اور گواہی سن لے گا۔ اگر مدعا علیہ اس پر بھی نہ خود حاضر ہوا اور نہ اپنا وکیل بھیجے تو قاضی اس کے لیے وکیل مقرر کر دے گا جو مدعا علیہ کے حقوق کی رعایت کرے گا۔ اس وکیل کی موجودگی میں قاضی دعویٰ اور گواہی کو سنے اور تحقیق سے صحیح ثابت ہو تو اس کے مطابق فیصلہ جاری کر دے۔[1]

فیصلہ پر نظر ثانی:

مسئلہ ⑥: جس کے خلاف فیصلہ ہوا ہو وہ اگر یہ دعویٰ کرے کہ فیصلہ اصولِ شرعیہ کے خلاف ہوا ہے اور خلاف ورزی کی وجہ بیان بھی کر دے اور نئے سرے سے فیصلہ طلب کرے تو فیصلہ پر نظر ثانی کی جائے گی۔ اگر اصولِ شرعیہ کے مطابق پایا گیا تو برقرار رکھا جائے گا ورنہ شریعت کے مطابق دوسرا فیصلہ دیا جائے گا۔[2]

ناحق دعویٰ کرنے والے سے مقدمے کے اخراجات کی وصولی:

ناحق دعویٰ کرنے والے مدعی سے مدعا علیہ (جس پر دعویٰ کیا گیا) مقدمہ کی پیروی کے ضروری اخراجات لے سکتا ہے، البتہ وہ مصارف جو اس نے صرف اپنی سہولت وراحت کے لیے جج وغیرہ عدالت کے کارندوں کی خوشامد کے طور پر کیے وہ لینا جائز نہیں۔[3]

۱- درمختار وشامية : ٥/ ٤١٥

۲- شامية : ٥/ ٥١٨

۳- إمداد الأحكام : ٣/ ٦٣٢

کتابُ الشّہادۃ

(گواہی دینا)

گواہی کی تعریف:

کسی کے حق کو دوسرے کے ذمے ثابت کرنے کے لیے قاضی کی عدالت میں اس کے روبرو اور فریقین مقدمہ یا ان کے وکیلوں کی موجودگی میں جو خبر ان الفاظ کے ساتھ دی جاتی ہو کہ ''میں شہادت (یا گواہی) دیتا ہوں'' اس کو شہادت کہتے ہیں۔

گواہی کا حکم:

۱۔ حق کسی انسان کا ہو اور دوسرے کوئی گواہ نہ ہوں تو مدعی کی طلب پر شہادت کی ادائیگی واجب ہے۔ اسی طرح گواہی کی ادائیگی اس وقت بھی واجب ہے جب مدعی کی حق تلفی کا خوف ہو اور مدعی کو گواہوں کا علم نہ ہو۔

۲۔ حقوق اللہ ہوں تو بلا طلب بھی گواہی دینا واجب ہے، جیسے: طلاق کا واقعہ ہو۔

۳۔ حدود اللہ ہوں تو ان پر پردہ پوشی اچھی ہے، جبکہ مجرم برائی پر اصرار اور اسے کھلم کھلا نہ کرتا ہو۔ لہٰذا چوری میں یوں کہے کہ اس شخص نے مال لیا ہے یا اٹھایا ہے، یوں نہ کہے کہ اس نے چرایا ہے۔

گواہی کا نصاب:

گواہی کے نصاب کے چار درجات ہیں:

۱۔ زِنا میں چار مرد گواہوں کا ہونا ضروری ہے۔

۲۔ دیگر حدود و قصاص میں دو مرد گواہوں کا ہونا ضروری ہے۔

۳۔ وہ امور جن پر عام طور سے صرف عورتیں ہی آگاہ ہوتی ہیں جیسے: ولادت، بکارت اور عورتوں کے عیوب تو ان میں صرف ایک عورت کی گواہی کافی ہے۔

۴۔ دیگر معاملات چاہے وہ مالی ہوں یا غیر مالی ہوں (جیسے: نکاح، طلاق، وکالت، وصیت، ہبہ اقرار وغیرہ) ان میں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کا بطورِ گواہ ہونا ضروری ہے۔

مسئلہ ①: ایسی جگہ جہاں صرف عورتیں ہوں اور وہاں قتل کا کوئی واقعہ ہو جائے تو دیت کے ثبوت کے لیے صرف عورتوں کی گواہی بھی معتبر ہوگی۔

جن لوگوں کی گواہی قبول نہیں:

١- نابینا

٢- گونگا

٣- بچہ

۴- جس کو کبھی حدِ قذف لگی ہو، اگرچہ اس نے توبہ بھی کر لی ہو۔

۵- زوجین کی ایک دوسرے کے حق میں

٦- آدمی کی اپنے اصول (ماں باپ) وفروع (اولاد) کے حق میں

۷- گواہوں کی ان لوگوں کے خلاف جن کے ساتھ گواہوں کی دنیوی عداوت یا جھگڑا ہو۔

٨- جس گواہ کا خرچہ وہ آدمی اٹھاتا ہو جس کے حق میں گواہی دے رہا ہے مثلاً: خاص شاگرد یا ذاتی ملازم

٩- کافر کی مسلمان کے خلاف

عادل ہونے کی شرط:

گواہ کے لیے شرط ہے کہ وہ عادل ہو، فاسق نہ ہو (اور عادل وہ مسلمان ہوتا ہے جو کبیرہ گناہوں سے بچتا ہو اور صغیرہ گناہوں پر اصرار نہ کرتا ہو) مگر باتفاق فقہاء اس کا مطلب یہ ہے کہ فاسق کی شہادت کو قبول کرنا اور اس کے مطابق فیصلہ کرنا قاضی پر واجب نہیں، لیکن اگر قاضی کو قرائن سے معلوم ہو جائے کہ یہ جھوٹ نہیں بولتا، اس بنا پر وہ فاسق کی شہادت پر کوئی فیصلہ کر دے تو یہ فیصلہ صحیح اور نافذ ہے۔ اس زمانے میں جب کہ فسق کی بہت سی صورتیں مثلاً داڑھی مونڈنا وغیرہ ایسی عام ہوگئی ہیں کہ اگر ان کی وجہ سے شہادت کو مطلقاً رد کر دیا جائے تو بہت سے معاملات کا ثبوت کسی طرح نہ ہو سکے گا، فاسق کے بارے میں اس قول کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔

بغیر دعویٰ کے گواہی دینا:

طلاق، وقف، رمضان کے چاند، خلع، ایلا اور ظہار کے بارے میں اور قذف و چوری اور دیگر حدود کے بارے میں بغیر

دعویٰ کے دائر ہوئے بھی گواہی دے سکتے ہیں۔

گواہوں کا تزکیہ (کردار کی تحقیق اور اطمینان):

۱- جب گواہ گواہی دے دیں تو قاضی دوسرے فریق سے پوچھے گا کہ تم ان کی گواہی کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ یہ اپنی گواہی میں سچے ہیں یا نہیں؟

اگر وہ کہے کہ یہ دونوں عادل ہیں یا دونوں اپنی گواہی میں سچے ہیں تو یہ اس کی جانب سے دعویٰ کا اعتراف ہوا۔

لیکن اگر وہ یہ کہے کہ یہ جھوٹے گواہ ہیں یا کہے کہ اگر چہ یہ عادل ہیں لیکن انہوں نے اس گواہی میں غلطی کی ہے یا یہ دونوں اصل بات بھول گئے ہیں یا کہا کہ یہ دونوں عادل ہیں لیکن مجھے دعویٰ تسلیم نہیں ہے تو قاضی ابھی فیصلہ نہیں دے گا، بلکہ پہلے گواہوں کا تزکیہ کرائے گا۔ یہاں بعض صورتوں میں مدعا علیہ نے گواہوں کو عادل مانا ہے لیکن پھر بھی گواہوں کا تزکیہ ضروری ہے کیونکہ مدعا علیہ مدعی اور گواہوں کی نظر میں دعویٰ کا انکار کرنے کی وجہ سے جھوٹا بنا اور جھوٹے کا تزکیہ معتبر نہیں ہوتا۔

گواہوں کا جن لوگوں کے ساتھ تعلق ہو ان ہی میں سے کسی عادل شخص سے تزکیہ کرایا جائے گا مثلاً: طالب علم ہو تو اس کے تعلیمی ادارے کے مدرس سے، اگر تاجر ہو تو مارکیٹ کے معتبر تاجروں سے اور کسی محکمہ سے تعلق ہو تو اس محکمہ کے کسی قابل اعتماد فرد سے۔

تزکیہ پوشیدہ بھی ہوتا ہے اور اعلانیہ بھی۔ اعلانیہ کی صورت یہ ہوتی ہے کہ جس سے پوشیدہ تزکیہ کرایا ہے وہ عدالت میں آکر اعلانیہ اپنی رائے دے۔ لیکن آج کل فقط پوشیدہ تزکیہ پر عمل کیا جائے، کیونکہ اعلانیہ کی صورت میں مجرم تزکیہ کرنے والوں کا دشمن بن جاتا ہے اور ان کو نقصان پہنچانے کے درپے ہو جاتا ہے۔

۲- حدود وقصاص میں ہر حال میں گواہوں کا تزکیہ کرانا ضروری ہے۔

گواہ کا قسم اٹھانا:

جس کے خلاف گواہی دی گئی ہو وہ اگر اصرار کرے کہ قاضی گواہوں سے اس بات پر حلف لے کہ وہ اپنی گواہی میں جھوٹے نہیں تھے تو قاضی ان سے حلف لے سکتا ہے، نیز وہ گواہوں سے یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ اگر تم نے حلف اٹھایا تو میں تمہاری گواہی قبول کروں گا، ورنہ قبول نہیں کروں گا۔ بعض حضرات نے یہ بھی لکھا ہے کہ فسق کی کثرت کی وجہ سے ہمارے زمانے میں تزکیہ دشوار ہو گیا ہے تو قاضی گواہوں سے قسم لے سکتے ہیں تا کہ ان کے سچے ہونے کا غالب گمان حاصل ہو سکے۔[1]

۱- ردالمحتار: ۵/ ٤٢٢

کِتَابُ الصُّلح

(صلح کرنا)

صلح ایسے معاملہ کو کہتے ہیں جو مدعی اور مدعا علیہ کے درمیان جھگڑے اور تنازعہ کو دور کرتا ہے۔ صلح کی تین قسمیں ہیں:

(۱) مدعا علیہ دعویٰ کا اعتراف کر کے مدعی سے صلح کرے۔ اس کی دو صورتیں ہیں:

۱۔ دعویٰ مال کا ہو اور صلح بھی مال پر ہو مثلاً: زید نے بکر پر دعویٰ کیا کہ یہ مکان میرا ہے۔ بکر نے اعتراف کیا کہ ہاں یہ مکان تمہارا ہی ہے لیکن تم اب یہ مکان چھوڑ دو اور مجھ سے پانچ لاکھ روپے لے لو۔ زید اس پر راضی ہو جائے۔ اس قسم کی صلح کو بیع سمجھا جائے گا اور اس میں بیع کے حقوق یعنی حق شفعہ، عیب کی بنا پر رد کرنے اور خیار رویت اور خیار شرط وغیرہ حاصل ہوتے ہیں۔

۲۔ دعویٰ مال کا ہو اور صلح منفعت پر ہو جائے مثلاً: زید نے بکر پر کچھ رقم کا دعویٰ کیا۔ بکر نے کہا: ''مجھے تمہارا دعویٰ تسلیم ہے لیکن اس رقم کے بجائے تم میرے فلاں مکان میں ایک سال رہ لو۔''

(۲) مدعا علیہ دعویٰ کا انکار کرے، پھر مدعی سے کسی رقم یا منفعت پر صلح کرلے۔

(۳) مدعا علیہ دعویٰ کا نہ اقرار کرے اور نہ انکار کرے، بلکہ اس کے بارے میں خاموشی اختیار کرے، لیکن مدعی سے رقم یا منفعت پر صلح کرلے۔

ان دونوں قسموں میں اگرچہ مدعی کے حق میں وہ رقم جو اس نے لی ہے معاوضہ سمجھا جائے گا لیکن مدعا علیہ کے حق میں اس کا دی ہوئی رقم اس کی قسم کا فدیہ سمجھا جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ جب مدعی دعویٰ کرے لیکن اس کے پاس گواہ نہ ہوں اور مدعا علیہ دعویٰ کو تسلیم نہ کرے تو اس کے ذمہ لازم آتا ہے کہ وہ عدالت میں قسم کھائے اس بات پر کہ مدعی اس پر جس حق اور مال کا دعویٰ کر رہا ہے وہ اس پر نہیں آتا۔ لیکن بعض لوگ سچے ہونے کے باوجود قسم کو بہت بڑی چیز سمجھتے ہوئے قسم نہیں کھاتے اور دعویٰ کی رقم محض قسم سے بچنے کے لیے دے دیتے ہیں۔ اس کو کہا جاتا ہے کہ انہوں نے قسم کا فدیہ دیا ہے۔

چونکہ یہ مدعا علیہ کے حق میں قسم کا فدیہ سمجھا جائے گا، اس لیے اگر دعویٰ غیر منقولہ جائیداد کا ہو تو اس پر اس کے پڑوسی کو حق شفعہ حاصل نہ ہوگا۔

مسئلہ (۱): دعویٰ مال کا ہو یا منافع کا ہو یا جنایت (مثلاً قتل عمد) کا ہو، صلح ہر صورت میں جائز ہے، البتہ حد پر صلح نہیں ہوسکتی۔

مسئلہ (۲): ایک مرد کی طرف سے ایک عورت پر نکاح کا دعویٰ ہو۔ عورت کچھ رقم دے کر اس کو دعویٰ سے دستبرداری پر آمادہ کر لے تو اگر عورت دعویٰ قبول کرتی ہو تب تو خلع ہونا واضح ہے اور اگر عورت دعویٰ کا انکار کرتی ہو یا سکوت کرتی ہو تو پھر صرف اس مرد کے حق میں خلع شمار ہوگا۔

مسئلہ (۳): مدعا علیہ نے مدعی سے کہا کہ میں تیری رقم کا اقرار اس وقت تک نہیں کروں گا جب تک تو مجھے مہلت نہ دے دے یا اس میں سے کچھ کم نہ کر دے۔ مدعی نے اس کی بات کو منظور کر لیا تو یہ جائز ہے۔

مسئلہ (۴): کسی شخص کے سو روپے دوسرے شخص کے ذمہ واجب ہوں اور وہ کہے کہ تم ستر ہی دے دو تو یہ جائز ہے۔

مسئلہ (۵): اور اگر سو روپے مقررہ وقت پر واجب الادا ہوں مثلاً: تم نے کوئی چیز سو روپے میں خریدی تھی اور قیمت کی ادائیگی کے لیے ایک مہینہ کی مہلت ٹھہرائی تھی۔ اب بائع چاہتا ہے کہ تم اس کو قبل از میعاد ادا کر دو اور پچیس روپیہ مثلاً کم دے دو تو یہ درست نہیں۔

مسئلہ (۶): ایک شخص فوت ہو گیا اور اس نے ترکہ میں نقدی اور سامان چھوڑا۔ اس کے وارثوں میں سے ایک شخص نے دوسرے وارثوں سے کہا کہ میں اپنا حصہ تقسیم کر کے نہیں لینا چاہتا، مجھے صرف دس ہزار روپے دے دو اور میں تمام ترکہ سے دستبردار ہوتا ہوں، یہ جائز ہے مگر اس میں یہ شرط ہے کہ ترکہ میں اگر نقد روپیہ بھی ہے تو اس میں دیکھا جائے کہ شرعاً اس کا حصہ کتنا ہے؟ اگر دس ہزار سے کم بنتا ہے تب تو یہ صلح جائز ہے، مثلاً: اگر نقدی میں اس کا شرعی حصہ آٹھ ہزار بنتا ہے تو یہ شخص جو دس ہزار لے رہا ہے ان میں سے آٹھ ہزار تو ان آٹھ ہزار کے مقابلہ میں ہو گئے اور باقی دو ہزار سامان کے بدلہ میں ہو گئے اور اگر اس کا حصہ دس ہزار یا اس سے زائد ہے تو یہ صلح جائز نہیں، مثلاً: اگر نقدی میں اس کا شرعی حصہ دس ہزار ہے تو یہ دس ہزار دس ہزار کے مقابلہ میں ہو گئے۔ دوسروں کو اس کے حصے کا جو سامان ملا وہ بغیر عوض کے ہوا اور سود ہوا، لہٰذا جائز نہیں۔

اگر وارثوں میں کوئی نابالغ بھی ہے تو اس کے حق میں یہ صلح اگر نقصان دہ نہ ہو تو جائز ہوگی، ورنہ اس کے حصہ کی حد تک جائز اور نافذ نہ ہوگی۔

کِتَابُ الوکالۃ

(کسی کو وکیل بنانا)

کسی کام کے لیے اپنی جگہ دوسرے کو مقرر کر دیا جائے تو اسے وکالت کہتے ہیں جس نے دوسرے کو نائب مقرر کیا اسے ''مؤکل'' اور جسے مقرر کیا گیا اسے ''وکیل'' کہتے ہیں۔ وکالت کے احکام یہ ہیں:

مسئلہ ۱: جو کام آدمی خود کر سکتا ہے اس میں یہ بھی اختیار ہے کہ کسی اور سے کہہ دے کہ تم ہمارا یہ کام کر دو، جیسے: بیچنا، خریدنا، کرایہ پر لینا دینا، نکاح کرنا وغیرہ، مثلاً: ملازم کو بازار سودا لینے بھیجا یا ملازم کے ذریعہ کوئی چیز فروخت کرائی یا سواری وغیرہ کرائے پر منگوائی۔

مسئلہ ۲: تم نے ملازم سے گوشت منگوایا، وہ ادھار پر لے آیا تو گوشت والا تم سے رقم کا مطالبہ نہیں کر سکتا، اس ملازم سے مطالبہ کرے گا اور وہ ملازم تم سے مطالبہ کرے گا۔ اسی طرح اگر کوئی چیز تم نے ملازم سے فروخت کرائی تو خریدنے والے سے تم کو مطالبہ کرنے اور قیمت وصول کرنے کا حق نہیں۔ اس نے جس سے چیز خریدی ہے قیمت بھی اسی کو دے گا اور اگر وہ خود تمہیں قیمت دیدے تو بھی جائز ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر وہ تمہیں نہ دے تو تم زبردستی نہیں لے سکتے۔

مسئلہ ۳: تم نے کسی سے کوئی چیز منگوائی، وہ لے آیا تو اس کو اختیار ہے کہ جب تک تم سے قیمت نہ لے تب تک وہ چیز تمہیں نہ دے، چاہے اس نے اپنے پاس سے رقم دے دی ہو یا ابھی تک نہ دی ہو، دونوں کا ایک ہی حکم ہے، البتہ اگر وہ پانچ دس دن کے وعدے پر ادھار لایا ہو تو جتنے دن کا وعدہ لے کر آیا ہے اس سے پہلے تم سے قیمت نہیں مانگ سکتا۔

مسئلہ ۴: تم نے ایک کلو گوشت منگوایا تھا، وہ ڈیڑھ کلو لے آیا تو پورا ڈیڑھ کلو لینا واجب نہیں۔ اگر تم نہ لو تو آدھا کلو اس کو لینا پڑے گا۔

مسئلہ ۵: تم نے کسی سے کہا کہ فلاں بکری جو فلاں کے پاس ہے، اس کو جا کر چار ہزار روپے میں لے آؤ تو اب وہ وکیل وہی بکری خود اپنے لیے نہیں خرید سکتا۔ غرض یہ کہ جو مخصوص چیز تم اپنے لیے بتا دو، اس کو اپنے لیے خریدنا درست نہیں، البتہ

جو قیمت تم نے بتائی ہے اس سے زیادہ میں اس نے لے لی تو اپنے لیے خریدنا درست ہے اور اگر تم نے کوئی قیمت نہ بتائی ہو تو بہر صورت اپنے لیے نہیں خرید سکتا۔

مسئلہ ۶: اگر آپ نے کوئی خاص بکری نہیں بتائی، بس اتنا کہا کہ ایک بکری کی ضرورت ہے، میرے لیے خرید کر لے آئیں تو ہر بکری میں اس کو اختیار ہے کہ وہ اپنے لیے خریدے یا آپ کے لیے۔ اگر خود لینے کی نیت سے خریدے گا تو اس کی ہوگی اور اگر آپ کی نیت سے خریدے گا تو آپ کی ہوگی اور اگر آپ کی دی ہوئی رقم سے خریدی تو بھی آپ کی ہوئی، چاہے جس نیت سے بھی خریدے۔

مسئلہ ۷: آپ کے لیے وکیل نے ایک بکری خریدی مگر آپ کو دینے سے پہلے مرگئی یا چوری ہوگئی تو اس بکری کی قیمت آپ کو دینی پڑے گی۔ اگر آپ کہیں کہ تم نے اپنے لیے خریدی تھی، میرے لیے نہیں خریدی تھی تو اگر آپ پہلے اس کو قیمت دے چکے ہیں تو آپ کی رقم ضائع ہوگئی اور اگر آپ نے ابھی تک رقم نہیں دی اور وہ اب رقم مانگتا ہے تو اگر آپ نے قسم کھالی کہ تم نے اپنے لیے خریدی تھی تو اس کی بکری ضائع ہوگئی اور اگر تم قسم نہ کھا سکو تو اس کی بات کا اعتبار ہوگا اور تمہیں بکری کی قیمت ادا کرنی پڑے گی۔

مسئلہ ۸: نوکر کوئی چیز مہنگی خرید کر لایا تو اگر تھوڑا ہی فرق ہو تو آپ کو لینی پڑے گی اور قیمت دینی پڑے گی اور اگر بہت زیادہ مہنگی لے کر آیا کہ اتنے کا کوئی نہیں لیتا تو اس کا لینا لازم نہیں، اگر آپ نہیں لو تو اس کو لینا پڑے گا۔

مسئلہ ۹: آپ نے کسی کو کوئی چیز بیچنے کے لیے دی تو اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ خود لے لے اور قیمت آپ کو دے دے۔ اسی طرح اگر آپ نے کچھ منگوایا کہ فلاں چیز خرید کر لاؤ تو وہ اپنی چیز آپ کو نہیں دے سکتا۔ اگر اپنی چیز دینے یا خود لینے کا ارادہ ہو تو صاف صاف کہہ دے کہ یہ چیز میں لیتا ہوں، مجھے دے دیں یا یوں کہہ دے کہ یہ میری چیز آپ لے لیں اور قیمت دے دیں، بغیر بتائے ایسا کرنا جائز نہیں۔

مسئلہ ۱۰: آپ نے ملازم سے بکری کا گوشت منگوایا، وہ گائے کا لے آیا تو آپ کو اختیار ہے چاہے لے لیں، چاہے نہ لیں۔ اسی طرح آپ نے آلو منگوائے وہ بھنڈی یا کچھ اور لے آیا تو اس کا لینا ضروری نہیں۔ اگر آپ انکار کردیں تو وہ چیز اس کی ہوگی۔

مسئلہ ۱۱: تم نے ایک روپے کی چیز منگوائی، وہ دو روپے کی لے آیا تو تمہیں اختیار ہے کہ ایک روپے کی جتنی آتی

ہے وہ لے لو اور ایک روپے کی جو زائد لایا وہ اسی کے ذمہ ڈال دو۔

مسئلہ ۱۲: تم نے دو شخصوں کو بھیجا کہ جاؤ فلاں چیز خرید کر لے آؤ تو خریدتے وقت دونوں کو موجود رہنا چاہیے، صرف ایک آدمی کا خریدنا درست نہیں، اگر ایک ہی آدمی خریدے تو وہ بیع موقوف ہے، جب تم قبول کروگے تب صحیح ہو جائے گی۔

مسئلہ ۱۳: تم نے کسی سے کہا کہ ہمارے لیے ایک گائے یا بکری وغیرہ کوئی چیز خرید کر لے آؤ، اس نے خود نہیں خریدی بلکہ کسی اور سے کہہ دیا، اس نے خرید لی تو تمہارے ذمہ اس کو لینا واجب نہیں، چاہے لو چاہے نہ لو، البتہ اگر وہ خود تمہارے لیے خریدے تو تمہیں لینا پڑے گا۔

وکیل کو برطرف کرنا:

وکیل کو برطرف کرنے کا تمہیں ہر وقت اختیار ہے، مثلاً: تم نے کسی سے کہا تھا کہ ہمیں ایک بکری کی ضرورت ہے، کہیں مل جائے تو لے لینا، پھر لینے سے منع کر دیا، اب اس کو لینے کا اختیار نہیں، اگر اب لے گا تو وہ اسی کی ہوگی۔

مسئلہ ۱۴: اگر خود اس کو نہیں منع کیا بلکہ خط لکھ کر بھیجا یا آدمی بھیج کر اطلاع کر دی کہ اب نہیں لینا تب بھی وہ معزول ہو گیا اور اگر تم نے اطلاع نہیں دی، کسی اور آدمی نے اپنی طرف سے اس سے کہہ دیا کہ تمہیں فلاں نے برطرف کر دیا ہے، اب نہیں خریدنا، تو اگر دو آدمیوں نے اطلاع دی ہو یا ایک ہی نے اطلاع دی مگر وہ معتبر اور دین دار ہے تو وہ وکیل معزول ہو گیا اور اگر ایسا نہ ہو تو برطرف نہیں ہوا۔ اگر وہ خرید لے تو تمہیں لینا پڑے گا۔

کِتَابُ المُضَارَبَۃ

(کاروبار کے لیے رقم دینا)

مسئلہ ①: تم نے تجارت کے لیے کسی کو کچھ رقم دی کہ اس سے تجارت کرو، جو کچھ نفع ہوگا وہ ہم آپس میں تقسیم کرلیں گے، یہ جائز ہے۔ اس کو ''مضاربت'' کہتے ہیں لیکن اس کی کئی شرطیں ہیں۔ اگر یہ معاملہ ان شرطوں کے مطابق ہو تو صحیح ہے، ورنہ ناجائز اور فاسد ہے۔

ایک شرط یہ ہے کہ جتنی رقم دینی ہو وہ بتادو اور اس کو تجارت کے لیے دے بھی دو، اپنے پاس نہ رکھو۔ اگر رقم اس کے حوالہ نہ کی، اپنے ہی پاس رکھی تو یہ معاملہ فاسد ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ نفع تقسیم کرنے کی صورت طے کرلو اور بتادو کہ تمہیں کتنا ملے گا اور اس کو کتنا۔ اگر یہ بات طے نہیں ہوئی، بس اتنا ہی کہا کہ نفع ہم دونوں آپس میں تقسیم کرلیں گے تو یہ فاسد ہے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ نفع کی تقسیم کو اس طرح نہ طے کرو کہ جتنا نفع ہوگا اس میں سے دس روپے ہمارے اور باقی تمہارے یا دس روپے تمہارے اور باقی ہمارے۔ غرض یہ کہ کوئی خاص رقم مقرر نہ کرو کہ اتنی ہماری یا اتنی تمہاری بلکہ یوں طے کرو کہ آدھا ہمارا آدھا تمہارا یا ایک تہائی اس کا دو تہائی اس کے یا ایک چوتھائی ایک کا باقی تین چوتھائی دوسرے کے۔ غرض یہ کہ نفع کی تقسیم فیصدی حصوں کے اعتبار سے کرنا چاہیے، متعین رقم کی صورت میں نہ ہو، ورنہ معاملہ فاسد ہوجائے گا۔ اگر کچھ نفع ہوگا تو وہ کام کرنے والا اس میں سے اپنا حصہ حاصل کرے گا اور اگر کچھ نفع نہ ہوا تو کچھ نہیں پائے گا۔ اگر یہ شرط لگالی کہ اگر نفع نہ ہوا تب بھی ہم تمہیں اصل مال میں سے اتنا دے دیں گے تو یہ معاملہ فاسد ہے۔ اسی طرح اگر یہ شرط لگائی کہ اگر نقصان ہوگا تو اس کام کرنے والے کے ذمہ ہوگا یا دونوں کے ذمہ ہوگا تو یہ بھی فاسد ہے، بلکہ حکم یہ ہے کہ جو کچھ نقصان ہوگا وہ مالک کے ذمہ ہے، اسی کا روپیہ گیا۔

مسئلہ ②: جب تک کام کرنے والے کے پاس رقم موجود ہو اور اس نے اس سے سامان نہ خریدا ہو تب تک اس

معاملہ کو ختم کر دینے اور رقم واپس لے لینے کا اختیار ہے اور جب وہ مال خرید چکا تو اب ختم کرنے کا اختیار نہیں رہا۔

مسئلہ ۳: اگر یہ شرط لگائی کہ تمہارے ساتھ ہم کام کریں گے یا ہمارا فلاں آدمی تمہارے ساتھ کام کرے گا تو یہ معاملہ فاسد ہے، کیونکہ مضارب کو مال مکمل سپرد کرنا ضروری ہے اور اس طرح کی شرط سے مکمل سپرد کرنے میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔

مسئلہ ۴: مضاربت کا حکم یہ ہے کہ اگر معاملہ صحیح ہوا ہے یعنی اس میں شریعت کے خلاف کوئی شرط نہیں لگائی گئی تو نفع میں دونوں شریک ہیں، جس طرح طے کیا ہو اس کے مطابق تقسیم کرلیں؛ اور اگر کچھ نفع نہ ہوا یا نقصان ہوا تو اس کام کرنے والے کو کچھ نہیں ملے گا اور نقصان کا تاوان اس کو نہیں دینا پڑے گا؛ اور اگر وہ معاملہ فاسد ہو گیا تو پھر وہ کام کرنے والا نفع میں شریک نہیں ہوگا بلکہ وہ ملازم کی طرح ہے۔ یہ دیکھو کہ اگر ایسا آدمی ملازم رکھا جائے تو اس کو کتنی تنخواہ دینی پڑے گی؟ بس اتنی ہی تنخواہ اس کو ملے گی، نفع ہو تب بھی اور نہ ہو تب بھی، بہر حال وہ تنخواہ پائے گا اور نفع سارا مالک کا ہوگا، لیکن اگر تنخواہ اس طے شدہ نفع کے حصہ سے زیادہ بنتی ہے تو اس صورت میں تنخواہ نہیں دیں گے بلکہ نفع ہی تقسیم کر دیں گے۔

مضاربہ پر ایک نظر[1]

''مضاربہ'' شراکت کی ایک خاص شکل ہے جس میں ایک شریک دوسرے کو کاروبار میں لگانے کے لیے رقم فراہم کرتا ہے۔ سرمایہ کاری پہلے شخص کی طرف سے کی جاتی ہے اور اسے ''رب المال'' کہا جاتا ہے، جبکہ کاروبار کا انتظام و انصرام اور عمل کی ذمہ داری دوسرے فریق کے ساتھ خاص ہے جسے ''مضارب'' کہا جاتا ہے۔

مشارکہ اور مضاربہ میں فرق درج ذیل نکات میں مختصراً بیان کیا جا سکتا ہے:

۱- مشارکہ میں سرمایہ دونوں طرف سے فراہم کیا جاتا ہے، جبکہ مضاربہ میں سرمایہ لگانا صرف رب المال کی ذمہ داری ہے۔

۲- مشارکہ میں تمام شرکاء کاروبار کے لیے کام کر سکتے اور اس کے انتظام و انصرام میں حصہ لے سکتے ہیں، جبکہ مضاربہ میں رب المال مینجمنٹ میں حصہ لینے کا کوئی حق نہیں رکھتا بلکہ اس کو صرف مضارب ہی انجام دے گا۔

۳- مشارکہ میں تمام شرکاء اپنی سرمایہ کاری کے تناسب کی حد تک نقصان میں شریک ہوتے ہیں، جبکہ مضاربہ میں اگر کوئی خسارہ ہو تو وہ صرف رب المال کو برداشت کرنا ہوگا، اس لیے کہ مضارب تو کوئی سرمایہ ہی نہیں لگاتا، اس کا نقصان اس حقیقت تک محدود رہے گا کہ اس کی محنت رائیگاں گئی اور اسے اس کے عمل کا کوئی صلہ نہیں ملا۔

لیکن یہ اصول اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ مضارب نے اس پوری احتیاط اور ذمہ داری کے ساتھ کام کیا جو کہ عموماً اس طرح کے کاروبار کے لیے ضروری سمجھی جاتی ہے۔ اگر غفلت اور لاپرواہی کے ساتھ کام کیا یا کسی بددیانتی کا ارتکاب کیا تو وہ اس نقصان کا ذمہ دار ہوگا جو کہ لاپرواہی یا بے ضابطگی کی وجہ سے ہوا ہے۔

۴- مشارکہ میں عموماً حصہ داروں کی ذمہ داری غیر محدود ہوتی ہے، لہٰذا اگر کاروبار کی ذمہ داریاں اس کے اثاثہ جات سے بڑھ جاتی ہیں اور نوبت کاروبار کی لیکویڈیشن تک پہنچ جاتی ہے تو اثاثوں سے زائد ذمہ داریاں حصہ داران کو اپنے اپنے متناسب حصے کے مطابق اٹھانا ہوں گی۔ تاہم اگر تمام شرکاء نے اس بات پر اتفاق کر لیا تھا کہ کوئی شریک کاروبار کی مدت کے دوران کوئی قرض نہیں لے گا تو اس صورت میں زائد ذمہ داریاں صرف اسی شریک کو اٹھانا ہوں گی جس نے مذکورہ شرط کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کاروبار پر قرض کا بوجھ ڈالا ہے۔

۱- مضاربہ چونکہ شرعی طریقہائے تمویل میں سب سے ایک اہم اور بنیادی طریقہ ہے اس لیے اس کے متعلق مزید معلومات نامور ماہر معیشت حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کی کتاب ''اسلامی بینکاری کی بنیادیں'' سے دی گئی ہیں۔

مضاربہ میں صورتِ حال اس سے مختلف ہے، یہاں رب المال کی ذمہ داریاں اس کی سرمایہ کاری تک محدود ہوں گی، الا یہ کہ وہ مضارب کو اس (رب المال) کی طرف سے قرض لینے کی اجازت دے دے۔

۵- مشارکہ میں جب بھی حصہ داران اپنا سرمایہ خلط ملط کرلیں گے تو مشارکہ کے تمام اثاثہ جات شرکاء کی سرمایہ کاری کے تناسب سے ان کی مشترکہ ملکیت بن جائیں گے (اور وہ سب مشاعاً[1] ان کے مالک بن جائیں گے) اس لیے ان میں سے ہر ایک ان اثاثوں کی قیمتوں میں اضافے سے بھی فائدہ اٹھاسکے گا۔ اگرچہ انہیں بیچ کر نفع حاصل نہ کیا گیا ہو۔

مضاربہ کی صورت اس سے مختلف ہے۔ مضاربہ میں خریدی ہوئی ساری اشیاء صرف رب المال کی ملکیت ہیں اور مضارب صرف اسی صورت میں منافع میں سے اپنا حصہ حاصل کرسکتا ہے جبکہ وہ انہیں نفع پر بیچ دے، لہٰذا وہ خود اثاثہ جات میں اپنے حصے کا دعویٰ کرنے کا حق نہیں رکھتا، اگرچہ ان کی قیمت بڑھ گئی ہو۔

مضاربہ کا کاروبار:

رب المال، مضارب کے لیے خاص کاروبار متعین بھی کرسکتا ہے، اس صورت میں مضارب رقم صرف اسی کاروبار میں لگائے گا، اس کو "المضاربة المقيدة" کہا جاتا ہے، لیکن اگر وہ مضارب کو آزاد چھوڑ دیتا ہے کہ جو کاروبار چاہے کرے تو اسے یہ اختیار ہوگا کہ جس کاروبار کو وہ مناسب سمجھے اس میں وہ رقم لگادے، اس کو "المضاربة المطلقة" کہا جاتا ہے (یعنی غیر مشروط مضاربہ)

ایک رب المال ایک ہی عقد میں ایک سے زائد افراد کے ساتھ بھی مضاربہ کا معاملہ طے کرسکتا ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ یہ رقم "الف" اور "ب" دونوں کو (مشترکہ طور پر) کاروبار کے لیے پیش کرسکتا ہے، لہٰذا ان دونوں میں سے ہر ایک اس کے لیے بطور مضارب کام کرسکتا ہے اور مضاربہ کا سرمایہ دونوں مشترکہ طور پر استعمال کریں گے اور مضارب کا حصہ ان دونوں کے درمیان طے شدہ تناسب سے تقسیم کیا جائے گا۔ اس صورت میں دونوں مضارب کاروبار ایسے چلائیں گے جیسا کہ دونوں آپس میں شریک ہوں۔

مضارب چاہے ایک ہو یا زیادہ، ہر وہ کام کرسکتے ہیں جو کہ عموماً اس طرح کے کاروبار میں کیا جاتا ہے، لیکن اگر وہ ایسا غیر معمولی کام کرنا چاہتے ہیں جو تاجروں کے عام معمول اور عادت سے ہٹ کر ہو تو وہ کام رب المال کی صریح اجازت کے بغیر نہیں کیا جاسکتا۔

منافع کی تقسیم:

مضاربہ کے صحیح ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ فریقین بالکل شروع میں حقیقی منافع کے خاص تناسب پر متفق ہوں جس

۱- شرکت مشاع کا معنی یہ ہے کہ مشترک چیز کے ہر ہر جز میں تمام شرکاء متناسب نمایندگی رکھتے ہوں۔

کے مطابق رب المال اور مضارب میں سے ہر ایک منافع کا مستحق ہوگا۔ شریعت نے منافع کی کوئی متعین نسبت بیان نہیں کی بلکہ اسے فریقین کی باہمی رضامندی پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ وہ نفع میں برابر نسبت کے ساتھ بھی شریک ہو سکتے ہیں اور رب المال اور مضارب کے لیے الگ الگ نسبت بھی متعین کی جا سکتی ہے، تاہم وہ کسی فریق کے لیے رقم کی لگی بندھی مقدار خاص نہیں کر سکتے۔ اسی طرح وہ کسی فریق کا نفع راس المال کے کسی متناسب حصے کے ساتھ بھی متعین نہیں کر سکتے، مثال کے طور پر اگر راس المال ایک لاکھ روپے ہے تو وہ اس شرط پر اتفاق نہیں کر سکتے کہ کل منافع میں سے دس ہزار روپے مضارب کے ہوں گے اور نہ ہی وہ یہ طے کر سکتے ہیں کہ (مثلاً) راس المال کا بیس فیصد رب المال کو دیا جائے گا، البتہ وہ یہ طے کر سکتے ہیں کہ حقیقی نفع کا چالیس فیصد مضارب کو ملے گا اور ساٹھ فیصد رب المال کو یا اس کے برعکس۔

یہ بھی جائز ہے کہ مختلف حالات میں نفع کی مختلف نسبتیں طے کر لی جائیں، مثلاً: رب المال مضارب سے یہ کہہ سکتا ہے کہ اگر تم گندم کا کاروبار کرو گے تو تمہیں کل نفع کا پچاس فیصد ملے گا اور اگر آٹے کا کاروبار کرو گے تو کل منافع کا تینتیس فیصد۔ اسی طرح وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ اگر تم اپنے شہر میں کاروبار کرو گے تو تم نفع کے تیس فیصد کے مستحق ہو گے اور اگر تم کسی دوسرے شہر میں کاروبار کرو گے تو نفع میں سے تمہارا حصہ پچاس فیصد ہوگا۔

نفع کے طے شدہ متناسب حصے کے علاوہ مضارب مضاربہ کے لیے کیے گئے اپنے کام پر کسی قسم کی تنخواہ، فیس یا معاوضے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ تمام فقہی مکاتب فکر اس نکتے پر متفق ہیں، البتہ امام احمد رحمہ اللہ مضارب کو اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ وہ مضاربہ اکاؤنٹ سے صرف یومیہ خوراک کے اخراجات وصول کر لے۔ فقہائے حنفیہ کے نزدیک مضارب کو یہ حق صرف اس صورت میں حاصل ہوگا جبکہ وہ اپنے شہر سے باہر کسی کاروباری سفر پر ہو، اس صورت میں وہ ذاتی قیام و طعام وغیرہ کے اخراجات حاصل کر سکتا ہے، اپنے شہر میں ہونے کی صورت میں وہ کسی یومیہ الاؤنس کا مستحق نہیں ہوتا۔

اگر کاروبار کو بعض معاملات میں نقصان ہو اور بعض میں نفع، تو پہلے اس نفع سے نقصان کو پورا کیا جائے گا پھر بھی اگر وہ بچ جائے تو اسے طے شدہ تناسب سے فریقین میں تقسیم کیا جائے گا۔

مضاربہ کو ختم کرنا:

مضاربہ کا عقد فریقین میں سے کوئی بھی کسی بھی وقت ختم کر سکتا ہے، شرط صرف یہی ہے کہ دوسرے فریق کو اس کی باقاعدہ اطلاع کر دی جائے۔ اگر مضاربہ کے تمام اثاثہ جات نقد شکل میں ہیں اور راس المال پر کچھ نفع بھی کمایا جا چکا ہے تو انہیں

فریقین میں نفع کے طے شدہ تناسب کے مطابق تقسیم کرلیا جائے، لیکن اگر مضاربہ کے اثاثہ جات نقد شکل میں نہیں ہیں تو مضارب کو موقع دیا جائے گا کہ وہ ان اثاثہ جات کو بیچ کر نقد میں تبدیل کرے، تاکہ حقیقی نفع کا تعین ہو سکے۔

فقہاء کے اس سوال کے بارے میں مختلف نکتہ ہائے نظر ہیں کہ کیا مضاربہ ایک متعین مدت کے لیے موثر ہو سکتا ہے کہ اس مدت کے گزرنے پر مضاربہ خود بخود ختم ہو جائے؟ حنفی اور حنبلی مکاتبِ فکر کے مطابق مضاربہ کو ایک خاص مدت کے اندر محدود کیا جا سکتا ہے، مثلاً: ایک سال، چھ ماہ وغیرہ جس کے بعد مضاربہ بغیر کسی نوٹس کے ختم ہو جائے گا، اس کے برعکس مالکی اور شافعی فقہاء کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ مضاربہ کو خاص مدت کے اندر محدود نہیں کیا جا سکتا۔

بہر حال اس اختلاف کا تعلق مضاربہ کی مدت کی آخری اور زیادہ سے زیادہ حد کے ساتھ ہے، کیا فریقین کی طرف سے مضاربہ کی کم سے کم مدت بھی طے کی جا سکتی ہے جس سے پہلے مضاربہ کو ختم نہ کیا جا سکے؟ اسلامی فقہ کی کتابوں میں اس سوال کا صریح جواب نہیں ملتا، لیکن ایک ضابطہ جو عموماً یہاں ذکر کیا جاتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کی کوئی مدت متعین نہیں کی جا سکتی اور ہر فریق کو جب وہ چاہے معاہدہ ختم کرنے کا اختیار ہے۔

فریقین کا مضاربہ ختم کرنے کا یہ غیر محدود اختیار موجودہ حالات میں بعض مشکلات پیدا کر سکتا ہے، اس لیے کہ آج کل اکثر کاروباری مہمیں اپنے ثمرات دکھانے کے لیے کچھ وقت کی محتاج ہوتی ہیں، انہیں پیچیدہ اور مستقل مزاجی والی کوششیں درکار ہوتی ہیں، اس لیے اگر رب المال کاروباری مہم کے بالکل شروع ہی میں مضاربہ ختم کر دیتا ہے تو وہ بات اس منصوبے کے لیے بڑی مشکل کا باعث ہوگی۔ خاص طور پر مضارب کے لیے شدید دھچکا ہوگا جو کہ اپنی تمام کوششوں کے باوجود کچھ کما نہیں سکے گا۔ اس لیے اگر عقدِ مضاربہ میں داخل ہوتے وقت ہی فریقین اس بات پر متفق ہو جاتے ہیں کہ کوئی فریق بھی ایک معینہ مدت کے اندر چند مخصوص حالات کے علاوہ مضاربہ کو ختم نہیں کرے گا تو یہ بات بظاہر شریعت کے کسی اصول کے خلاف معلوم نہیں ہوتی، بالخصوص اس حدیث کی روشنی میں جس کا پہلے بھی حوالہ دیا جا چکا ہے، جس میں یہ آتا ہے کہ:

"المسلمون علی شروطھم، إلا شرطا أحل حراما أو حرم حلالاً."

"مسلمانوں کے درمیان طے شدہ شرطوں کو برقرار رکھا جائے گا سوائے ان شرطوں کے جو کسی حرام کی اجازت دے دیں یا کسی حلال کو حرام کر دیں۔"

کِتَابُ الوَدِیعَۃ

(امانت رکھنا)

تعریف:

کسی کے پاس کوئی چیز حفاظت کی غرض سے رکھنے کو ''ودیعت'' یا ''امانت'' کہتے ہیں۔

مسئلہ ①: کسی نے کوئی چیز تمہارے پاس امانت رکھی اور تم نے لے لی تو اب اس کی حفاظت کرنا تم پر واجب ہو گیا۔ اگر حفاظت میں کوتاہی کی اور وہ چیز ضائع ہوگئی تو اس کا تاوان دینا پڑے گا، البتہ اگر حفاظت میں کوتاہی نہیں ہوئی پھر بھی کسی وجہ سے وہ چیز ضائع ہوگئی، مثلاً: چوری ہوگئی یا گھر میں آگ لگ گئی اور وہ چیز جل گئی تو اس کا تاوان نہیں لے سکتا، بلکہ اگر امانت رکھتے وقت تم نے یہ اقرار کرلیا کہ اگر یہ امانت ضائع ہوگئی تو میں ذمہ دار ہوں، مجھ سے قیمت لے لینا تب بھی اس کو تاوان کے مطالبے کا اختیار نہیں، البتہ تم اپنی خوشی سے دے دو تو اور بات ہے۔

مسئلہ ②: کسی نے کہا: ''میں کسی کام سے جاتا ہوں، تم میری یہ چیز رکھ لو''، جواب میں تم نے کہا: ''اچھا رکھ دو'' یا تم نے کچھ نہیں کہا اور وہ تمہارے پاس رکھ کر چلا گیا تو یہ چیز تمہارے پاس امانت ہوگئی، البتہ اگر تم نے صاف کہہ دیا کہ میں نہیں رکھتا اور کسی کے پاس رکھ دو یا اور کچھ کہہ کر انکار کردیا پھر بھی وہ رکھ کر چلا گیا تو اب وہ چیز تمہارے پاس امانت نہیں، البتہ اگر اس کے چلے جانے کے بعد تم نے اٹھا کر رکھ لی ہو تو اب امانت ہو جائے گی۔

مسئلہ ③: کئی آدمی بیٹھے ہوئے تھے، ایک آدمی کوئی چیز ان کے سپرد کر کے چلا گیا تو سب پر اس چیز کی حفاظت واجب ہے۔ اگر وہ سب چھوڑ کر چلے گئے اور وہ چیز ضائع ہوگئی تو تاوان سب پر آئے گا اور اگر سب ایک ساتھ نہیں اٹھے بلکہ ایک ایک کر کے اٹھے تو جو سب سے آخر میں رہ گیا حفاظت کرنا اسی پر لازم ہوگا، اب وہ اگر چلا گیا اور وہ چیز ضائع ہوگئی تو اسی سے تاوان لیا جائے گا۔

مسئلہ ④: جس کے پاس کوئی امانت ہو اس کو اختیار ہے کہ چاہے خود اپنے پاس حفاظت سے رکھے یا اپنے والد،

بھائی یا بیوی وغیرہ کسی ایسے رشتہ دار کے پاس رکھوا دے جو ایک ہی گھر میں اس کے ساتھ رہتے ہوں اور ان کے پاس اپنی چیز بھی ضرورت کے وقت رکھ دیتا ہو، لیکن اگر ان میں سے کوئی دیانتدار نہ ہو تو اس کے پاس رکھنا درست نہیں۔ اگر جان بوجھ کر کسی ایسے غیر معتبر شخص کے پاس رکھ دیا تو ضائع ہو جانے پر تاوان دینا پڑے گا اور ایسے رشتہ دار کے سوا کسی اور کے پاس کسی کی امانت اس کی اجازت کے بغیر رکھنا درست نہیں، چاہے وہ بالکل غیر ہو یا اس کے ساتھ کوئی رشتہ داری بھی ہو۔ اگر اوروں کے پاس رکھ دی تو بھی ضائع ہو جانے پر تاوان دینا پڑے گا، البتہ اگر وہ ایسا شخص ہے کہ یہ اپنی چیزیں بھی اس کے پاس رکھتا ہے تو درست ہے۔

مسئلہ ⑤: کسی نے کوئی چیز تمہارے پاس رکھی اور تم بھول گئے اور اسے وہیں چھوڑ کر چلے گئے تو ضائع ہونے کی صورت میں تاوان دینا پڑے گا، اسی طرح کوٹھڑی، صندوقچہ وغیرہ کا تالا کھول کر تم چلے گئے جبکہ وہاں ہر قسم کے لوگ جمع ہیں اور وہ چیز ایسی ہے کہ عرفاً تالا لگائے بغیر اس کی حفاظت نہیں ہو سکتی تب بھی ضائع ہو جانے کی صورت میں تاوان دینا ہوگا۔

مسئلہ ⑥: خدانخواستہ گھر میں آگ لگ جائے یا کوئی اور اچانک حادثہ ہو تو ایسے وقت میں امانت کسی اور کے پاس بھی رکھنا جائز ہے، لیکن جب وہ عذر ختم ہو جائے تو فوراً واپس لے لینا چاہیے، اگر اب واپس نہیں لے گا تو نقصان کی صورت میں تاوان دینا پڑے گا، اسی طرح موت کے وقت اگر اپنے گھر کا کوئی آدمی موجود نہ ہو تو پڑوسی کے سپرد کر دینا درست ہے۔

مسئلہ ⑦: اگر کسی نے کچھ رقم امانت رکھوائی تو بعینہ اسی رقم کو حفاظت سے رکھنا واجب ہے، نہ اپنی رقم میں ملانا جائز ہے اور نہ اس کو خرچ کرنا جائز ہے، یہ نہ سمجھو کہ دونوں رقمیں برابر ہیں، اس وقت خرچ کر لیتے ہیں جب امانت رکھنے والا مانگے گا تو اپنی رقم دے دیں گے، البتہ اگر اس نے اجازت دے دی ہو تو ایسے وقت میں خرچ کرنا درست ہے، لیکن اس کا یہ حکم ہے کہ اگر وہی رقم تم الگ رہنے دو تب تو وہ امانت سمجھی جائے گی، اگر ضائع ہو گئی تو تاوان نہیں دینا پڑے گا اور اگر تم نے اجازت لے کر اسے خرچ کر دیا تو اب وہ تمہارے ذمہ قرض ہو گئی، امانت نہیں رہی، لہٰذا اب بہر حال تمہیں وہ قرض دینا پڑے گا۔

اگر خرچ کرنے کے بعد تم نے اتنی ہی رقم اس کے نام سے الگ کر کے رکھ دی تب بھی وہ امانت نہیں، وہ تمہاری ہی رقم ہے، اگر چوری ہو گئی تو تمہاری رقم کی ہوگی، اس کا قرض بہر حال ادا کرنا پڑے گا۔ غرض یہ کہ خرچ کرنے کے بعد جب تک اس کو ادا نہ کر دو گے تب تک تمہارے ذمہ رہے گا۔

مسئلہ ⑧: سو روپے کسی نے تمہارے پاس امانت رکھے، ان میں سے پچاس تم نے اجازت لے کر خرچ کر دیے تو

پچاس تمہارے ذمہ قرض ہو گئے اور پچاس امانت، اب جب تمہارے پاس اپنے روپے ہوں تو انہیں امانت کے پچاس روپے میں نہ ملاؤ، اگر اس میں ملا دو گے تو وہ بھی امانت نہیں رہیں گے اور یہ پورے سو روپے تمہارے ذمہ قرض ہو جائیں گے، اگر ضائع ہو گئے تو پورے سو روپے دینا پڑیں گے، کیونکہ امانت کا روپیہ اپنے روپوں میں ملا دینے سے امانت نہیں رہتا بلکہ قرض ہو جاتا ہے اور ہر حال میں دینا پڑتا ہے۔

مسئلہ (۹): تم نے اجازت لے کر اس کے سو روپے اپنے سو روپے میں ملا دیے تو یہ سارے روپے دونوں کے درمیان مشترک ہو گئے، اگر چوری ہو گئے تو دونوں کے ہوئے، تمہیں کچھ نہیں دینا پڑے گا اور اگر اس میں سے کچھ چوری ہو گئے اور کچھ رہ گئے تب بھی آدھا اس کا گیا آدھا تمہارا، اور اگر سو ایک کے ہوں اور دو سو دوسرے کے ہوں تو ہر ایک کے حصے کے مطابق ضائع شدہ سمجھے جائیں گے، مثلاً: اگر بارہ روپے ضائع ہو گئے تو چار روپے ایک سو روپے والے کے گئے اور آٹھ روپے دو سو والے کے۔ یہ حکم اس وقت ہے جب اجازت سے ملائے ہوں اور اگر اجازت کے بغیر اپنے روپوں میں ملا دیے تو ان کا وہی حکم ہے جو بیان ہو چکا کہ امانت کا روپیہ بلا اجازت اپنے روپوں میں ملا لینے سے قرض ہو جاتا ہے، اس لیے اب وہ روپیہ امانت نہیں رہا، جو کچھ گیا تمہارا گیا، اس کے روپے اس کو بہر حال دینے پڑیں گے۔

مسئلہ (۱۰): کسی نے بکری یا گائے وغیرہ امانت رکھی تو اس کا دودھ پینا یا کسی اور طریقہ سے اس سے فائدہ حاصل کرنا درست نہیں، البتہ اجازت سے یہ سب جائز ہو جاتا ہے، بلا اجازت جتنا دودھ لیا ہے اس کی قیمت دینی پڑے گی۔

مسئلہ (۱۱): کسی نے ایک کپڑا یا زیور یا چارپائی وغیرہ امانت رکھی تو اس کی اجازت کے بغیر اس کو استعمال کرنا درست نہیں، اگر اس نے اجازت کے بغیر کپڑا یا زیور پہنا یا چارپائی پر بیٹھا یا لیٹا اور اس کے استعمال کے دوران وہ کپڑا پھٹ گیا یا چور لے گیا یا زیور، چارپائی وغیرہ ٹوٹ گئی یا چوری ہو گئی تو تاوان دینا پڑے گا، البتہ اگر توبہ کر کے پھر اسی طرح حفاظت سے رکھ دیا، پھر کسی وجہ سے ضائع ہو گیا تو تاوان نہیں دینا پڑے گا۔

مسئلہ (۱۲): صندوق سے امانت کا کپڑا اس ارادے سے نکالا کہ شام کو یہی کپڑا پہن کر فلاں جگہ جاؤں گا، پھر پہننے سے پہلے ہی وہ ضائع ہو گیا تو بھی تاوان دینا پڑے گا۔

مسئلہ (۱۳): کسی نے امانت رکھنے کے لیے روپے دیے تم نے جیب میں رکھ لیے یا بٹوے میں ڈال لیے لیکن ڈالتے وقت وہ روپے جیب یا بٹوے میں نہیں پڑے، بلکہ نیچے گر گئے، مگر تم یہی سمجھے کہ میں نے بٹوے میں رکھ لیے تو تاوان نہیں دینا پڑے گا۔

مسئلہ ۱۴: جب کوئی اپنی امانت مانگے تو فوراً اس کو دیدینا واجب ہے، بلا عذر نہ دینا اور دیر کرنا جائز نہیں۔ اگر کسی نے اپنی امانت مانگی، تم نے کہا: ''اس وقت میں فارغ نہیں ہوں، کل لے لینا''، اس نے کہا اچھا کل ہی سہی، تب تو کوئی حرج نہیں اور اگر وہ کل لینے پر راضی نہ ہوا اور نہ دینے سے ناراض ہو کر چلا گیا تو اب وہ چیز امانت نہیں رہی، قرض ہوگئی، اس لیے اگر ضائع ہوگئی تو تمھیں تاوان دینا پڑے گا۔

مسئلہ ۱۵: امانت رکھوانے والے نے کسی آدمی کو امانت مانگنے کے لیے بھیجا تو امانت رکھنے والے کو اختیار ہے کہ اس آدمی کو نہ دے اور پیغام بھیجو کہ وہ خود ہی آ کر اپنی چیز لے جائے، ہم کسی اور کو نہیں دیں گے اور اگر اس نے اس کو سچا سمجھ کر دے دی اور پھر مالک نے کہا کہ میں نے اس کو نہیں بھیجا تھا، تم نے کیوں دے دی؟ تو اس کی دو صورتیں ہیں: اگر امانت رکھنے والے نے اس بھیجے ہوئے شخص سے یہ کہا کہ مجھے معلوم ہے کہ تم فلاں کی طرف سے آئے ہو لیکن مجھے خطرہ ہے کہ وہ امانت رکھوانے والا بعد میں تمھیں بھیجنے سے انکار کر دے گا اور مجھ سے چیز کا مطالبہ کرے گا تو کیا تم اس کی واپسی کی ضمانت دیتے ہو؟ اگر اس نے منظور کر لیا تو وہ ضامن ہوگا اور اگر اس نے منظور نہ کیا اس نے پھر بھی بھروسہ کر کے دوسرے کی چیز دیدی تو وہ ضامن نہیں ہوگا البتہ اس امانت رکھنے والے پر لازم ہوگا کہ وہ مالک کو مطالبہ پر ادا کرے گا۔

کِتَابُ الرّھن

(گروی رکھنا)

مسئلہ ①: تم نے کسی سے دس روپے قرض لیے اور اس کے اعتماد کے لیے اپنی کوئی چیز اس کے پاس رکھ دی کہ تجھے مجھ پر اعتماد نہ ہو تو میری یہ چیز اپنے پاس رکھ لے، جب میں روپے ادا کر دوں گا تو اپنی چیز لے لوں گا، یہ جائز ہے، اسی کو ''رہن'' یعنی ''گروی رکھنا'' کہتے ہیں، لیکن سود دینا کسی طرح درست نہیں، جیسا کہ آج کل بعض لوگ سود لے کر گروی رکھتے ہیں، یہ ہر گز درست نہیں۔ سود لینا اور دینا دونوں حرام ہیں۔

مسئلہ ②: جب تم نے کوئی چیز گروی رکھ دی تو اب قرضہ ادا کیے بغیر تمہیں اپنی چیز مانگنے اور لینے کا حق نہیں۔

مسئلہ ③: جو چیز تمہارے پاس کسی نے گروی رکھی ہے اس چیز کو استعمال میں لانا، اس سے کسی طرح بھی نفع اٹھانا، ایسے باغ کا پھل کھانا، ایسی زمین کا غلہ یا روپیہ لے کر کھانا، ایسے گھر میں رہنا، کچھ بھی درست نہیں۔

مسئلہ ④: اگر بکری گائے وغیرہ گروی رکھی ہو تو اس کا دودھ بچہ وغیرہ سب کچھ مالک ہی کا ہے۔ جس کے پاس گروی رکھی ہوئی ہے اس کے لیے لینا درست نہیں۔ دودھ بیچ کر قیمت بھی گروی میں شامل کر دے۔ جب وہ قرضہ ادا کر دے تو گروی رکھی ہوئی چیز اور دودھ کی قیمت سب واپس کر دی جائے، البتہ رکھنے والے نے جو چارہ کھلایا ہے اس کی قیمت کاٹ سکتا ہے۔

مسئلہ ⑤: اگر تم نے اپنا کچھ قرضہ ادا کر دیا تو بھی گروی رکھی ہوئی چیز واپس نہیں لے سکتے، بلکہ جب سارا قرض ادا کر دو گے تب وہ چیز ملے گی۔

مسئلہ ⑥: اگر تم نے کسی سے دس ہزار روپے قرض لیے اور دس ہزار روپے کی چیز اس کے پاس گروی رکھوا دی اور وہ چیز اس کے پاس سے ضائع ہو گئی تو اب نہ تو وہ تم سے اپنا کچھ قرض لے سکتا ہے اور نہ تم اس سے اپنی گروی رکھی ہوئی چیز لے سکتے ہو، تمہاری وہ چیز ضائع ہو گئی اور اس کا روپیہ ضائع ہو گیا اور اگر پانچ ہزار روپے کی چیز گروی رکھی تھی اور وہ ضائع ہو گئی تو پانچ ہزار روپے تمہیں دینا پڑیں گے اور پانچ ہزار روپے گروی رکھی ہوئی چیز کے بدلے میں تمہارے ذمہ سے اتر گئے۔

کِتَابُ العَارِیَۃ

(کوئی چیز استعمال کے لیے لینا)

مسئلہ ۱: کسی نے کوئی کپڑا، زیور، چار پائی، برتن یا گاڑی وغیرہ وغیرہ کوئی چیز کچھ دن کے لیے مانگ لی کہ ضرورت پوری ہوجانے کے بعد واپس کردی جائے گی تو اس کا حکم بھی امانت کی طرح ہے۔ اب اس کو اچھی طرح حفاظت سے رکھنا واجب ہے۔ اگر حفاظت کے باوجود ضائع ہوگئی تو جس کی چیز ہے اس کو تاوان لینے کا حق نہیں، بلکہ اگر تم نے کہہ دیا ہو کہ اگر ضائع ہوگئی تو ہم سے قیمت لے لینا تب بھی تاوان لینا درست نہیں، البتہ اگر حفاظت نہ کرنے کی وجہ سے ضائع ہوگئی تو تاوان دینا پڑے گا اور مالک کو ہر وقت اختیار ہے کہ جب چاہے اپنی چیز واپس لے لے، تمہارے لیے انکار کرنا درست نہیں۔ اگر اس کے مانگنے پر نہ دی تو پھر ضائع ہوجانے پر تاوان دینا پڑے گا۔

مسئلہ ۲: مالک نے جس طرح استعمال کی اجازت دی ہو اسی طرح استعمال کرنا جائز ہے، کسی اور طرح جائز نہیں، اگر کرے گا تو ضائع ہوجانے کی صورت میں تاوان دینا پڑے گا، جیسے: کسی نے استعمال کے لیے چار پائی دی اور اس پر اتنے زیادہ آدمی بیٹھ گئے کہ وہ ٹوٹ گئی یا شیشے کا برتن آگ پر رکھ دیا اور وہ ٹوٹ گیا یا اور کوئی ایسا کام اس کی اجازت کے خلاف کیا تو تاوان دینا پڑے گا۔ اسی طرح اگر کوئی چیز مانگ کرلے لی اور یہ بدنیتی کی کہ اب اس کو واپس نہیں دوں گا تب بھی اس چیز کے ضائع ہونے کی صورت میں تاوان دینا پڑے گا۔

مسئلہ ۳: ایک یا دو دن کے لیے کوئی چیز منگوائی تو اب ایک دو دن کے بعد واپس کرنا ضروری ہے۔ جتنے دن کے وعدے پر لایا تھا اتنے دن کے بعد اگر واپس نہیں کرے گا تو ضائع ہوجانے کی صورت میں تاوان دینا پڑے گا۔

مسئلہ ۴: جو چیز عاریۃً (استعمال کے لیے) لی ہے اس میں یہ دیکھنا چاہیے کہ اگر مالک نے زبان سے واضح طور پر کہہ دیا کہ چاہے خود استعمال کرو، چاہے دوسرے کو دو تو عاریت پر لینے والے کے لیے درست ہے کہ دوسرے کو بھی استعمال کے لیے دیدے۔ اسی طرح اگر اس نے صاف صاف تو نہیں کہا مگر اس سے تعلق ایسا ہے کہ اس کو یقین ہے کہ ہر طریقہ سے استعمال کرنے کی اس کو اجازت ہے تب بھی یہی حکم ہے اور اگر مالک نے صاف صاف منع کردیا کہ تم خود استعمال کرنا، کسی اور

کومت دینا تو اس صورت میں کسی طرح درست نہیں کہ دوسرے کو استعمال کرنے کے لیے دی جائے اور اگر عاریت پر لینے والے نے یہ کہہ کر لی کہ میں استعمال کرونگا اور مالک نے دوسرے کے استعمال کرنے سے نہ منع کیا اور نہ صاف اجازت دی تو اس چیز کو دیکھو کیسی ہے؟ اگر وہ ایسی ہے کہ سب استعمال کرنے والے اس کو ایک ہی طریقہ سے استعمال کیا کرتے ہیں، استعمال کرنے میں فرق نہیں ہوتا تب تو خود استعمال کرنا بھی درست ہے اور دوسرے کو استعمال کے لیے دینا بھی درست ہے اور اگر وہ چیز ایسی ہے کہ سب استعمال کرنے والے اس کو ایک طریقہ سے استعمال نہیں کرتے، بلکہ کوئی اچھی طرح کرتا ہے اور کوئی بری طرح، تو ایسی چیز تم دوسرے کو نہیں دے سکتے۔ اسی طرح اگر یہ کہہ کر عاریت پر لی کہ ہمارا فلاں رشتہ دار یا ملاقاتی استعمال کرے گا اور مالک نے تمہارے استعمال کرنے یا نہ کرنے کا ذکر نہیں کیا تو اس صورت میں بھی یہی حکم ہے کہ پہلی قسم کی چیز کو تم بھی استعمال کر سکتے ہو اور دوسری قسم کی چیز کو تم نہیں استعمال کر سکو گے، صرف وہی استعمال کرے گا جس کے نام پر عاریت لی ہے اور اگر تم نے یوں ہی عاریت پر لے لی، نہ اپنے استعمال کرنے کا ذکر کیا اور نہ دوسرے کا اور مالک نے بھی کچھ نہیں کہا تو اس کا حکم یہ ہے کہ پہلی قسم کی چیز کو تو تم بھی استعمال کر سکتے ہو اور دوسرے کو استعمال کرنے کے لیے دے سکتے ہو اور دوسری قسم کی چیز کا حکم یہ ہے کہ اگر تم نے استعمال کرنا شروع کر دیا تب تو دوسرے کو استعمال کرنے کے لیے نہیں دے سکتے اور اگر دوسرے سے استعمال کرا لیا تو تم استعمال نہیں کر سکتے۔

مسئلہ ۵: ماں باپ وغیرہ کا چھوٹے نابالغ بچے کی چیز کسی کو عاریت پر دینا جائز نہیں۔ اگر وہ ضائع ہوگئی تو تاوان دینا پڑے گا،[1] اسی طرح اگر نابالغ خود اپنی چیز عاریت پر دے تو اسے لینا بھی جائز نہیں۔

مسئلہ ۶: کسی سے کوئی چیز عاریت پر لی، پھر مالک فوت ہو گیا تو اب اس کے مرنے کے بعد وہ چیز عاریت کی نہیں رہی، اس لیے اس کو استعمال کرنا درست نہیں، واپس کر دی جائے۔ اسی طرح اگر وہ عاریت پر لینے والا مر گیا تو اس کے وارثوں کے لیے اسے استعمال کرنا درست نہیں۔

۱- وذكر شمس الأئمة في اول شرح الوكالة: أن للأب أن يعير ولده، وهل له ان يعير مال ولده؟ بعض المتأخرين من مشايخنا قالوا: له ذلك، وعامة المشايخ على أن ليس له ذلك، كذا في المحيط، فإن فعل وهلك كان ضامنا. (عالمگیریه: ۴۱۵/۴، قدیمی)

کِتَابُ الھِبَۃ

(کسی کو تحفہ دینا)

مسئلہ ۱: تم نے کسی کو کوئی چیز دی اور اس نے قبول کر لی یا زبان سے کچھ نہیں کہا بلکہ تم نے اس کے ہاتھ پر رکھ دی اور اس نے لے لی تو اب وہ چیز اس کی ہوگئی، تمہاری نہیں رہی، وہی اس کا مالک ہے۔ اس کو شریعت میں ''ہبہ'' کہتے ہیں، البتہ زبانی طور پر کسی کو کوئی چیز دے دینے سے ہبہ مکمل نہیں ہوتا بلکہ ہبہ مکمل ہونے کے لیے یہ شرط ہے۔

ہبہ کر کے وہ چیز اس کے قبضہ میں بھی دیدے، اگر تم نے کہا: ''یہ چیز ہم نے تمہیں دے دی''، اس نے کہا: ''میں نے لے لی''، لیکن ابھی تم نے اس کے قبضہ میں نہیں دی تو یہ ہبہ مکمل نہیں ہوا اور ابھی وہ چیز تمہاری ہی ملک میں ہے، البتہ اگر اس نے اس چیز پر قبضہ کر لیا تو اب قبضہ کر لینے کے بعد وہ اس کا مالک بن گیا۔

مسئلہ ۲: تم نے وہ دی ہوئی چیز اس کے سامنے اس طرح رکھ دی کہ اگر وہ اٹھانا چاہے تو اٹھا سکے اور کہہ دیا کہ اس کو لے لو تو اس طرح پاس رکھ دینے سے بھی وہ مالک بن گیا اور یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے یہ چیز اٹھالی اور اس پر قبضہ کر لیا۔

مسئلہ ۳: بند صندوق میں کچھ کپڑے دے دیے لیکن اس کی چابی نہیں دی تو یہ قبضہ نہیں ہوا، جب چابی دے گا تب قبضہ ہوگا اور اس وقت وہ شخص مالک بن جائے گا جس کو کپڑے دیے گئے ہیں۔

مسئلہ ۴: کسی بوتل میں تیل یا اور کچھ رکھا ہے، یا کاٹن میں کوئی چیز رکھی ہے تم نے وہ بوتل کسی کو دے دی لیکن تیل نہیں دیا یا کاٹن دیا لیکن اس میں رکھی چیز نہیں دی تو یہ ہبہ صحیح نہیں ہوا، اگر وہ قبضہ کر لے تب بھی اس کا مالک نہیں بنے گا، جب تم اپنی چیز بوتل کاٹن سے نکال کر دو گے تب وہ مالک بن جائے گا۔ اگر تیل کسی کو دیدیا مگر بوتل نہیں دی اور اس نے بوتل سمیت لے لیا کہ ہم خالی کر کے واپس کر دیں گے تو تیل اس کا ہو گیا، قبضہ کرنے کے بعد مالک بن جائے گا۔

غرض یہ کہ جب برتن ڈبہ وغیرہ کوئی ایسی چیز دو جس میں دوسری چیزیں رکھی جاتی ہیں اور تمہارا مقصد صرف برتن ڈبہ دینا ہو

تو ہبہ مکمل ہونے کے لیے خالی کر کے دینا شرط ہے، خالی کیے بغیر دینا صحیح نہیں۔ اسی طرح اگر کوئی کسی کو مکان دے تو اپنا سارا سامان نکال کر مکان خالی کر کے دے اور خود بھی اس سے نکل جائے۔ تب ہبہ مکمل ہوگا ورنہ نہیں۔[1]

مسئلہ ۵: اگر کسی کو آدھی یا تہائی یا چوتھائی چیز دی، پوری چیز نہیں دی تو اس کا حکم یہ ہے کہ دیکھو وہ کس قسم کی چیز ہے؟ آدھی یا تہائی وغیرہ تقسیم کر کے دینے کے بعد بھی کام کی رہے گی یا نہیں؟ اگر تقسیم کر کے دینے کے بعد اس کام کی نہ رہے، جیسے کوئی مشین کہ اگر درمیان سے توڑ کر دیدو گے تو کام کی نہیں رہے گی اور جیسے: چوکی، پلنگ، پتیلی، پیالہ، صندوق، جانور وغیرہ، ایسی چیزوں کو تقسیم کیے بغیر بھی آدھی تہائی وغیرہ جتنا دینا چاہو تو جائز ہے۔ اگر وہ قبضہ کر لے تو جتنا تم نے دیا ہے اس کا وہ مالک بن گیا اور وہ چیز دونوں کے درمیان مشترک ہوگئی؛ اور اگر وہ چیز ایسی ہے کہ تقسیم کرنے کے بعد بھی کام کی رہے گی، جیسے: زمین، گھر، کپڑے کا تھان، جلانے کی لکڑی، اناج غلہ، دودھ، دہی وغیرہ تو تقسیم کیے بغیر ان کو ہبہ کرنا صحیح نہیں۔ اگر تم نے کسی سے کہا: ''میں نے اس برتن کا آدھا گھی تمہیں دے دیا''، اس نے کہا: ''میں نے لے لیا'' تو یہ ہبہ مکمل و نافذ نہیں ہوا، بلکہ اگر وہ برتن پر قبضہ بھی کر لے تب بھی اس کا مالک نہیں بنے گا، ابھی سارا گھی تمہارا ہی ہے، البتہ اس کے بعد اگر اس میں سے آدھا گھی الگ کر کے اس کے حوالے کر دو تو اب وہ اس کا مالک ہو جائے گا۔

مسئلہ ۶: ایک تھان یا ایک مکان یا باغ وغیرہ، دو آدمیوں نے مل کر آدھا آدھا خریدا تو جب تک یہ دونوں اس کو آپس میں تقسیم نہ کر لیں اس وقت تک اپنا حصہ کسی کو دینا صحیح نہیں۔[2]

مسئلہ ۷: اکٹھے کچھ پیسے دو مالدار آدمیوں کو دیے کہ تم دونوں آدھے آدھے لے لو۔ یہ صحیح نہیں، بلکہ آدھے آدھے تقسیم کر کے دینا چاہیے، البتہ اگر وہ دونوں فقیر ہوں تو تقسیم کی ضرورت نہیں۔

مسئلہ ۸: بکری یا گائے وغیرہ کے پیٹ میں جو بچہ ہے پیدا ہونے سے پہلے اس کو ہبہ کرنا صحیح نہیں، بلکہ اگر اسی طرح ہبہ کر دیا تو پیدا ہونے کے بعد وہ قبضہ بھی کر لے تب بھی مالک نہیں بنے گا، اگر ہبہ کرنا ہو تو پیدا ہونے کے بعد دوبارہ ہبہ کر دے۔

مسئلہ ۹: کسی نے بکری دے دی اور کہا کہ اس کے پیٹ میں جو بچہ ہے وہ نہیں دیتا تو یہ کہنا معتبر نہیں، بکری اور

۱- حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فیض الباری (3/372) میں اس مسئلہ پر بحث کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ عرفاً جس کو قبضہ سمجھا جاتا ہو اور فریقین میں کسی قسم کا جھگڑا نہ ہوتا ہو، وہ ہبہ کے تام ہونے کے لیے کافی ہونا چاہیے۔

۲- اس لیے کہ تقسیم سے پہلے یہ آدھا حصہ شریک کے آدھے حصے کے ساتھ خلط ملط ہے اور ہبہ کے درست ہونے کے لیے ضروری ہے کہ ہبہ کی جانے والی چیز کسی دوسری چیز کے ساتھ متصل نہ ہو۔ الگ اور جدا ہو۔

بچہ دونوں اس شخص کے ہوگئے۔ پیدا ہونے کے بعد اصل مالک کو بچہ واپس لینے کا اختیار نہیں۔

مسئلہ (۱۰): تمہاری کوئی چیز کسی کے پاس امانت رکھی ہوئی تھی، تم نے اسی کو دے دی تو اس صورت میں اس کے صرف اتنا کہہ دینے سے کہ "میں نے لے لی" وہ اس کا مالک بن جائے گا، دوبارہ اس پر قبضہ کرنا شرط نہیں، کیونکہ وہ چیز تو اس کے پاس ہی ہے۔

مسئلہ (۱۱): نابالغ لڑکا یا لڑکی اپنی چیز کسی کو دیدے تو اس کا "ہبہ" صحیح نہیں اور اس کی چیز لینا بھی ناجائز ہے۔ اس مسئلہ کو خوب یاد رکھلو، بہت سارے لوگ اس میں غلطی کرتے ہیں۔

بچوں کو ہبہ کرنا:

مسئلہ (۱۲): ختنہ وغیرہ کسی تقریب میں چھوٹے بچوں کو جو کچھ دیا جاتا ہے اس سے مقصود خاص اس بچے کو دینا نہیں ہوتا، بلکہ ماں باپ کو دینا مقصود ہوتا ہے، اس لیے ایسے موقعوں پر دیا جانے والا "نیوتہ" بچے کی ملکیت نہیں، بلکہ ماں باپ اس کے مالک ہیں، جو چاہیں اس میں تصرف کریں، البتہ اگر کوئی شخص خاص بچے ہی کو کوئی چیز ہبہ کرے تو پھر وہی بچہ اس کا مالک ہے۔ اگر بچہ سمجھدار ہے تو خود اسی کا قبضہ کر لینا کافی ہے، جب قبضہ کر لیا تو مالک ہوگیا۔ اگر بچہ قبضہ نہ کرے یا قبضہ کرنے کے لائق نہ ہو تو اگر باپ ہو تو اس کے قبضہ کر لینے سے اور اگر باپ نہ ہو تو دادا کے قبضہ کر لینے سے بچہ مالک ہو جائے گا۔ اگر باپ دادا موجود نہ ہوں تو وہ بچہ جس کی پرورش میں ہے اس کو بچے کی طرف سے قبضہ میں لے لینا چاہیے اور باپ دادا کے ہوتے ہوئے ماں، نانی، دادی، وغیرہ اور کسی کا قبضہ معتبر نہیں۔

مسئلہ (۱۳): اگر باپ یا اس کے نہ ہوتے ہوئے دادا اپنے بیٹے، پوتے کو کوئی چیز دینا چاہے تو صرف اتنا کہہ دینے سے ہبہ صحیح ہو جائے گا کہ میں نے اس کو یہ چیز دے دی اور اگر باپ دادا نہ ہوں تو ماں، بھائی وغیرہ بھی اگر اس کو کچھ دینا چاہیں اور وہ بچہ ان کی پرورش میں ہو تو ان کے اس کہہ دینے سے بھی وہ بچہ مالک ہوگیا، کسی کے قبضہ کی ضرورت نہیں۔

مسئلہ (۱۴): جو چیز اپنی اولاد کو دینی ہو سب کو برابر برابر دینا چاہیے، لڑکا لڑکی سب کو برابر دے۔ اگر کبھی کسی کو کچھ زیادہ دیدیا تو بھی کوئی حرج نہیں، لیکن جسے کم دیا اس کو نقصان پہنچانا مقصود نہ ہو، ورنہ کم دینا درست نہیں۔

مسئلہ (۱۵): جو چیز نابالغ کی ملکیت میں ہو اس کا حکم یہ ہے کہ اسی بچے ہی کی ضرورت میں لگانا چاہیے۔ کسی اور کو اپنے استعمال میں لانا جائز نہیں۔ خود ماں باپ بھی اپنے استعمال میں نہ لائیں، نہ کسی اور بچے کو استعمال کرنے دیں۔

مسئلہ ۱۶: اگر ظاہراً بچے کو دیا مگر یقیناً معلوم ہے کہ مقصد تو ماں باپ ہی کو دینا ہے مگر اس چیز کو حقیر سمجھ کر بچے ہی کے نام سے دیدیا تو ماں باپ کی ملکیت ہے، وہ جو چاہیں کریں، پھر اس میں بھی دیکھ لیں کہ اگر ماں کے رشتہ داروں نے دیا ہے تو ماں کا ہے، اگر باپ کے رشتہ داروں نے دیا ہے تو باپ کا ہے۔

مسئلہ ۱۷: اپنے نابالغ لڑکے کے لیے کپڑے بنوائے تو وہ لڑکا مالک ہوگیا یا نابالغ لڑکی کے لیے زیور بنوایا تو وہ لڑکی اس کی مالک ہوگئی، اب وہ کپڑے یا زیور کسی اور لڑکے یا لڑکی کو دینا درست نہیں، جس کے لیے بنوائے ہیں اسی کو دے، البتہ اگر بناتے وقت صاف کہہ دیا کہ یہ میری ہی چیز ہے، عاریت کے طور پر دیتا ہوں تو بنوانے والے کی رہے گی۔

مسئلہ ۱۸: جس طرح خود بچہ اپنی چیز کسی کو دے نہیں سکتا اسی طرح ماں باپ کو بھی نابالغ اولاد کی چیز کسی کو دینے کا اختیار نہیں، اگر ماں باپ اس کی چیز کسی کو دے دیں یا ذرا دیر یا کچھ دن کے لیے عاریت پر دے دیں تو اس کے لیے لینا درست نہیں۔ البتہ اگر ماں باپ کو غربت کی وجہ سے سخت ضرورت ہو اور وہ چیز کہیں اور سے ان کو نہ مل سکے تو ایسی مجبوری کے وقت اپنی اولاد کی چیز لے لینا درست ہے۔

مسئلہ ۱۹: ماں باپ وغیرہ کے لیے بچے کا مال کسی کو قرض دینا بھی صحیح نہیں، بلکہ بغیر مجبوری کے خود قرض لینا بھی صحیح نہیں، البتہ اگر سخت مجبوری ہو تو والدین کے لیے بچے کا مال بطورِ قرض لینا صحیح ہے۔

ہبہ دے کر واپس لینا:

مسئلہ ۲۰: کسی کو کوئی چیز دینے کے بعد واپس لینا بڑا گناہ ہے، لیکن اگر کوئی واپس لے لے اور جس کو دی تھی وہ اپنی خوشی سے واپس بھی کر دے تو دینے والا پھر اس کا مالک بن جائے گا، مگر بعض صورتیں ایسی ہیں جن میں واپس لینے کا اختیار بالکل نہیں رہتا، مثلاً: تم نے کسی کو بکری دی، اس نے کھلا پلا کر اس کو خوب موٹا تازہ کر دیا تو اب واپس لینے کا اختیار نہیں یا کسی کو زمین دی، اس نے اس میں گھر بنا لیا یا باغ لگا لیا تو اب واپس لینے کا اختیار نہیں یا کپڑا دینے کے بعد اس نے کپڑے کو سی لیا یا رنگ کر لیا یا دھلوا لیا تو اب واپس لینے کا اختیار نہیں۔

مسئلہ ۲۱: کسی کو بکری دی، اس کے ایک دو بچے ہوئے تو واپس لینے کا اختیار باقی ہے، لیکن صرف بکری واپس لے سکتا ہے، بچے نہیں لے سکتا۔

مسئلہ ۲۲: دینے کے بعد اگر دینے والا یا لینے والا مر جائے تب بھی واپس لینے کا اختیار نہیں رہتا۔

مسئلہ ۲۳: بیوی نے اپنے شوہر کو یا شوہر نے اپنی بیوی کو کچھ دیا تو اس کو واپس لینے کا اختیار نہیں، اسی طرح اگر کسی نے ایسے رشتہ دار کو کچھ دیا جس سے نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہے اور رشتہ خون کا ہے، جیسے: بھائی، بہن، بھتیجا، بھانجا وغیرہ تو اس سے واپس لینے کا اختیار نہیں؛ اور اگر رشتہ داری تو ہے لیکن نکاح حرام نہیں، جیسے: چچازاد، پھوپھی زاد بہن بھائی وغیرہ یا نکاح حرام تو ہے لیکن نسب کے اعتبار سے قرابت نہیں یعنی رشتہ خون کا نہیں، بلکہ دودھ کا رشتہ یا اور کوئی رشتہ ہے، جیسے: دودھ شریک بھائی، بہن وغیرہ یا داماد، ساس، خسر وغیرہ تو ان سب سے واپس لینے کا اختیار رہتا ہے۔

مسئلہ ۲۴: جتنی صورتوں میں واپس لینے کا اختیار ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ بھی واپس دینے پر راضی ہو جائے اس وقت واپس لینے کا اختیار ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، لیکن گناہ اس میں بھی ہے اور اگر وہ راضی نہ ہو اور واپس نہ کرے تو قاضی کے فیصلہ کے بغیر زبردستی واپس لینے کا اختیار نہیں اور اگر قاضی کے فیصلہ کے بغیر زبردستی واپس لے لے تو یہ مالک نہ ہوگا۔

صدقہ اور خیرات:

مسئلہ ۲۵: ہبہ کے جو احکام بیان ہوئے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے صدقہ وخیرات کرنے کے بھی اکثر وہی احکام ہیں، مثلاً: صدقہ کی چیز قبضہ کیے بغیر فقیر کی ملکیت میں داخل نہیں ہوتی اور جس چیز کے ہبہ کرنے کے لیے تقسیم کرنا شرط ہے اس کو صدقہ کرنے کے لیے بھی تقسیم کرنا شرط ہے، جس چیز کو خالی کر کے ہبہ کرنا ضروری ہے اس کو یہاں بھی خالی کر کے دینا ضروری ہے، البتہ دو باتوں میں فرق ہے: ایک یہ ہے کہ ہبہ دے دینے کے بعد رضامندی سے واپس لینے کا اختیار رہتا ہے اور صدقہ دے دینے کے بعد واپس لینے کا اختیار نہیں رہتا۔ دوسری یہ ہے کہ آٹھ دس روپے اگر دو فقیروں کو دیدو کہ تم دونوں تقسیم کر لینا تو یہ بھی درست ہے اور ہبہ میں اس طرح کرنا درست نہیں۔[1]

مسئلہ ۲۶: کسی فقیر کو ایک روپے دینا چاہ رہا تھا مگر غلطی سے پانچ روپے چلے گئے تو ان کو واپس لینے کا اختیار نہیں، سب کو صدقہ سمجھے۔

۱- کیونکہ ہبہ میں تقسیم کر کے دینا شرط ہے، اس لیے کہ ہبہ میں مقصد کسی کا دل خوش کرنا ہے اور لینے والے ہی کو دینا مقصود ہے، اگر لینے والے زیادہ ہوں گے تو ہبہ مشترک ہوگا جو صحیح نہیں، جبکہ صدقہ میں اللہ تعالیٰ کی رضا مطلوب ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ ایک ہے لہٰذا یہ صدقہ مشترک نہیں ہوا۔

اضافہ

بلا عذر ہدیہ قبول نہ کرنا:

حدیث شریف میں ہدیہ لینے دینے کی ترغیب دی گئی ہے اور اس کو آپس کی محبت کا ذریعہ بتایا گیا ہے، اس لیے اگر کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کو کوئی ہدیہ پیش کرے تو اس کو قبول کرنا چاہیے، بلا عذر شرعی اس کو قبول کرنے سے انکار کرنا خلافِ سنت ہے۔[1]

اولاد کو کم زیادہ دینا:

اگر کوئی شخص زندگی میں اپنی جائیداد اولاد کو ہبہ کرنا چاہے تو اس کے احکام کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱- بلا وجہ کچھ کو زیادہ اور کچھ کو کم نہ دے، سب کو برابر دے۔ ہبہ میں بیٹوں اور بیٹیوں میں برابر تقسیم کرنا مستحب ہے۔ اس کا حکم وراثت جیسا نہیں۔

۲- اگر کوئی وجہ مثلاً: والدین کی خدمت، دینی خدمات میں مشغولیت، تعلیمی اخراجات یا کوئی اور معقول ضرورت ہو تو بعض کو زیادہ دینے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

۳- بعض اولاد کو بلا وجہ محروم کر دینے کی نیت سے دوسروں کو زیادہ دینا مکروہِ تحریمی ہے۔[2]

ہبہ میں قبضہ کی تفصیل:

ہبہ کے مکمل ہونے کے لیے شرط ہے کہ جس کو ہبہ کیا گیا وہ اس چیز پر قبضہ کر لے، اس کے بغیر ہبہ مکمل نہیں ہوتا۔[3] ہبہ کی مجلس میں قبضے کے لیے اتنا کافی ہے کہ ہبہ کرنے والا چیز پر قبضہ کرنے سے منع نہ کرے، سامنے رکھ دے۔ اس صورت میں اگر ہبہ قبول کرنے والا قبضہ کر لیتا ہے تو اس کی ملکیت ثابت ہو جاتی ہے اور اگر مجلس میں قبضہ نہیں ہوا تو بعد میں قبضے کے لیے مالک کی صریح اجازت شرط ہے، چاہے اجازت ہبہ کے وقت دی گئی ہو یا بعد میں قبضہ سے پہلے۔[4]

۱- إمداد الفتاوى: ۳/۴۸۳

۲- أحسن الفتاوى: ۷/۲۵۶، إمداد الفتاوى: ۳/۴۷۰، إمداد الأحكام: ۴/۵۴

۳- صفحہ 239 پر دیکھئے فیض الباری کا ایک حوالہ جس میں اس مسئلے کے متعلق کچھ تحقیق ہے۔

۴- أحسن الفتاوى: ۷/۲۶۲

کِتَابُ الاِجَارَۃ*

(کرایہ کے احکام)

''اجارہ'' اسلامی فقہ کی ایک اصطلاح ہے، جس کا لغوی معنی ہے کوئی چیز کرائے پر دینا۔

اسلامی فقہ میں ''اجارہ'' کی اصطلاح دو مختلف صورتوں کے لیے استعمال ہوتی ہے:

پہلی صورت میں اجارے کا معنی ہے کسی شخص کی خدمات حاصل کرنا جس کے معاوضے میں اسے تنخواہ دی جاتی ہے۔ خدمات حاصل کرنے والے کو ''مستاجر'' اور اس ملازم کو ''اجیر'' کہا جاتا ہے، لہٰذا اگر ''الف'' ''ب'' کو اپنے دفتر میں ماہانہ تنخواہ کی بنیاد پر منیجر یا کلرک رکھتا ہے تو ''الف'' مستاجر ہے اور ''ب'' اجیر ہے۔ اسی طرح اگر ''الف'' کسی قلی (پورٹر) کی خدمات حاصل کرتا ہے تا کہ وہ اس کا سامان ائیر پورٹ تک پہنچائے تو ''الف'' مستاجر ہے جبکہ وہ پورٹر اجیر ہے اور دونوں صورتوں میں فریقین کے درمیان طے پانے والا معاملہ ''اجارہ'' کہلائے گا۔ اجارے کی اس قسم میں تمام وہ معاملات شامل ہیں جن میں کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی خدمات حاصل کرتا ہے۔ جس کی خدمات حاصل کی گئی ہیں وہ کوئی ڈاکٹر، قانون دان، معلم، مزدور یا کوئی ایسا شخص ہوسکتا ہے جو ایسی خدمات مہیا کرسکتا ہو جن کی کوئی قیمت لگائی جاسکتی ہو۔ اسلامی فقہ کی اصطلاح کے مطابق ان میں سے ہر شخص کو ''اجیر'' کہا جاسکتا ہے اور جو شخص ان کی خدمات حاصل کرتا ہے اسے مستاجر کہا جائے گا۔ جبکہ اجیر کو دی جانے والی تنخواہ ''اجرت'' کہلائے گی۔

''اجارہ'' کی دوسری قسم کا تعلق انسانی خدمات کے ساتھ نہیں بلکہ اثاثہ جات اور جائیداد کے منافع (حق استعمال) کے ساتھ ہے، اس مفہوم میں ''اجارہ'' کا معنی ہے ''کسی متعین مملوکہ چیز کے منافع (Usufructs) کسی دوسرے شخص کو ایسے کرائے کے بدلے میں منتقل کردینا جس کا اس سے مطالبہ کیا جائے۔'' اس صورت میں ''اجارہ'' کی اصطلاح انگریزی اصطلاح (Leasing) کے ہم معنی ہوگی، کرایے پر دینے والا ''موجر'' (Lessor) کہلاتا ہے اور کرایے پر لینے والے کو

---

* اجارہ سے متعلق جدید اسلوب میں لکھے گئے یہ مسائل شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کی کتاب ''اسلامی بینکاری کی بنیادیں'' سے لیے گئے ہیں۔ آگے چل کر جہاں سے بہشتی زیور کی عبارت شروع ہوتی ہے وہاں حاشیے میں نشان دہی کردی گئی ہے۔

''مستاجر'' (Lessee) کہا جاتا ہے اور موجر کو جو کرایہ دیا جاتا ہے اسے ''اجرت'' کہتے ہیں۔

اجارے کی دونوں قسموں پر اسلامی فقہی لٹریچر میں تفصیلی بحث کی گئی ہے اور ان میں سے ہر ایک کے اپنے قواعد وضوابط ہیں۔ اجارے کی دوسری قسم کے قواعد بیع کے قواعد کے کافی مشابہ ہیں، اس لیے کہ دونوں صورتوں میں کوئی چیز دوسرے شخص کو معاوضے کے بدلے میں منتقل کی جاتی ہے۔ بیع اور اجارہ میں فرق صرف یہ ہے کہ بیع میں جائیداد بذاتِ خود خریدار کی طرف منتقل ہو جاتی ہے اور اجارے کی صورت میں جائیداد خود منتقل کرنے والے کی ملکیت میں رہتی ہے، صرف اسے استعمال کرنے کا حق مستاجر کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔

اگرچہ ''اجارہ'' کے اصول اتنے زیادہ ہیں کہ ان کے لیے ایک مستقل جلد درکار ہے، ہم اس باب میں صرف ان بنیادی اصولوں کو مختصراً بیان کرنے کی کوشش کریں گے جن کا جاننا اس عقد کی نوعیت کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے اور جن کی عموماً جدید معاشی سرگرمیوں میں ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ یہ اصول یہاں مختصر نوٹس کی شکل میں بیان کیے جا رہے ہیں تاکہ قارئین انہیں مختصر حوالے کے لیے استعمال کر سکیں۔

اجارہ (لیزنگ) کے بنیادی قواعد:

۱۔ لیزنگ ایک ایسا عقد ہے جس کے ذریعے کسی چیز کا مالک طے شدہ مدت کے لیے طے شدہ معاوضے کے بدلے میں اس چیز کے استعمال کا حق کسی اور شخص کی طرف منتقل کر دیتا ہے۔

۲۔ لیز ایسی چیز کا ہو سکتا ہے جس کا کوئی ایسا استعمال ہو جس کی کوئی قدر و قیمت ہو، لہٰذا جس چیز کا کوئی استعمال نہ ہو وہ لیز پر نہیں دی جا سکتی۔

۳۔ لیز کے صحیح ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ لیز پر دی گئی چیز کی ملکیت مؤجر ہی کے پاس رہے اور مستاجر کو صرف حق استعمال منتقل ہو، لہٰذا ہر ایسی چیز جسے صرف کیے بغیر (یعنی ختم کیے بغیر یا اپنے پاس سے نکالے بغیر) استعمال نہیں کیا جا سکتا ان کی لیز بھی نہیں ہو سکتی، اس لیے نقد رقم کھانے پینے کی اشیاء، ایندھن اور گولہ بارود وغیرہ کی لیز ممکن نہیں ہے۔ اس لیے کہ انہیں خرچ کیے بغیر ان کا استعمال ممکن نہیں ہے۔ اگر اس نوعیت کی کوئی چیز لیز پر دے دی گئی ہے تو اسے ایک قرض سمجھا جائے گا اور قرض کے سارے احکام اس پر لاگو ہوں گے۔ اس غیر صحیح لیز پر جو بھی کرایہ لیا جائے گا وہ قرض پر لیا جانے والا سود ہوگا۔

۴۔ لیز پر دی گئی جائیداد بذاتِ خود چونکہ مؤجر کی ملکیت میں ہے اس لیے ملکیت کی وجہ سے پیدا ہونے والی ذمہ

داریوں کو بھی وہ خود ہی اٹھائے گا، لیکن اس کے استعمال کے متعلق ذمہ داریوں کو متاجر برداشت کرے گا۔

مثال:

''الف'' نے اپنا گھر ''ب'' کو کرایہ پر دیا، اس جائیداد کی طرف منسوب ٹیکس ''الف'' کے ذمے ہوں گے، جبکہ پانی کا ٹیکس، بجلی کے بل اور مکان کے استعمال کے حوالے سے دیگر اخراجات ''ب'' یعنی متاجر پر ہوں گے۔

۵- لیز کی مدت کا تعین واضح طور پر ہوجانا چاہیے۔

۶- لیز کے معاہدے میں لیز کا جو مقصد متعین ہوا ہے متاجر اس اثاثے کو اس کے علاوہ کسی اور مقصد کے لیے استعمال نہیں کرسکے گا۔ اگر معاہدے میں کوئی مقصد طے نہیں ہوا تو متاجر اسے ان مقاصد کے لیے استعمال کرسکتا ہے جن کے لیے عام حالات میں اسے استعمال کیا جاتا ہے۔ اگر وہ اسے غیر معمولی مقصد کے لیے استعمال کرنا چاہتا ہے (جس کے لیے عموماً وہ چیز استعمال نہیں ہوتی) تو وہ مؤجر (مالک) کی صریح اجازت کے بغیر ایسا نہیں کرسکتا۔

۷- متاجر کی طرف سے اس چیز کے غلط استعمال یا غفلت وکوتاہی کی وجہ سے جو نقصان ہو وہ اس کا معاوضہ دینے کا ذمہ دار ہے۔

۸- لیز پر دی گئی چیز لیز کی مدت کے دوران موجر کے ضمان (Risk) میں رہے گی، جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی سبب سے نقصان ہوجائے جو متاجر کے اختیار سے باہر ہو تو یہ نقصان موجر (مالک) برداشت کرے گا۔

۹- جو جائیداد دو یا زیادہ شخصوں کی مشترکہ ملکیت میں ہو وہ بھی لیز پر دی جاسکتی ہے اور کرایہ، مالکان کے درمیان ملکیت میں ان کے حصے کے تناسب سے تقسیم ہوگا۔

۱۰- جو شخص کسی جائیداد کی ملکیت میں شریک ہو اور اس کا مشترک حصہ الگ نہ ہوسکے تو وہ اپنا متناسب حصہ اپنے شریک ہی کو کرائے پر دے سکتا ہے کسی اور شخص کو نہیں۔[1]

۱۱- لیز کے صحیح ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ لیز پر دی جانے والی چیز فریقین کے لیے اچھی طرح متعین ہونی چاہیے۔

۱- اس لیے کہ دوسرا شخص جو بقیہ حصہ کے استعمال کا حق نہیں رکھتا، اس غیر متمیز جائیداد سے اپنا حق انتفاع وصول نہیں کرسکے گا۔

مثال:

''الف'' ''ب'' سے کہتا ہے کہ میں تمہیں اپنی دو دکانوں میں سے ایک کرایہ پر دیتا ہوں۔ ''ب'' بھی اس سے اتفاق کر لیتا ہے تو یہ اجارہ باطل ہوگا الا یہ کہ دونوں دکانوں میں سے ایک کی تعیین اور شناخت ہو جائے۔

کرائے کا تعین:

۱۲- لیز کی پوری مدت کے لیے کرائے کا تعین عقد کے وقت ہی ہو جانا چاہیے۔

یہ بھی جائز ہے کہ لیز کی مدت کے مختلف مراحل کے لیے کرایہ کی مختلف مقداریں طے کر لی جائیں، لیکن شرط یہ ہے کہ ہر مرحلے کے کرائے کی مقدار کا پوری طرح تعین لیز کے روبہ عمل آتے ہی ہو جانا چاہیے۔ اگر بعد میں آنے والے کسی مرحلے کا کرایہ طے نہیں کیا گیا یا اسے مؤجر کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا تو یہ اجارہ صحیح نہیں ہوگا۔

مثال:

۱- ''الف'' اپنا گھر پانچ سال کی مدت کے لیے ''ب'' کو کرائے پر دیتا ہے، پہلے سال کا کرایہ دو ہزار ماہانہ مقرر کیا گیا ہے اور یہ بھی طے پا گیا ہے کہ ہر اگلے سال کا کرایہ پچھلے سال سے دس فیصد زیادہ ہوگا، تو یہ اجارہ صحیح ہے۔

۲- مذکورہ مثال میں ''الف'' معاہدے میں شرط لگاتا ہے کہ دو ہزار ماہانہ کرایہ صرف ایک سال کے لیے مقرر کیا گیا ہے، اگلے سالوں کا کرایہ بعد میں موجر کی مرضی سے طے ہوگا، تو یہ اجارہ باطل ہے اس لیے کہ کرایہ غیر متعین ہے۔

کرائے کا تعین اس مجموعی لاگت کی بنیاد پر کرنا جو موجر کو اس چیز کی خریداری پر پڑی ہے، جیسا کہ عموماً اسلامی بینکوں کے تمویلی اجارہ (فائنانشل لیز) میں ہوتا ہے، یہ بھی شریعت کے اصولوں کے خلاف نہیں ہے، بشرطیکہ اجارہ صحیحہ کی دوسری شرعی شرائط پر مکمل طور پر عمل کیا جائے۔

۱۳- موجر یکطرفہ طور پر کرائے میں اضافہ نہیں کر سکتا اور اس طرح کی شرط رکھنے والا معاہدہ بھی صحیح نہیں ہوگا۔

۱۴- مستاجر کو کرائے پر دیا گیا اثاثہ سپرد کرنے سے پہلے کرایہ یا اس کا کچھ حصہ پیشگی بھی قابل ادا قرار دیا جا سکتا ہے لیکن موجر اس طرح سے جو رقم حاصل کرے گا وہ علی الحساب ادائیگی (On Account) کی بنیاد پر ہوگی اور کرائے کے واجب الاداء ہونے کے بعد اسے اس میں ایڈجسٹ کر لیا جائے گا۔

۱۵- اجارے کی مدت اس تاریخ سے شروع ہوگی جبکہ اجارے پر دیا گیا اثاثہ مستاجر کے سپرد کر دیا جائے، چاہے وہ

اسے استعمال کرنا شروع کرے یا نہ کرے۔

۱۶- اگر اجارے پر دی گئی چیز اپنا متعلقہ کام کھو بیٹھتی ہے جس کے لیے وہ چیز کرائے پر دی گئی تھی اور اس کی مرمت بھی ممکن نہیں ہے تو اجارہ اس تاریخ سے فسخ ہو جائے گا جس تاریخ کو اس طرح کا نقصان ہوا ہے۔ تاہم اگر یہ نقصان مستاجر کے غلط استعمال یا اس کی غفلت کی وجہ سے ہوا ہے تو وہ موجر کو قیمت میں واقع ہونے والی کمی کی ادائیگی کا ذمہ دار ہوگا، یعنی یہ دیکھا جائے گا کہ نقصان سے ذرا پہلے اس کی قیمت کیا تھی اور اب نقصان کے بعد کیا ہے؟

اجارے کے چند مسائل:[1]

مسئلہ ①: جب تم نے پورے مہینہ کے لیے گھر کرایہ پر لیا اور اپنے قبضہ میں لے لیا تو مہینے کے بعد کرایہ دینا پڑے گا۔ چاہے اس میں رہنے کا اتفاق ہوا ہو یا خالی پڑا رہا ہو، کرایہ بہر حال واجب ہے۔

مسئلہ ②: درزی کپڑا سی کر یا رنگریز رنگ کر یا دھوبی کپڑا دھو کر لا یا تو اس کو اختیار ہے کہ جب تک تم سے اس کی اجرت نہ لے لے تب تک تمہیں کپڑا نہ دے۔ اجرت دیے بغیر اس سے زبردستی کپڑا لینا درست نہیں؛ البتہ اگر کسی مزدور سے غلے کی ایک بوری کچھ رقم کے وعدہ پر اٹھوائی تو وہ اپنی مزدوری مانگنے کے لیے تمہارا غلہ نہیں روک سکتا، کیونکہ وہاں سے لانے کی وجہ سے غلہ میں کوئی نئی بات نہیں پیدا ہوئی اور پہلی صورتوں میں کپڑے میں ایک نئی بات پیدا ہو گئی تھی۔

مسئلہ ③: اگر کسی نے یہ شرط لگا لی کہ یہ کام تم ہی کرنا، شاگرد وغیرہ دوسرے سے مت کروانا، مثلاً: میرا کپڑا تم ہی سینا یا تم ہی رنگنا یا تم ہی دھونا تو اس کو دوسرے سے کام کروانا درست نہیں اور اگر یہ شرط نہیں لگائی تو کسی اور سے بھی وہ کام کرا سکتا ہے۔

اجیر سے تاوان لینا:

مسئلہ ④: رنگریز، دھوبی، درزی وغیرہ کسی کاریگر سے کوئی کام کرایا تو جو چیز اس کو دی ہے وہ اس کے پاس امانت ہے، اگر چوری ہو جائے یا اور کسی طرح اس کی لاپرواہی اور بے ضابطگی کے بغیر ضائع ہو جائے تو ان سے تاوان لینا درست نہیں۔ اگر دھوبی نے اس طرح کوٹ کوٹ کر کپڑا دھویا کہ وہ پھٹ گیا یا عمدہ ریشمی کپڑا بھٹی پر چڑھا دیا اور وہ خراب ہو گیا تو اس کا تاوان لینا جائز ہے۔ اسی طرح جو کپڑا اس نے تبدیل کر دیا اس کا تاوان لینا بھی درست ہے۔ اگر کپڑا گم ہو گیا اور وہ کہتا ہے کہ معلوم نہیں کیسے گم ہوا تو اس کا تاوان لینا بھی درست ہے اور اگر وہ کہے کہ میرے یہاں چوری ہو گئی اس میں وہ کپڑا بھی

۱- یہاں سے بہشتی زیور کے مسائل شروع ہو رہے ہیں۔

چوری ہوگیا تو اس صورت میں تاوان لینا درست نہیں۔

مسئلہ ⑤: کسی مزدور کو گھی، تیل وغیرہ گھر پہنچانے کو کہا، اس سے راستہ میں گر گیا تو اس کا تاوان لینا جائز ہے۔

مسئلہ ⑥: جو شخص ہر کسی کا کام نہیں کر رہا بلکہ صرف تمہارے ہی کام کے لیے ہے، مثلاً: گھریلو ملازم یا وہ مزدور جس کو تم نے دو چار دن یا مہینے کے لیے رکھا ہے، اس کے ہاتھ سے جو چیز ضائع ہو جائے اس کا تاوان لینا جائز نہیں، البتہ اگر وہ خود جان بوجھ کر نقصان کر دے تو تاوان لینا درست ہے۔

مسئلہ ⑦: بچے کو کھلانے پلانے کے لیے کسی کو اجرت پر رکھا گیا ہے، اس کی غفلت سے اگر بچے کا زیور وغیرہ یا اور کوئی چیز ضائع ہوگئی تو اسکا تاوان لینا درست ہے۔

اجارۂ فاسدہ:

مسئلہ ①: اگر مکان کرایہ پر لیتے وقت کوئی مدت بیان نہیں کی کہ کتنے دن کے لیے کرایہ پر لیا ہے یا کرایہ مقرر نہیں کیا یوں ہی لے لیا یا یہ شرط لگالی کہ جو کچھ اس میں ٹوٹ پھوٹ جائے گا وہ بھی کرایہ دار کو اپنے پاس سے ٹھیک کروانا ہوگا[1] یا کسی کو گھر اس وعدہ پر دیا کہ اس کی مرمت کرادیا کرے اور اس کا یہی کرایہ ہے، یہ سب فاسد اجارہ ہے اور اگر یوں کہدے کہ تم اس گھر میں رہو اور مرمت کرادیا کرو، کرایہ کچھ نہیں تو یہ عاریت ہے اور جائز ہے۔

مسئلہ ②: کسی نے یہ کہہ کر مکان کرایہ پر لیا کہ چار ہزار روپے ماہوار کرایہ دیا کریں گے، یہ نہ بتایا کہ کل کتنی مدت رہیں گے، تو ایک ہی مہینے کے لیے اجارہ صحیح ہوا۔ مہینے کے بعد مالک چاہے تو اس کو مکان سے نکال سکتا ہے، پھر جب کرایہ دار دوسرے مہینے میں رہ گیا تو اب ایک اور مہینے کا اجارہ صحیح ہوگیا، اسی طرح ہر مہینے میں نیا اجارہ ہوتا رہے گا، البتہ اگر کل مدت بتا دی کہ چار مہینے یا چھ مہینے رہونگا تو جتنی مدت بیان کی ہے اتنی مدت تک اجارہ صحیح ہوا، اس مدت کے پورا ہونے سے پہلے مالک اسے نہیں نکال سکتا۔

مسئلہ ③: پیسنے کے لیے کسی کو غلے دیے اور کہا کہ اسی میں سے ایک پاؤ آٹا اجرت کے طور پر لے لینا، یا کھیت کٹوایا اور کہا کہ اسی میں سے اتنا غلہ مزدوری کے طور پر لے لینا یہ سب اجارۂ فاسدہ ہے۔

۱- آج کل کے عرف کے مطابق کچھ معمولی چیزوں کی مرمت کرایہ دار کے ذمہ ہوتی ہے باقی مالکِ مکان کے۔ چونکہ یہ عرف عام کے تحت آتی ہے اس لیے اس سے اجارہ فاسد نہ ہوگا۔

مسئلہ ۴: اجارۂ فاسد کا حکم یہ ہے کہ جو کچھ طے ہوا ہے وہ نہ دیا جائے بلکہ اتنے کام کے لیے عموماً جتنی اجرت کا رواج ہو یا ایسے گھر کے لیے جتنے کرایہ کا رواج ہو (اسے ''اجرِ مثل'' کہتے ہیں) وہ دلایا جائے گا لیکن اگر عام کرایہ زیادہ ہے اور طے کم ہوا تھا تو پھر عام کرایہ کے مطابق نہیں دیا جائے گا بلکہ اس کو وہی ملے گا جو طے ہوا ہے۔ غرض یہ کہ دونوں میں سے جو کم ہو اس کو لینے کا حقدار ہے۔

مسئلہ ۵: گانا بجانا، ناچنا، بندر نچانا وغیرہ جتنی بیہودگیاں ہیں ان کا اجارہ صحیح نہیں، بالکل باطل ہے، اس لیے کچھ نہیں دیا جائے گا۔

مسئلہ ۶: کسی حافظِ قرآن کو کسی میت کے لیے قرآن پڑھ کر بخشنے کے لیے اجرت پر لیا تو یہ اجارہ صحیح نہیں، باطل ہے۔ نہ پڑھنے والے کو ثواب ملے گا اور نہ مردے کو اور پڑھنے والا اجرت کا مستحق نہیں ہوگا۔

مسئلہ ۷: بکری، گائے، بھینس کے گابھن کرنے میں جس کا بکرا، بیل، بھینسا ہوتا ہے اس کے لیے گابھن کرانے کی اجرت لینا حرام ہے۔

مسئلہ ۸: دودھ پینے کے لیے بکری، گائے یا بھینس کرایہ پر لینا درست نہیں، کیونکہ یہاں دراصل دودھ کی خریداری ہے اور اس کی مقدار معلوم نہیں۔

مسئلہ ۹: جانور کو بٹائی پر دینا درست نہیں یعنی یوں کہنا کہ یہ مرغیاں یا بکریاں لے جاؤ اور پرورش کر کے اچھی طرح رکھو، جتنے بچے ہوں گے وہ آدھے تمہارے آدھے ہمارے ہوں گے تو یہ درست نہیں۔[1]

مسئلہ ۱۰: کسی کی کوئی چیز گم ہوگئی، اس نے کہا: ''جو کوئی ہماری چیز بتادے کہ کہاں ہے اس کو دس روپے دیں گے'' تو اگر کوئی بتادے تب بھی روپے لینے کا حقدار نہیں، کیونکہ یہ اجارہ صحیح نہیں ہوا اور اگر کسی متعین آدمی سے کہا ہو کہ اگر تو بتادے تو میں تمہیں دس روپے دوں گا تو اگر اس نے اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے یا کھڑے کھڑے بتادیا تو کچھ نہیں پائے گا[2] اور اگر کچھ چل کر بتایا تو جو کچھ روپے وغیرہ طے ہوا تھا اس کا حقدار ہوگا۔

اجارہ ختم کر دینا:

مسئلہ ۱: کوئی گھر کرایہ پر لیا اور اس کی چھت بہت ٹپکتی ہے یا اس کا کوئی حصہ گر گیا، اور کوئی ایسا عیب نکل آیا جس

۱- یہ اجارہ فاسد ہے، اس لیے کہ اس میں اجرت اور مدت دونوں مجہول ہیں۔ (احسن الفتاویٰ: 309/7)

۲- کیونکہ اجارہ کے لیے ضروری ہے کہ اس کام میں کچھ نہ کچھ محنت کرنی پڑے، صرف زبان سے بتانے میں کوئی محنت نہیں۔ (المعایر: 280/2)

کی وجہ سے اس میں رہنا مشکل ہے تو اجارہ ختم کر دینا درست ہے اور اگر بالکل ہی گر گیا تو اجارہ خود بخود ختم ہو گیا، تمہارے ختم کرنے اور مالک کے راضی ہونے کی ضرورت نہیں رہی۔

مسئلہ ۲: جب کرایہ پر لینے والے اور دینے والے میں سے کوئی مر جائے تو اجارہ ختم ہو جاتا ہے۔

مسئلہ ۳: اگر کوئی ایسا عذر پیدا ہو جائے کہ اجارہ ختم کرنا پڑے تو مجبوری کے وقت ختم کر دینا صحیح ہے، مثلاً: کہیں جانے کے لیے کوئی گاڑی وغیرہ کرایہ پر لی پھر رائے بدل گئی اور اب جانے کا ارادہ نہیں رہا تو اجارہ ختم کر دینا صحیح ہے۔

مسئلہ ۴: یہ جو دستور ہے کہ کرایہ طے کر کے اس کو کچھ بیعانہ دیدیتے ہیں، اگر جانا ہوا تو پھر اس کو پورا کرایہ دیتے ہیں اور وہ بیعانہ اس کرایہ میں ادا ہو جاتا ہے اور اگر جانا نہ ہوا تو وہ بیعانہ ضبط کر لیتا ہے، واپس نہیں دیتا، یہ ضبطی درست نہیں، بلکہ اس کو واپس دینا چاہیے۔

کتاب الغصب

(کوئی چیز زبردستی چھین لینا)

مسئلہ ①: کسی کی چیز زبردستی لے لینا یا اس کی غیر موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر لے لینا بڑا گناہ ہے۔ جو چیز اجازت کے بغیر لے لی ہو اگر وہ چیز ابھی تک موجود ہو تو بعینہ وہی واپس کرنا لازم ہے اور اگر خرچ یا ضائع ہوگئی ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر ایسی چیز تھی کہ اس جیسی چیز بازار میں مل سکتی ہے[1] جیسے: غلہ، گھی، تیل، روپیہ، پیسہ، تو جیسی چیز لی ہے ویسی ہی چیز دینا واجب ہے اور اگر کوئی ایسی چیز لے کر ضائع کر دی کہ اس جیسی ملنا مشکل ہے[2] تو اس کی قیمت دینی پڑے گی جیسے: مرغی، بکری، وغیرہ۔

مسئلہ ②: چارپائی کا ایک آدھا پایہ ٹوٹ گیا یا پٹی یا چول ٹوٹ گئی یا اور کوئی چیز لے لی تھی وہ خراب ہوگئی تو خراب ہونے سے جتنا اس کا نقصان ہوا اتنا دینا پڑے گا۔

مسئلہ ③: کسی کی رقم سے اس کی اجازت کے بغیر تجارت کی تو اس سے حاصل ہونے والا نفع لینا درست نہیں بلکہ اصل رقم مالک کو واپس کر دے اور جو نفع ہوا سے مساکین پر صدقہ کر دے۔

مسئلہ ④: کسی کا کپڑا پھاڑ دیا تو اگر تھوڑا پھٹا ہے تب تو جتنا نقصان ہوا ہے اتنا تاوان دینا پڑے گا اور اگر ایسا پھاڑ ڈالا کہ اب اس کام کا نہیں رہا جس کام کے لیے پہلے تھا تو اس صورت میں یہ سارا کپڑا اسی پھاڑنے والے کو دیدے اور اس سے کپڑے کی پوری قیمت وصول کرے۔

مسئلہ ⑤: کسی کا نگینہ لے کر انگوٹھی میں لگا لیا تو اب اس کی قیمت دینی پڑے گی، انگوٹھی توڑ کر نگینہ نکال کر دینا واجب نہیں۔

مسئلہ ⑥: کسی کا کپڑا لے کر رنگ لیا تو کپڑے کے مالک کو اختیار ہے، چاہے رنگا ہوا کپڑا لے لے اور رنگنے سے

۱- ایسی چیز کو شریعت میں ''مثلی'' یا ''ذوات الامثال'' کہتے ہیں۔

۲- ایسی چیز کو شریعت میں ''قیمی'' یا ''ذوات القیم'' کہتے ہیں۔

کپڑے کی قیمت میں جتنا اضافہ ہوا ہے اتنی رقم رنگنے والے کو دیدے اور چاہے اپنے کپڑے کی قیمت لے لے اور کپڑا اسی کے پاس رہنے دے۔

مسئلہ ⑦: تاوان دینے کے بعد پھر اگر وہ چیز مل گئی تو دیکھنا چاہیے کہ تاوان اگر مالک کے کہنے کے مطابق دیا ہے[1] تو اب اس چیز کو واپس کرنا واجب نہیں، بلکہ وہ چیز اس کی ہوگئی اور اگر مالک کی مانگ کے مطابق نہیں دیا بلکہ اس سے کم دیا ہے تو اس صورت میں تاوان واپس کر کے اپنی چیز لے سکتا ہے۔

مسئلہ ⑧: دوسرے کی بکری یا گائے گھر میں آگئی تو اس کا دودھ دوہنا حرام ہے، جتنا دودھ لے گا اس کی قیمت دینی پڑے گی۔

مسئلہ ⑨: سوئی دھاگہ، کپڑے کی دھجی، پان، تمباکو وغیرہ جیسی چیزیں معمولی سمجھ کر بغیر اجازت لے لینا درست نہیں۔ جو لیا ہے اس کی قیمت دینا واجب ہے یا اس سے کہہ کر معاف کرالے، ورنہ قیامت میں دینا پڑے گا۔

۱۔ یعنی جتنی قیمت اس نے طلب کی ہے اتنی دی ہے۔

کِتَابُ الشُّفعَۃ

(شفعہ کا بیان)

تعریف:

غیر منقولہ جائیداد کو خریدنے والے سے قیمتِ خرید پر اس کی رضا مندی کے بغیر لے لینا ''شفعہ'' کہلاتا ہے۔ جو شخص (شریک یا پڑوسی) شفعہ کا دعویٰ کر کے زمین وغیرہ مشتری سے لے لے اسے ''شفیع'' کہتے ہیں۔

مسئلہ (۱): جس وقت شفیع کو جائیداد کی فروخت کی خبر پہنچی اس وقت اس نے زبان سے یہ نہ کہا کہ میں شفعہ کروں گا تو حق شفعہ باطل ہو جائے گا پھر اس شخص کے لیے دعویٰ کرنا جائز نہیں، حتیٰ کہ اگر شفیع کے پاس خط پہنچا اور اس کے شروع میں یہ خبر لکھی ہے کہ فلاں مکان فروخت ہوا اور اس وقت اس نے زبان سے یہ نہ کہا کہ میں شفعہ کروں گا یہاں تک کہ پورا خط پڑھ گیا اور پھر کہا کہ میں شفعہ کروں گا تو اس کا حق شفعہ باطل ہو گیا۔

مسئلہ (۲): اگر شفیع نے کہا کہ مجھے اتنا روپیہ دو تو پھر حق شفعہ سے دستبردار ہو جاؤں گا تو اس صورت میں چونکہ وہ اپنا حق ساقط کرنے پر راضی ہو گیا، اس لیے شفعہ تو ساقط ہوا لیکن چونکہ اس طرح لینا رشوت ہے، اس لیے یہ روپیہ لینا دینا حرام ہے۔

مسئلہ (۳): اگر ابھی تک حاکم نے شفعہ نہیں دلایا تھا کہ شفیع فوت ہو گیا تو اس صورت میں اس کے وارثوں کو شفعہ کا حق نہیں ہوگا اور اگر خریدار فوت ہو گیا تو شفعہ باقی رہے گا۔

مسئلہ (۴): شفیع کو خبر پہنچی کہ اتنی قیمت میں مکان بکا ہے، یہ سن کر اس نے دستبرداری ظاہر کی۔ پھر معلوم ہوا کہ کم قیمت میں بِکا ہے تو اس وقت پھر وہ شفعہ کر سکتا ہے، اسی طرح پہلے سنا تھا کہ فلاں شخص خریدار ہے، پھر سنا کہ نہیں، بلکہ دوسرا خریدار ہے یا پہلے سنا تھا کہ آدھا بکا ہے پھر معلوم ہوا کہ پورا بکا ہے۔ ان صورتوں میں پہلی دستبرداری سے حق شفعہ باطل نہ ہوگا۔

فیصلہ میں تاخیر سے حق شفعہ باطل نہیں ہوتا:

اگر شفیع نے شفعہ کا دعویٰ دائر کر دیا، فیصلہ میں تاخیر ہوتی رہی یہاں تک کہ کئی سال گزر گئے، پھر بھی شفیع کا حق شفعہ باطل

نہیں ہوگا۔ یہ تاخیر عدالت کی طرف سے ہے، شفیع کا اس میں قصور نہیں۔[1]

اضافہ

حق شفعہ میں ترتیب کی تفصیل:

شفعہ کا حق سب سے پہلے اس کو ہے جو فروخت شدہ جائیداد میں شریک ہو، اس کے بعد وہ جو اس کے حقوق (گھر کی گلی یا راستہ اور زمین کے پانی کی باری) میں شریک ہو، اس کے بعد وہ جس کی جائیداد اس جائیداد سے متصل ہو۔ اگر شریک موجود ہو تو گلی یا پانی میں شریک اور ہمسایہ کو شفعہ نہیں ملے گا، اس طرح اگر گلی یا پانی کا شریک ہو تو ہمسایہ کو نہیں ملے گا، البتہ اگر شریک شفعہ چھوڑ دے تو ہمسایہ کو شفعہ ملے گا۔

اگر ایک شفیع جائیداد میں بھی شریک ہے اور اس کے حقوق میں بھی، دوسرا شفیع صرف جائیداد میں شریک ہے تو دونوں کو برابر شفعہ کا حق ہے، اسی طرح اگر ایک کی زمین زیادہ لگتی ہے، دوسرے کی کم تو بھی شفعہ میں برابر ہوں گے۔[2]

شفعہ سے بچنے کے لیے قیمت زیادہ لکھوانا:

شفعہ سے بچنے کے لیے بائع اور مشتری جائیداد کے دستاویزات میں اصل مقررہ قیمت سے زیادہ رقم لکھواتے ہیں، بعد میں اگر شفیع شفعہ طلب کرتا ہے تو اس کو اصل قیمت کی بجائے وہ فرضی اور اضافی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے، اس میں غلط بیانی کر کے شفیع سے زیادہ قیمت وصول کی جاتی ہے، اس لیے یہ طریقہ ناجائز ہے، اگر شفیع شفعہ نہ مانگے تو بھی یہ طریقہ جائز نہیں، کیونکہ اس میں خلافِ واقعہ زیادہ رقم لکھی جاتی ہے۔[3]

۱- أحسن الفتاوی: ۷/ ۳۵۷

۲- الدر المختار: ٦/ ۲۸۱ - ۲۲۲

۳- أحسن الفتاوی: ۷/ ۳٦۲، إمداد الأحکام: ٤/ ۱٦٤

کتابُ القِسمَۃ

(مشترک چیز تقسیم کرنا)

مسئلہ ۱: دو آدمیوں نے مل کر بازار سے گندم منگوائی تو اب تقسیم کرتے وقت دونوں کا موجود ہونا ضروری نہیں، دوسرا حصہ دار موجود نہ ہو تب بھی ٹھیک ٹھیک تول کر اس کا اور اپنا حصہ الگ الگ کر لینا درست ہے، اپنا حصہ الگ کرنے کے بعد اس سے کھانا، پینا یا کسی کو ہدیہ کرنا سب جائز ہے، اسی طرح گھی، تیل، انڈے وغیرہ کا بھی یہی حکم ہے۔ غرض یہ کہ جو چیز ایسی ہو کہ اس میں کچھ فرق نہ ہوتا ہو، جیسے کہ انڈے سب برابر ہوتے ہیں یا گندم کے دو حصے کیے تو دونوں حصے برابر ہونگے، ایسی سب چیزوں کا یہی حکم ہے کہ دوسرے کے موجود نہ ہوتے وقت بھی تقسیم کر کے اپنا حصہ لے لینا درست ہے، لیکن اگر دوسرے نے ابھی اپنا حصہ نہیں لیا تھا کہ کسی طرح وہ ضائع ہو گیا تو وہ نقصان دونوں کا ہوگا، جیسے شرکت میں بیان ہوا ہے اور جن چیزوں میں فرق ہوا کرتا ہے، جیسے: امرود، نارنگی وغیرہ ان کا حکم یہ ہے کہ جب تک دونوں حصہ دار موجود نہ ہوں حصہ بانٹ کر لینا درست نہیں۔

مسئلہ ۲: دو آدمیوں نے مل کر آم، امرود وغیرہ کچھ منگوایا اور ایک کہیں چلا گیا تو دوسرے کے لیے اس میں سے کھانا درست نہیں، جب وہ آ جائے تو اس کے سامنے اپنا حصہ الگ کر کے کھائے، ورنہ گناہ ہوگا۔

مسئلہ ۳: دو آدمیوں نے مل کر چنے بھنوائے تو اندازے سے تقسیم کرنا درست نہیں، بلکہ خوب ٹھیک ٹھیک تول کر آدھا آدھا کرنا چاہیے، اگر کسی طرف کمی بیشی ہو جائے گی تو سود ہو جائے گا۔[1]

۱- اس لیے کہ تقسیم کرنا ایک اعتبار سے بیچنے کی طرح ہے کہ ہر شریک نے اپنے حصے میں آنے والی مقدار میں موجود دوسرے کا حصہ خرید لیا اور بدلے میں اس کے حصے میں موجود اپنا حصہ دے دیا۔ جب تقسیم ایک طرح سے خرید و فروخت ہے تو باب الربا میں گذر چکا ہے کہ ایسی ہم جنس چیزوں کے تبادلے میں جو تل کر بکتی ہوں ذرا سی کمی بیشی بھی سود ہے۔

کِتَابُ المزارعۃ

(کھیت بٹائی پر دینا)

مسئلہ ①: ایک شخص نے خالی زمین کسی کو دے کر کہا کہ تم اس میں کھیتی باڑی کرو جو پیداوار ہوگی اس کو ایک متعین تناسب سے آپس میں تقسیم کرلیں گے، اسے شریعت کی اصطلاح میں ''مزارعت'' کہتے ہیں اور شرعاً یہ کچھ شرائط کے ساتھ جائز ہے۔

مسئلہ ②: مزارعت کے صحیح ہونے کے لیے مندرجہ ذیل شرطیں ہیں:

۱- زمین قابلِ کاشت ہو۔[1]

۲- زمیندار اور کسان عاقل و بالغ ہوں۔

۳- مدتِ زراعت معلوم ہو۔

۴- بیج کس کی طرف سے ہوگا، کسان یا زمیندار کی طرف سے؟ یہ معلوم ہو۔

۵- یہ معلوم ہو کہ کیا چیز کاشت ہوگی؟

۶- کسان کا حصہ متعین ہو کہ کل پیداوار میں سے کتنا ہوگا؟

۷- مالک زمین کو خالی کر کے کسان کے حوالہ کردے۔

۸- زمین کی کل پیداوار میں کسان اور مالک اپنے اپنے حصے کے مطابق شریک ہوں۔[2]

۹- زمین اور بیج ایک شخص کا ہو اور بیل، ٹریکٹر اور محنت وغیرہ دوسرے کے ہوں یا ایک کی صرف زمین اور باقی چیزیں دوسرے کی ہوں۔

مسئلہ ③: اگر ان شرائط میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے تو مزارعت فاسد ہو جائے گی اور مزارعت فاسدہ میں پیداوار بیج والے کی ہوگی اور دوسرے شخص کو اگر وہ زمین والا ہے تو عرف کے مطابق زمین کا کرایہ ملے گا (یعنی جتنا کرایہ اس

۱- بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ ناقابل کاشت زمین بہت کم داموں پر اس لیے لے لی جاتی ہے کہ اگر فصل ہوگئی تو فائدہ ہی فائدہ ہے ورنہ جوئے کی طرح لگایا ہوا مال بھی واپس نہ آئے گا۔ اس شرط سے اس طرح کے غلط معاہدوں کی روک تھام مقصود ہے۔

۲- کل پیداوار میں شرکت کا مطلب یہ ہے کہ ایسا نہ ہو کہ مثلاً دس من دونوں میں سے کسی ایک کے ہوں اور باقی میں دونوں شریک ہوں۔

جیسی زمین کا اس علاقے میں ہوتا ہے) اور اگر وہ کاشتکار ہے تو اس کو عرف کے مطابق مزدوری ملے گی مگر یہ مزدوری اور کرایہ اس مقدار سے زیادہ نہیں دیا جائے گا جو دونوں کے درمیان طے ہوچکی تھی یعنی اگر مثلاً: آدھا آدھا طے ہوا تھا تو یہ مزدوری یا کرایہ کل پیداوار کے نصف سے زیادہ نہیں دیا جائے گا۔

مسئلہ ۴: مزارعت کا معاملہ طے ہونے کے بعد اگر دونوں میں سے کوئی شرط کے مطابق کام کرنے سے انکار کرے تو اس سے زبردستی کام لیا جائے گا لیکن اگر بیج والا انکار کرے تو اس پر زبردستی نہیں کی جائے گی۔

مسئلہ ۵: اگر عقد کرنے والے دونوں میں سے کوئی ایک مر جائے تو مزارعت باطل ہو جائے گی۔

مسئلہ ۶: اگر مزارعت کی متعین مدت گزر جائے اور فصل تیار نہ ہو تو کاشتکار کو متعینہ مدت سے زائد دنوں کا حساب کرکے زمین کی اجرت دینی ہوگی۔

مسئلہ ۷: بعض علاقوں میں یہ عرف ہے کہ بٹائی کی زمین میں جو غلہ پیدا ہوتا ہے اس کو تو معاہدہ کے مطابق آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں اور جو اجناس گھاس وغیرہ پیدا ہوتی ہے اس کو تقسیم نہیں کرتے بلکہ اس کے بدلے ایکڑوں کے حساب سے کاشتکار سے نقد کرایہ وصول کرتے ہیں۔ ظاہراً تو یہ شرط ناجائز معلوم ہوتی ہے، اس لیے کہ یہ عقد مزارعت کے خلاف ہے[۱] مگر اس تاویل سے جائز ہو سکتی ہے کہ اس قسم کی اجناس کو پہلے ہی سے مزارعت سے خارج سمجھا جائے اور عرف کے اعتبار سے سابقہ معاملہ میں یوں تفصیل کی جائے کہ دونوں کی مراد یہ تھی کہ فلاں غلہ میں عقد مزارعت کرتے ہیں اور فلاں اجناس میں زمین اجارہ کے طور پر دی جاتی ہے مگر اس میں جانبین کی رضامندی شرط ہے۔

مسئلہ ۸: بعض زمینداروں کی عادت ہے کہ اپنے بٹائی کے حصہ کے علاوہ کاشتکار کے حصہ میں سے ملازموں کا حق بھی نکالتے ہیں۔ اس کا یہ حکم ہے کہ اگر عددی مقدار متعین کر کے طے کر لیا کہ مثلاً ہم دو من یا چار من ان کا حق بھی وصول کریں گے تو یہ جائز نہیں اور اگر ان کا حصہ فی صد میں طے کیا کہ مثلاً ایک من میں سے ایک کلو وصول کریں گے تو یہ درست ہے۔[۲]

مسئلہ ۹: بعض لوگ یہ طے نہیں کرتے کہ کیا بویا جائے گا جس کی وجہ سے بعد میں اختلاف اور جھگڑا ہوتا ہے، یہ

۱- عقد مزارعت میں پوری پیداوار میں شرکت ضروری ہے، مذکورہ صورت میں جب گھاس مکمل طور پر مزارع کی ہوگی تو اس میں شرکت نہیں رہے گی، جو قانونِ مزارعت کے خلاف ہے۔

۲- فیصدی حصہ کی صورت میں جائز اور متعین مقدار کی صورت میں ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ فیصدی حصہ تو کسی بھی مقدار سے حاصل ہو سکتا ہے، مقدار کم ہو یا زیادہ، اور ہر مقدار میں شرکت باقی رہتی ہے، جبکہ متعین مقدار میں شرکت نہیں ہوتی اور ممکن ہے کہ پیداوار متعین مقدار ہی کے برابر حاصل ہو تو دوسرے کے لیے کچھ نہ بچے گا۔

جائز نہیں۔ یا تو اس بیج کی وضاحت کر دے یا عام اجازت دیدے کہ جو چاہو کاشت کرلو۔

مسئلہ (۱۰): بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ کاشتکار زمین میں بیج بو کر دوسرے لوگوں کے سپرد کر دیتا ہے اور یہ شرط لگائی جاتی ہے کہ تم اس میں محنت کرو اور اس کی دیکھ بھال کرو، جو کچھ حاصل ہوگا اس کا ایک تہائی مثلاً: تمہارا ہوگا، یہ بھی مزارعت ہے۔ اگر زمین کا اصل مالک اس کی اجازت دے تو جائز ہے، ورنہ جائز نہیں۔ اس صورت میں بھی سابقہ صورت کی طرح عرف کے اعتبار سے وہی تفصیل ہے کہ بعض اجناس تو ان دیکھ بھال اور خدمت کرنے والوں کو تقسیم کر دیتے ہیں اور بعض میں فی ایکڑ کچھ نقد دیدیتے ہیں، پس اس میں بھی ظاہراً نا جائز ہونے کا وہی شبہ ہے اور جائز ہونے کی وہی تفصیل ہے جو مسئلہ نمبر ۷ میں گزری۔

مسئلہ (۱۱): اجارہ یا مزارعت میں بارہ سال یا کم وبیش کسی بھی مدت تک زمین سے نفع اٹھانے کے بعد اس زمین پر قبضہ کر کے اپنی ملکیت کا دعویٰ کرنا حرام و غصب ہے۔ مالک کی اجازت اور رضا مندی کے بغیر اس سے نفع حاصل کرنا بالکل جائز نہیں۔ اگر ایسا کیا تو اس کی پیداوار حرام ہوگی۔

کتاب المساقاۃ

(باغ بٹائی پر دینا)

مسئلہ ۱: ایک شخص نے باغ لگایا اور دوسرے شخص سے کہا کہ تم اس باغ کو پانی دو اور دیکھ بھال کرو۔ جو پھل حاصل ہوگا چاہے ایک دو سال یا دس بارہ سال تک نصف نصف یا تہائی دو تہائی تقسیم کریں گے، یہ ''مساقاۃ'' ہے اور یہ بھی جائز ہے۔

مسئلہ ۲: مساقاۃ کے احکام مزارعت کے احکام کی طرح ہیں۔

مسئلہ ۳: اگر پھل لگے ہوئے درخت دیکھ بھال کے لیے دیے اور پھل اس حالت میں ہوں کہ پانی دینے اور محنت کرنے سے بڑھتے ہوں تو یہ معاملہ درست ہے اور اگر ان کا بڑھنا پورا ہو چکا ہو تو مساقاۃ درست نہیں ہوگی، جیسے مزارعت کہ کھیتی تیار ہونے کے بعد درست نہیں۔

مسئلہ ۴: عقد مساقاۃ کا معاملہ جب فاسد ہو جائے تو پھل سب درخت والے کے ہوں گے اور کام کرنے والے کو عرف کے مطابق اتنی مزدوری ملے گی جتنی اس جیسے آدمی کو اس جیسے کام کی ملتی ہے۔ بالکل ویسا حکم ہے جیسا مزارعت میں بیان ہوا۔

کتاب الذبائح

(ذبح کے مسائل)

ذبح کرنے کا طریقہ:

مسئلہ ①: ذبح کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جانور کا رخ قبلہ کی طرف کر کے تیز چھری ہاتھ میں لے کر "بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ" کہہ کر اس کے گلے کو کاٹے، یہاں تک کہ چار رگیں کٹ جائیں۔ ایک نرخرہ جس سے جانور سانس لیتا ہے، دوسری اس سے چپکی ہوئی وہ نالی ہے جس سے دانہ پانی جاتا ہے اور دو موٹی شہ رگیں جو ان دونوں کے دائیں بائیں ہوتی ہیں۔ اگر ان چار میں سے تین رگیں کٹ جائیں تب بھی ذبح درست ہے، اس کا کھانا حلال ہے اور اگر صرف دو کٹیں تو وہ جانور مردار ہو گیا، اس کا کھانا درست نہیں۔

مسئلہ ②: ذبح کے وقت جان بوجھ کر بسم اللہ نہیں پڑھی تو وہ جانور مردار ہے اور اس کا کھانا حرام ہے اور اگر بھول جائے تو وہ حلال ہے اور اس کا کھانا درست ہے۔

مسئلہ ③: کند چھری سے ذبح کرنا مکروہ ہے، کیونکہ اس سے جانور کو بہت تکلیف ہوتی ہے، اسی طرح ٹھنڈا ہونے سے پہلے اس کی کھال کھینچنا، ہاتھ پاؤں توڑنا، کاٹنا اور دو نالیاں اور دو رگیں چاروں کٹ جانے کے بعد بھی گلا کاٹے جانا یہ سب مکروہ ہے۔

مسئلہ ④: ذبح کرنے میں مرغی کا پورا گلا کٹ گیا تو یہ عمل مکروہ ہے لیکن اس مرغی کا کھانا درست ہے، مکروہ بھی نہیں، یعنی پوری گردن کاٹ دینا مکروہ ہے، مرغی مکروہ نہیں۔

مسئلہ ⑤: مسلمان کا ذبیحہ بہر حال درست ہے، چاہے عورت ذبح کرے یا مرد اور چاہے پاک ہو یا ناپاک، ہر حال میں اس کا ذبح کیا ہوا جانور حلال ہے اور کافر کا ذبح کیا ہوا جانور حرام ہے۔ [البتہ کفار میں سے صرف یہود و نصاریٰ اسلامی طریقہ کے مطابق ذبح کریں، جو خود ان کا اپنا طریقہ بھی ہے، تو ان کا ذبح کیا ہوا جانور بھی حلال ہے۔]

مسئلہ ۶: جو چیز تیز دھار والی ہو، جیسے: دھار والا پتھر، گنّے یا بانس کا چھلکا وغیرہ ان سب سے ذبح کرنا درست ہے۔

حلال وحرام جانور:

مسئلہ ۷: جو جانور اور پرندے دوسرے جانوروں کا شکار کر کے کھاتے ہیں یا ان کی غذا صرف گندگی ہے، ان کو کھانا جائز نہیں، جیسے: شیر، بھیڑیا، گیدڑ، بلی، کتا، بندر، شکرا، باز، گدھ وغیرہ اور جو ایسے نہ ہوں، جیسے: طوطا، مینا، فاختہ، چڑیا، بٹیر، مرغابی، کبوتر، نیل گائے، ہرن، بطخ، خرگوش، وغیرہ یہ سب جائز ہیں۔

مسئلہ ۸: بجو، گوہ، کچھوا، بھڑ، خچر حرام ہیں۔ گدھا، گدھی کا گوشت کھانا اور گدھی کا دودھ پینا درست نہیں۔ گھوڑے کا گوشت کھانا جائز ہے لیکن بہتر نہیں۔ دریائی جانوروں میں سے صرف مچھلی حلال ہے، باقی سب حرام ہیں۔

مسئلہ ۹: مچھلی اور ٹڈی بغیر ذبح کیے ہوئے بھی کھانا درست ہے، ان کے سوا اور کوئی جاندار بغیر ذبح کیے کھانا درست نہیں، جب کوئی جانور مر گیا تو حرام ہو گیا۔

مسئلہ ۱۰: جو مچھلی مر کر پانی کے اوپر الٹی تیرنے لگی، اس کا کھانا درست نہیں۔

مسئلہ ۱۱: اوجھڑی کھانا حلال ہے، حرام یا مکروہ نہیں۔

مسئلہ ۱۲: کسی چیز میں چیونٹیاں مر گئیں تو بغیر نکالے کھانا جائز نہیں، اگر بے احتیاطی سے ایک آدھ چیونٹی حلق میں چلی گئی تو مردار کھانے کا گناہ ہوا۔

مسئلہ ۱۳: جو گوشت ہندو بیچتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ میں نے مسلمان سے ذبح کرایا ہے، اس سے خرید کر کھانا درست نہیں، البتہ جس وقت سے مسلمان نے ذبح کیا ہے اگر اسی وقت سے کوئی مسلمان برابر بیٹھا دیکھ رہا ہے یا ایک کے جانے کے بعد دوسرا کوئی اس کی جگہ بیٹھ کر دیکھتا رہا کہ یہ وہی گوشت ہے تب درست ہے۔

مسئلہ ۱۴: جو مرغی گندی چیزیں کھاتی پھرتی ہو اس کو تین دن بند رکھ کر ذبح کرنا چاہیے، بغیر بند کیے کھانا مکروہ ہے۔

اضافہ

پانی میں دوا ڈالنے یا پانی خشک ہونے سے مچھلی مرگئی:

مچھلیوں کے شکار کے لیے پانی میں دوا ڈالی گئی جس سے مچھلیاں مرگئیں یا کسی نہر یا تالاب کا پانی خشک ہوگیا اور اس کی وجہ سے مچھلیاں مرگئیں تو وہ حلال ہیں۔[1]

حلال جانور میں سات چیزیں حرام ہیں:

حلال جانور میں سات چیزوں کے علاوہ باقی تمام اعضا حلال ہیں، سات حرام چیزیں یہ ہیں:

۱- بہتا خون ۲- نر کی پیشاب گاہ ۳- خصیتین (کپورے)

۴- مادہ کی پیشاب گاہ ۵- غدود ۶- مثانہ

۷- پِتّا[2]

ذبح کے وقت قبلہ رُخ ہونا:

ذبح کرنے والے اور جانور دونوں کا بوقتِ ذبح قبلہ رُخ ہونا سنتِ مؤکدہ ہے۔[3]

عُقدہ کے اوپر سے ذبح کرنا:

جانور کی گردن میں سر کی طرف جو عُقدہ (گرہ) ہوتا ہے، اس کو سر کی جانب چھوڑ کر جانور کو ذبح کیا جائے، یہ بہتر اور احتیاط کے مطابق ہے، اگر کسی نے عُقدہ کے اوپر سے جانور کو ذبح کر دیا اور عقدہ دھڑ کے ساتھ رہ گیا تو بھی جانور حلال ہے۔ حرام یا مکروہ نہیں۔[4]

۱- أحسن الفتاوى: ۷ / ۳۹۰

۲- إمداد الفتاوى: ٤ / ۱۱۸، أحسن الفتاوى: ۷/ ٤٠٦، إمداد الأحكام: ٤/ ۳۰۰

۳- أحسن الفتاوى: ۷/ ٤٠٦

٤- إمداد الفتاوى: ۳ / ٥۳۹، إمداد الأحكام: ٤/ ۲٥۲، أحسن الفتاوى: ۷/ ٤۱۷، إمداد المفتين: صـ ۹٤۲

بندوق اور غلیل کا شکار:

بندوق کی گولی، چھرے اور غلیل سے شکار کیا گیا جانور ذبح کیے بغیر حلال نہیں ہوتا، اگر چہ اس پر بسم اللہ پڑھ کر گولی چلائی گئی ہو،[1] کیونکہ گولی اور غلیل سے حیوان کے اعضا کٹتے نہیں، ٹوٹ جاتے ہیں، جبکہ ذبح کے لیے جانور کے اعضاء کو تیز دھار والے آلے سے کاٹنا شرط ہے۔[2]

مشینی ذبیحہ:

کئی جانوروں کو قطار میں کھڑا کر کے برقی مشین کے ذریعہ ذبح کرنے کے احکام یہ ہیں:

۱- یہ ذبح شرعی طریقہ کے خلاف ہے، اس میں گلے کی بجائے گدی سے جانوروں کو ذبح کیا جاتا ہے، یہ مکروہ اور ناجائز ہے۔

۲- اس میں جانور کا سر الگ کر دیا جاتا ہے حالانکہ ایک ہی دفعہ میں سر دھڑ سے الگ کرنا مکروہ ہے۔

تاہم ان دونوں وجوہات کی بنا پر فعل ذبح کو مکروہ اور ناجائز کہا جائے گا، جانور حرام نہیں ہوگا، مگر اس شرط کے ساتھ کہ ذبح کرنے والا مسلمان یا عیسائی یا یہودی ہو اور ذبح کرتے وقت بسم اللہ پڑھی ہو۔[3]

ذبیحہ کے حلال ہونے کی شرط:

جانور کے حلال ہونے کے لیے شرط ہے کہ وہ ذبح کے وقت حرکت کرے یا اس سے خون نکل جائے، دونوں میں کوئی ایک ہو تو بھی جانور حلال ہو جائے گا۔[4]

۱- اگر کوئی آلہ تیز دھار نہ ہو صرف زور سے کھینچ مارنے کی وجہ سے چوٹ لگائے تو اس دباؤ اور دھکے سے زخمی ہو کر مرنے والا جانور حلال نہیں ہوتا۔

۲- إمداد الفتاویٰ : ۳/۶۱۹ ، إمداد المفتین : صـ ۹٤۳ ، أحسن الفتاویٰ : ۷/٤۲٥

۳- أحسن الفتاویٰ : ۷/٤٦۱ ، ٤۷٦

٤- عزیز الفتاویٰ : ٦۷٤

کِتَابُ الأُضْحِيَة

(قربانی کے احکام)

قربانی کی فضیلت:

قربانی کا بڑا ثواب ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قربانی کے دنوں میں قربانی سے زیادہ کوئی چیز اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں، ان دنوں میں یہ نیک کام سب نیکیوں سے بڑھ کر ہے اور قربانی کرتے وقت خون کا جو قطرہ زمین پر گرتا ہے تو زمین تک پہنچنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول ہو جاتا ہے، لہٰذا خوب خوشی سے اور خوب دل کھول کر قربانی کیا کرو۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قربانی کے بدن پر جتنے بال ہوتے ہیں، ہر ہر بال کے بدلے ایک ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔''

سبحان اللہ! اس سے بڑھ کر اور کیا ثواب ہوگا کہ ایک قربانی کرنے سے ہزاروں لاکھوں نیکیاں مل جاتی ہیں۔ بھیڑ کے بدن کے بال اگر کوئی صبح سے شام تک گنتا رہے تو بھی نہ گن سکے۔ سوچیں کہ کتنی نیکیاں ہوئیں؟ دینداری کی بات تو یہ ہے کہ اگر قربانی واجب نہ بھی ہو تب بھی اتنا زیادہ ثواب حاصل کرنے کے لیے قربانی کر لینا چاہیے، اس لیے کہ جب یہ دن گزر جائیں گے تو یہ دولت کہاں نصیب ہوگی اور اتنی آسانی سے اتنی نیکیاں کیسے کمائی جا سکیں گی؟ اور اگر اللہ تعالیٰ نے مالدار اور امیر بنایا ہو تو مناسب ہے کہ جب اپنی طرف سے قربانی کرے تو جو رشتہ دار فوت ہو گئے ہیں، جیسے ماں، باپ وغیرہ اُن کی طرف سے بھی قربانی کر دے، تاکہ اُن کی روح کو اتنا زیادہ ثواب پہنچ جائے۔ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے، آپ کی ازواجِ مطہرات کی طرف سے، اپنے پیر و مرشد کی طرف سے کر دے۔ کم سے کم اپنی طرف سے تو ضرور قربانی کرے، کیونکہ مالدار پر قربانی واجب ہے۔ جس کے پاس مال و دولت سب کچھ موجود ہے اور قربانی کرنا اس پر واجب ہے، پھر بھی اس نے قربانی نہیں کی تو اس سے بڑھ کر بدنصیب اور محروم کون ہوگا؟

قربانی کی نیت اور دعا:

مسئلہ ①: قربانی کرتے وقت زبان سے نیت کرنا اور دعا پڑھنا ضروری نہیں۔ اگر دل میں یہ دھیان کر لیا کہ میں

قربانی کرتا ہوں اور زبان سے کچھ نہیں پڑھا، صرف "بسم اللہ، اللہ اکبر" کہہ کر ذبح کر دیا تو بھی قربانی درست ہوگئی لیکن اگر یاد ہو تو دعا پڑھ لینا بہتر ہے۔

جب قربانی کا جانور قبلہ رُخ لٹا دے تو پہلے یہ دعا پڑھے:

﴿ إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَوٰتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ﴾

اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ

پھر بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ أَكْبَرُ کہہ کر ذبح کرے اور ذبح کرنے کے بعد یہ دُعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْهُ مِنِّيْ كَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ حَبِيْبِكَ مُحَمَّدٍ وَّخَلِيْلِكَ إِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِمَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ.

قربانی کس پر واجب ہے؟

مسئلہ ۲: جس پر صدقۂ فطر واجب ہے، اس پر بقر عید کے دنوں میں قربانی کرنا بھی واجب ہے اور اگر اتنا مال نہ ہو جس سے صدقۂ فطر واجب ہوتا ہے تو اس پر قربانی واجب نہیں، لیکن پھر بھی اگر کر دے تو باعثِ ثواب ہے۔

مسئلہ ۳: قربانی صرف اپنی طرف سے کرنا واجب ہے، اولاد کی طرف سے واجب نہیں، بلکہ اگر نابالغ اولاد مالدار بھی ہو تب بھی اس کی طرف سے قربانی کرنا واجب نہیں، نہ اپنے مال سے نہ اُس کے مال میں سے۔ اگر کسی نے نابالغ کی طرف سے قربانی کر دی تو نفل ہوگئی، لیکن اپنے ہی مال سے کرے اس کے مال میں سے ہرگز نہ کرے۔

مسئلہ ۴: مسافر پر قربانی واجب نہیں۔

مسئلہ ۵: کوئی شخص دسویں، گیارہویں اور بارہویں تاریخ کو سفر میں تھا، پھر بارہویں تاریخ کو سورج غروب ہونے سے پہلے گھر پہنچ گیا یا پندرہ دن کہیں ٹھہرنے کی نیت کر لی تو اب قربانی کرنا واجب ہوگیا، اسی طرح اگر پہلے اتنا مال نہیں تھا جس سے قربانی واجب ہوتی ہے، پھر بارہویں تاریخ کو سورج غروب ہونے سے پہلے کہیں سے مال مل گیا تو قربانی کرنا واجب ہے۔

قربانی کا وقت:

مسئلہ ۶: ماہِ ذی الحجہ کی دسویں تاریخ سے لے کر بارہویں تاریخ کی شام تک قربانی کرنے کا وقت ہے، جس دن چاہے قربانی کرے لیکن قربانی کا سب سے بہتر دن عید کا دن ہے، پھر گیارہویں تاریخ، پھر بارہویں تاریخ۔

مسئلہ (۷): عید کی نماز سے پہلے قربانی کرنا درست نہیں۔ جب لوگ نماز پڑھ لیں تب قربانی کریں، البتہ اگر کوئی کسی دیہات اور گاؤں میں رہتا ہو تو وہاں صبحِ صادق طلوع ہونے کے بعد بھی قربانی کرنا درست ہے۔ شہر اور بڑے قصبے کے رہنے والے نماز کے بعد کریں۔

مسئلہ (۸): اگر کوئی شہر کا رہنے والا اپنی قربانی کا جانور کسی گاؤں میں بھیج دے تو اس کی قربانی عید کی نماز سے پہلے بھی درست ہے، اگرچہ خود وہ شہر ہی میں ہو۔

مسئلہ (۹): بارہویں تاریخ کو سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے قربانی کرنا درست ہے، سورج غروب ہونے کے بعد درست نہیں۔

مسئلہ (۱۰): دسویں سے بارہویں تاریخ تک جب چاہیں قربانی کریں، دن میں ہو یا رات میں لیکن رات کو ذبح کرنا بہتر نہیں، اس لیے کہ ہوسکتا ہے کہ اندھیرے میں کوئی رگ نہ کٹے اور قربانی درست نہ ہو۔

قربانی خود ذبح کرنا بہتر ہے:

مسئلہ (۱۱): اپنی قربانی کو خود اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا بہتر ہے، اگر خود ذبح کرنا نہ جانتا ہو تو کسی اور سے ذبح کروالے اور ذبح کے وقت وہاں جانور کے سامنے کھڑا ہونا بہتر ہے۔ عورت اگر پردہ کی وجہ سے سامنے نہیں کھڑی ہوسکتی تو کوئی حرج نہیں۔

کسی کی طرف سے بلا اجازت قربانی کرنا:

مسئلہ (۱۲): اگر کوئی شخص قربانی کی جگہ موجود نہیں اور دوسرے شخص نے اس کی طرف سے اس کی صراحۃً یا دلالۃً اجازت کے بغیر قربانی کردی تو یہ قربانی صحیح نہیں ہوئی اور اگر کسی جانور میں کسی غائب کا حصہ اس کی اجازت کے بغیر رکھ لیا تو دوسرے حصہ داروں کی قربانی بھی صحیح نہ ہوگی۔ [اس کی وجہ یہ ہے کہ جب غائب کے حصہ کی قربانی اس کی اجازت نہ ہونے کی وجہ سے صحیح نہیں ہوئی تو اس کا حصہ نکل گیا اور اس کا اعتبار نہیں رہا اور باقی ایک جانور کے سات حصوں میں صرف چھ حصے رہ گئے جب کہ قربانی صحیح ہونے کے لیے ضروری ہے کہ پورا جانور قربانی کی نیت سے ذبح کیا جائے، نہ کہ جانور کا کچھ حصہ، اس لیے دوسرے حصہ داروں کی قربانی بھی صحیح نہیں ہوگی۔][1]

۱- هندية: ۳۰۲/۵

قربانی کے جانور:

مسئلہ (۱۳): بکری، بکرا، بھیڑ، دُنبہ، گائے، بیل، بھینس، بھینسا، اونٹ، اونٹنی؛ ان سب جانوروں کی قربانی درست ہے؛ ان کے علاوہ کسی اور جانور کی قربانی درست نہیں۔

ایک جانور میں شرکت:

مسئلہ (۱۴): قربانی کے لیے کسی نے گائے خریدی اور خریدتے وقت یہ نیت کی کہ اگر کوئی اور ملے گا تو اس کو بھی شریک کرلوں گا اور مل کر قربانی کریں گے۔ اس کے بعد کچھ اور لوگ اس گائے میں شریک ہو گئے تو یہ درست ہے اور اگر خریدتے وقت کسی کو شریک کرنے کی نیت نہیں تھی بلکہ پوری گائے اپنی طرف سے کرنے کا ارادہ تھا تو اس میں کسی اور کا شریک ہونا بہتر تو نہیں، لیکن اگر کسی کو شریک کرلیا تو اگر شریک کرنے والا مالدار ہے جس پر قربانی واجب ہے تو دوسرے کو شریک کرنا درست ہے اور اگر غریب ہے تو درست نہیں۔(۱)

مسئلہ (۱۵): گائے، بھینس، اونٹ میں اگر سات آدمی شریک ہو کر قربانی کریں تو بھی درست ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ کسی کا حصہ ساتویں حصہ سے کم نہ ہو اور سب کی نیت قربانی یا عقیقہ کی ہو، صرف گوشت کھانے کی نیت نہ ہو۔ اگر کسی ایک کا حصہ بھی ساتویں حصہ سے کم ہوگا تو کسی کی قربانی نہیں ہوگی، نہ اس کی جس کا پورا حصہ ہے، نہ اُس کی جس کا حصہ ساتویں سے کم ہے۔

مسئلہ (۱۶): اگر گائے میں سات سے کم مثلاً: پانچ یا چھ افراد شریک ہوئے اور کسی کا حصہ ساتویں حصہ سے کم نہیں تب بھی سب کی قربانی درست ہے اور اگر آٹھ آدمی شریک ہو گئے تو کسی کی قربانی صحیح نہیں ہوئی۔

قربانی کا جانور گم ہوگیا:

مسئلہ (۱۷): اگر قربانی کا جانور گم ہو گیا، اس نے دوسرا خریدا، پھر پہلا بھی مل گیا تو اگر غریب ہے تو اس پر دونوں جانوروں کی قربانی واجب ہوگی اور اگر مالدار آدمی ہے تو اس پر ایک ہی جانور کی قربانی واجب ہے،(۲) دونوں میں سے کسی کی بھی

۱- یعنی غریب کے لیے اپنی خریدی ہوئی گائے میں کسی کو شریک کرنا درست نہیں، لیکن اگر کسی کو شریک کرلیا تو اس کی قربانی ادا ہو جائے گی مگر اس پر واجب ہے کہ جتنے حصے خریدنے کے بعد دوسرے لوگوں کو دیے ہیں، ان کا ضمان اس طرح ادا کرے کہ اگر قربانی کے دن باقی ہوں تو اتنے حصے قربانی کردے اور اگر قربانی کے دن گزر گئے ہوں تو ان حصوں کی قیمت مساکین کو دیدے۔ (حاشیہ بہشتی زیور)

۲- قاعدہ یہ ہے کہ غریب پر قربانی واجب نہیں لیکن اگر وہ ایک یا زیادہ جانور خرید لیتا ہے تو جتنے جانور خریدے گا ان کی قربانی واجب ہو جائے گی جیسے نفل نماز شروع کرنے سے پہلے لازم نہیں ہے، شروع کرنے کے بعد واجب ہو جاتی ہے۔ اس کے بالمقابل صاحب نصاب شخص کے ذمہ پر واجب ہے کہ کوئی سا ایک جانور قربان کرے۔ اگر وہ ایک سے زیادہ خریدے گا تو بھی ایک ہی جانور قربان کرنا لازم ہوگا۔

قربانی کرسکتا ہے، لیکن اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر دوسرے جانور کی قربانی کرے تو یہ دیکھ لینا چاہیے کہ اس کی قیمت پہلے جانور کی قیمت سے کم تو نہیں، اگر کم ہو تو کمی کی مقدار غریبوں پر صدقہ کردینا مستحب ہے۔

[مذکورہ مسئلہ میں غریب پر دونوں جانوروں کی قربانی واجب ہونے اور مالدار پر صرف کسی ایک کی واجب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اصل میں غریب (غیر صاحبِ نصاب) پر شریعت نے سرے سے قربانی واجب ہی نہیں کی تھی، اس نے خود اپنی خوشی سے جب قربانی کی نیت سے جانور خریدا تو قربانی کی نیت سے خریدنے سے اس متعین جانور کی قربانی اس پر واجب ہوگئی، جیسے نفل نماز ویسے تو لازم نہیں مگر جب کوئی شروع کردے گا تو اس کو پورا کرنا لازم ہوگا اور اگر توڑ دے گا تو قضا لازم ہوگی۔ پھر جب غریب نے دوسرا جانور قربانی کی نیت سے خریدا تو اس کی قربانی بھی واجب ہوگئی، لہٰذا دوسرے کی قربانی کرنے کے بعد جب پہلا مل گیا تو اس کی بھی واجب ہوگی کیونکہ قربانی کی نیت سے خریدنے کی شرط دونوں میں پائی جاتی ہے اور اس سے غریب پر اس متعین جانور کی قربانی واجب ہوجاتی ہے، اگر وہ یکے بعد دیگرے متعدد جانوروں کو قربانی کی نیت سے خرید لے تو ان سب کی قربانی کرنا اس پر لازم ہوگا۔ اگر پہلا گم ہونے کے بعد اس نے دوسرا نہیں خریدا اور پہلا بھی نہیں ملا تو کچھ بھی واجب نہیں ہوگا اور اگر پہلا مل گیا تو صرف اسی کی قربانی واجب ہوگی۔ مالدار (صاحبِ نصاب) پر شریعت کی طرف سے قربانی بہر صورت واجب ہے، چاہے وہ نہ خریدے، پھر بھی اس پر خریدنا واجب ہے اور یہ واجب ایک ہی ہے یعنی چاہے وہ کتنے ہی جانور خرید لے، اس پر کسی ایک کی قربانی کرنا واجب ہے، نہ کہ سب کی اور اگر پہلا نہ ملا تو دوسرا خریدنا واجب ہوگا۔[1]

قربانی کے جانور کی عمر:

مسئلہ ۱۸: سال سے کم عمر کی بکری کی قربانی درست نہیں، جب پورے سال کی ہو تب قربانی درست ہے اور گائے، بھینس دو سال سے کم کی درست نہیں، پورے دو سال کی ہوں تب قربانی درست ہے۔ اونٹ پانچ برس سے کم کا درست نہیں۔ دنبہ یا بھیڑ اگر اتنا موٹا تازہ ہو کہ سال بھر کا معلوم ہوتا ہو اور سال بھر والے بھیڑ دنبوں میں اگر چھوڑ دیں تو کوئی فرق معلوم نہ ہوتا ہو تو چھ مہینے کے ایسے دنبہ اور بھیڑ کی بھی قربانی درست ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو پورے سال کا ہونا چاہیے۔

عیب دار جانوروں کا حکم:

مسئلہ ۱۹: جو جانور اندھا ہو یا ایسا کانا ہو کہ اس کی ایک آنکھ کی تہائی یا اس سے زیادہ بینائی ختم ہوگئی ہو یا ایک کان

۱- امداد الفتاوی: ۳/۵۶۵

تہائی یا تہائی سے زیادہ کٹ گیا ہو یا اس کی دم تہائی یا اس سے بھی زیادہ کٹ گئی ہو تو ایسے جانوروں کی قربانی درست نہیں۔

مسئلہ (۲۰): جو جانور اتنا لنگڑا ہے کہ صرف تین پاؤں سے چلتا ہے، چوتھا پاؤں رکھ ہی نہیں سکتا یا چوتھا پاؤں رکھتا تو ہے لیکن اس سے چل نہیں سکتا، اس کی بھی قربانی درست نہیں اور اگر چلتے وقت وہ پاؤں زمین پر ٹیک کر چلتا ہے اور چلنے میں اس سے سہارا لیتا ہے، لیکن لنگڑا کر چلتا ہے تو اس کی قربانی درست ہے۔

مسئلہ (۲۱): دُبلا مریل جانور جس کی ہڈیوں میں گودا بالکل نہ رہا ہو اس کی قربانی درست نہیں، معمولی دبلا اور کمزور ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں، اس کی قربانی درست ہے لیکن موٹے تازے جانور کی قربانی کرنا زیادہ بہتر ہے۔

مسئلہ (۲۲): جس جانور کے دانت بالکل نہ ہوں اس کی قربانی درست نہیں اور اگر کچھ دانت گر گئے ہیں، لیکن جتنے گرے ہیں ان سے زیادہ باقی ہیں تو اس کی قربانی درست ہے۔

مسئلہ (۲۳): جس جانور کے پیدائش سے ہی کان نہیں ہیں، اس کی بھی قربانی درست نہیں اور اگر کان تو ہیں لیکن چھوٹے چھوٹے ہیں تو اس کی قربانی درست ہے۔

مسئلہ (۲۴): جس جانور کے پیدائش ہی سے سینگ نہیں یا سینگ تو تھے لیکن ٹوٹ گئے، اس کی قربانی درست ہے، البتہ اگر بالکل جڑ سے ٹوٹ گئے ہوں تو قربانی درست نہیں۔

مسئلہ (۲۵): اسی طرح جس جانور کو خارش کی بیماری ہو اس کی بھی قربانی درست ہے، البتہ اگر خارش کی وجہ سے بالکل لاغر ہو گیا ہو تو درست نہیں۔

خصی جانور کی قربانی:

مسئلہ (۲۶): خصی بکرے اور مینڈھے وغیرہ کی بھی قربانی درست ہے۔

جانور خریدنے کے بعد عیب پیدا ہو گیا:

مسئلہ (۲۷): اگر جانور قربانی کے لیے خرید لیا، پھر کوئی ایسا عیب پیدا ہو گیا جس کی وجہ سے قربانی درست نہیں تو اس کے بدلے دوسرا جانور خرید کر قربانی کرے، البتہ اگر غریب آدمی ہو جس پر قربانی کرنا واجب نہیں تو اس کے لیے اسی جانور کی قربانی کرنا درست ہے۔

گابھن جانور کی قربانی:

مسئلہ ۲۸: گابھن جانور کی قربانی جائز ہے، پھر اگر بچہ زندہ نکلے تو اس کو بھی ذبح کر دے۔

گوشت کی تقسیم:

مسئلہ ۲۹: سات آدمی گائے میں شریک ہوئے تو گوشت تقسیم کرتے وقت اندازے سے نہ تقسیم کریں، بلکہ خوب اچھی طرح تول کر تقسیم کریں، ورنہ اگر کوئی حصہ زیادہ یا کم رہے گا تو سود ہو جائے گا اور گناہ ہوگا، البتہ اگر گوشت کے ساتھ سری پائے اور کھال کو بھی شامل کر لیا تو جس طرف سری پائے یا کھال ہو اس طرف اگر گوشت کم ہو تو درست ہے اور اگر جس طرف گوشت زیادہ تھا اسی طرف سری پائے شامل کیے تو بھی سود ہو گیا اور گناہ ہوا۔

مسئلہ ۳۰: اگر ایک جانور میں کئی آدمی شریک ہیں اور وہ سب گوشت کو آپس میں تقسیم نہیں کرتے، بلکہ اکٹھا ہی مساکین اور دوست احباب میں تقسیم کرنا یا پکا کر کھلانا چاہیں تو بھی جائز ہے، اگر آپس میں تقسیم کریں گے تو اس میں برابری ضروری ہے۔

مسئلہ ۳۱: قربانی کی کھال کی قیمت کسی کو اُجرت میں دینا جائز نہیں، بلکہ اسے صدقہ کرنا ضروری ہے۔

مسئلہ ۳۲: قربانی کا گوشت کافروں کو بھی دینا جائز ہے، بشرطیکہ اجرت میں نہ دیا جائے۔

مسئلہ ۳۳: قربانی کا گوشت خود کھائے، اپنے رشتہ داروں کو دے اور فقیروں محتاجوں کو صدقہ کر دے اور بہتر یہ ہے کہ کم سے کم تہائی حصہ صدقہ کرے۔ صدقہ میں تہائی سے کم نہ کرے، لیکن اگر کسی نے تہائی سے کم گوشت صدقہ کیا تو بھی کوئی گناہ نہیں۔

کھال وغیرہ کا حکم:

مسئلہ ۳۴: قربانی کی کھال یا اسے بیچ کر اس کی قیمت صدقہ کر دے۔ قیمت ایسے لوگوں کو دے جن کو زکوٰۃ دینا درست ہے اور قیمت میں جو رقم ملے بعینہٖ وہی رقم صدقہ کرنا چاہیے۔ اگر وہ رقم کسی کام میں خرچ کر دی اور اتنی ہی رقم اپنے پاس سے دے دی تو بری بات ہے، مگر ادا ہو جائے گی۔

مسئلہ ۳۵: قربانی کی کھال کی قیمت مسجد کی تعمیر و مرمت یا اور کسی نیک کام میں لگانا درست نہیں، صدقہ ہی کرنا چاہیے۔

مسئلہ ۳۶: اگر کھال خود استعمال کرے مثلاً اس کی چھلنی، مشک، ڈول یا جائے نماز بنوا لے تو یہ بھی درست ہے۔

مسئلہ ۳۷: گوشت یا چربی یا چھیچھڑے قصائی کو مزدوری میں نہ دے، بلکہ مزدوری اپنے پاس سے الگ سے دے۔

مسئلہ ۳۸: قربانی کے جانور کی رسی، جھول وغیرہ سب چیزیں صدقہ کر دے۔

فقیر نے قربانی کی نیت سے جانور خریدا:

مسئلہ ۳۹: کسی پر قربانی واجب نہیں تھی، لیکن اُس نے قربانی کی نیت سے جانور خرید لیا تو اب اُس جانور کی قربانی واجب ہوگئی۔

قربانی کے دنوں میں قربانی نہ کر سکا:

مسئلہ ۴۰: کسی پر قربانی واجب تھی لیکن قربانی کے تینوں دن گزر گئے اور اُس نے قربانی نہیں کی تو ایک بکری یا بھیڑ کی قیمت خیرات کر دے اور اگر بکری خرید لی تھی تو وہی بکری صدقہ کر دے۔

قربانی کی مَنّت ماننا:

مسئلہ ۴۱: جس نے قربانی کرنے کی منت مانی، پھر وہ کام پورا ہوگیا جس کے لیے منت مانی تھی تو اب قربانی کرنا واجب ہے، چاہے مالدار ہو یا نہ ہو اور منت کی قربانی کا سارا گوشت غریبوں پر صدقہ کر دے، نہ خود کھائے نہ مالداروں کو دے۔ جتنا خود کھایا یا امیروں کو دیا اتنا صدقہ کرنا پڑے گا۔

ایصالِ ثواب کے لیے قربانی:

مسئلہ ۴۲: اگر اپنی خوشی سے کسی مُردے کو ثواب پہنچانے کے لیے قربانی کرے تو اس کا گوشت خود کھانا، کھلانا، تقسیم کرنا سب درست ہے، جس طرح اپنی قربانی کا حکم ہے۔

قربانی کی وصیت کرنا:

مسئلہ ۴۳: اگر کوئی شخص وصیت کر گیا ہو کہ میرے ترکہ سے میری طرف سے قربانی کی جائے اور اس کی وصیت کے مطابق اسی کے مال سے قربانی کی گئی تو اُس قربانی کا سارا گوشت وغیرہ صدقہ کرنا واجب ہے۔ [خود کھانا یا مالداروں کو دینا جائز نہیں۔]

غیر مالک سے جانور خریدنا:

مسئلہ ۴۴: اگر کوئی جانور کسی کو حصہ پر پرورش کے لیے دیا ہے تو یہ جانور اس پرورش کرنے والے کی ملکیت نہیں ہوا، بلکہ اصل مالک کا ہی ہے، اس لیے اگر کسی نے اس پالنے والے سے خرید کر قربانی کر دی تو قربانی نہیں ہوگی۔ اگر ایسا جانور خریدنا ہو تو اصل مالک سے خریدیں جس نے حصہ پر دیا ہے۔

اضافہ

قربانی کے جانور کے دودھ، گوبر اور اُون کا حکم:

مندرجہ ذیل صورتوں میں قربانی کے جانور کا دودھ، گوبر اور اُون استعمال میں لانا اور اس سے نفع حاصل کرنا بلا کراہت جائز ہے۔

۱- جانور گھر کا پالتو ہو۔ ۲- جانور خریدا ہو مگر خریدتے وقت قربانی کی نیت نہ ہو۔

۳- قربانی کی نیت سے خریدا ہو مگر اس کی خوراک باہر چرنے پر نہ ہو بلکہ گھر میں چارہ کھاتا ہو۔

اگر قربانی کی نیت سے خریدا ہو اور باہر چر کر گزارہ کرتا ہو تو اس کے دودھ، اُون وغیرہ کے بارے میں اختلاف ہے، جائز اور ناجائز دونوں روایتیں ہیں، لہٰذا احتیاط اس میں ہے کہ استعمال نہ کیا جائے، اگر کسی نے استعمال کرلیا تو بھی اس کی گنجائش ہے۔[1]

خراب تھن والے جانور کی قربانی:

گائے کے دو تھن اور بکری کا ایک تھن اگر خراب ہو تو اس کی قربانی جائز نہیں۔[2]

قربانی میں حرام آمدن والے کی شرکت:

قربانی میں اگر بینک کا کوئی ملازم یا انشورنس کا کاروبار کرنے والا شریک ہو جس کی کل آمدن یا اکثر آمدن حرام سے ہے تو شرکاء میں سے کسی کی قربانی نہیں ہوگی۔[3]

حرام مال میں قربانی کا حکم:

رشوت، غصب، چوری، سود، انشورنس اور دیگر حرام ذرائع سے کمائے گئے مال میں قربانی واجب نہیں، ایسا مال سارا کا سارا صدقہ کرنا واجب ہے۔[4]

مقروض پر قربانی کا وجوب:

کسی کے پاس قربانی کا نصاب موجود ہے لیکن اس پر قرضہ بھی ہے، قرض ادا کرنے کے بعد اتنی مالیت بچ جاتی ہے جو

۱- أحسن الفتاوى : ٧/ ٤٧٩ - ٤٧٨

۲- أحسن الفتاوى : ٣/ ٤٨٧ ، إمداد الفتاوى : ٣/ ٥٦٢

۳- أحسن الفتاوى : ٧/ ٥٠٣

٤- أحسن الفتاوى : ٧/ ٥٠٦

نصاب کے بقدر ہے تو اس پر قربانی واجب ہے اور اگر بقدرِ نصاب نہیں بچتا تو واجب نہیں۔[1]

گھسے ہوئے دانتوں والے جانور کی قربانی:

دانتوں کا مقصد یہ ہے کہ جانور ان سے گھاس کھا سکے، اگر کسی جانور کے دانت گھس کر مسوڑھوں سے جا ملے ہوں اور گھاس کھانے میں کام نہ آتے ہوں تو اس کی قربانی صحیح نہیں۔[2]

دُنبے کی دُم کا اعتبار نہیں:

دُنبے کی چکی کے نیچے چھوٹی سی دُم ہوتی ہے، یہ دُم اگر بالکل کٹ جائے تو بھی قربانی جائز ہے، اس دُم کا اعتبار نہیں۔[3]

١- أحسن الفتاوىٰ : ٧/ ٥٠٧

٢- أحسن الفتاوىٰ : ٧/ ٥١٣

٣- أحسن الفتاوىٰ : ٧/ ٥١٧

باب العقیقۃ

(عقیقہ کرنا)

عقیقہ کا وقت اور مقصد:

مسئلہ ۱: بچہ کی پیدائش کے بعد ساتویں دن اس کا نام رکھنا اور عقیقہ کرنا بہتر ہے۔ عقیقہ کرنے سے بچے کی سب بلائیں دور ہو جاتی ہیں اور آفتوں سے حفاظت رہتی ہے۔

مسئلہ ۲: اگر ساتویں دن عقیقہ نہ کر سکے تو جب چاہے کر لے، البتہ ساتویں دن کا لحاظ کرنا بہتر ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ جس دن بچہ پیدا ہوا ہو، اگلے ہفتے اس سے ایک دن پہلے عقیقہ کر دے، یعنی اگر بچہ جمعہ کو پیدا ہوا ہو تو آنے والی جمعرات کو عقیقہ کر دے اور اگر جمعرات کو پیدا ہوا ہو تو آنے والے بدھ کو کرے، اس طرح لازماً وہ حساب سے ساتواں دن پڑے گا۔

عقیقہ کا جانور:

مسئلہ ۳: عقیقہ کا طریقہ یہ ہے کہ اگر لڑکا ہو تو دو بکریاں یا دو بھیڑ اور لڑکی ہو تو ایک بکری یا بھیڑ ذبح کرے یا قربانی کی گائے میں لڑکے کے لیے دو حصے اور لڑکی کے لیے ایک حصہ رکھ لے اور سر کے بال منڈوا دے اور بالوں کے برابر چاندی یا سونا (یا ان کی قیمت) خیرات کر دے اور اگر دل چاہے تو بچہ کے سر میں زعفران لگا دے۔

مسئلہ ۴: کسی نے زیادہ استطاعت نہ ہونے کی وجہ سے لڑکے کی طرف سے ایک ہی بکری کا عقیقہ کیا تو کوئی حرج نہیں اور اگر عقیقہ بالکل ہی نہ کرے تو بھی کوئی حرج نہیں۔

ایک من گھڑت رسم:

مسئلہ ۵: یہ جو رواج ہے کہ جس وقت بچے کے سر پر اُسترا رکھا جائے اور نائی سر مونڈھنا شروع کرے، فوراً اسی وقت بکری ذبح ہو، یہ محض ایک فضول رسم ہے۔ شریعت کی رو سے چاہے سر مونڈھنے کے بعد ذبح کرے یا پہلے ذبح کرے،

سب جائز ہے۔ اپنی طرف سے ایسی باتیں گھڑ لینا بری بات ہے۔

عقیقہ کے جانور کی شرائط:

مسئلہ ⑥: جس جانور کی قربانی جائز نہیں اس کا عقیقہ بھی درست نہیں اور جس کی قربانی درست ہے اس کا عقیقہ بھی درست ہے۔

عقیقہ کا گوشت:

مسئلہ ⑦: عقیقہ کا گوشت چاہے کچا تقسیم کرے یا پکا کر تقسیم کرے یا دعوت کر کے کھلا دے، سب درست ہے۔

مسئلہ ⑧: عقیقہ کا گوشت باپ، دادا، نانا، نانی، دادی وغیرہ، سب کے لیے کھانا درست ہے۔

اضافہ

عقیقہ کی ہڈیاں توڑنا:

مسئلہ ⑨: عقیقہ کے لیے جو جانور ذبح کیا جائے اس کی ہڈیاں توڑنے میں کوئی حرج نہیں کچھ لوگ اس کو ممنوع سمجھتے ہیں، اس کی کوئی شرعی بنیاد نہیں۔[1]

۱- کفایت المفتی: ۲۴۱/۸، بحوالہ شامیہ: ۳۳۶/۶

کتاب الحظر والإباحۃ

(جائز اور ناجائز چیزوں کا بیان)

کھانے پینے کی چیزیں

حرام مال سے خریدا ہوا کھانا:

حرام مال چاہے سامان کی صورت میں ہو یا رقم کی صورت میں، کھانے سمیت اس سے حاصل ہونے والی تمام چیزیں حرام ہیں۔[1]

ناپاک پانی سے سینچی ہوئی سبزی:

ناپاک پانی سے اگنے والی سبزی کھانا جائز ہے، لیکن ناپاک پانی اگر اس پر لگا ہوا ہو اور خشک نہ ہوا ہو تو یہ سبزی ناپاک ہے، اس لیے اسے اچھی طرح دھو کر استعمال کرنا چاہیے۔[2]

ناپاک پانی پینے والے جانور کا دودھ:

ناپاک پانی پینے والے جانور کا دودھ اور اس سے بننے والی چیزیں، گھی، پنیر وغیرہ پاک اور حلال ہیں۔[3]

سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا پینا:

مسئلہ ۱: سونے چاندی کے برتن میں کھانا پینا جائز نہیں، بلکہ سونے چاندی کی چیزوں کا استعمال کسی طرح سے درست نہیں، جیسے: سونے چاندی کے چمچہ سے کھانا پینا، خلال سے دانت صاف کرنا، گلاب دان سے گلاب چھڑکنا، سرمہ دانی یا

۱- أحسن الفتاویٰ: ۸/ ۱۰۴

۲- أحسن الفتاویٰ: ۸/ ۱۱۸

۳- أحسن الفتاویٰ: ۸/ ۱۱۹

سلائی سے سرمہ لگانا، عطردان سے عطر لگانا، پان دان میں پان رکھنا، سونے یا چاندی کی پیالی سے تیل لگانا، جس پلنگ کے پائے چاندی کے ہوں اس پر لیٹنا بیٹھنا، چاندی سونے کے فریم والے آئینے میں منہ دیکھنا یہ سب حرام ہے، البتہ عورت کے لیے آرسی کا[1] زینت کے لیے پہنے رہنا درست ہے مگر اس میں اپنا چہرہ ہرگز نہ دیکھے، غرض سونے چاندی کی چیز کا کسی طرح استعمال درست نہیں۔

حرام ایندھن سے پکا ہوا کھانا:

حرام ایندھن (لکڑی، بجلی، گیس وغیرہ) سے کھانا وغیرہ پکانا جائز نہیں، گناہ ہے، البتہ اس سے پکا ہوا کھانا حرام نہیں ہوگا۔[2]

حلال وحرام آمدن

بینک اور بیمہ کمپنی میں ملازمت:

بینک اور بیمہ میں سراسر سودی لین دین ہوتا ہے۔

اور ٹیکس مقرر کرنے کا رائج طریقہ ظلم اور ناانصافی ہے، نیز ٹیکسوں کے مصارف (خرچ کرنے کے مواقع) بھی صحیح نہیں۔

اس لیے ان میں ملازمت کرنا جائز نہیں۔[3]

سینما کی ملازمت:

سینما میں ملازمت کرنا اور اس کی اجرت لینا حرام ہے، اس لیے کہ ملازم کو تنخواہ حرام آمدن سے دی جاتی ہے، نیز ملازم کے ذمہ اگر کوئی ناجائز کام نہ ہو تو بھی گناہ کے کام پر اعانت بہرحال ضرور پایا جاتا ہے جو سخت گناہ اور حرام ہے۔[4]

حکومت کا ضبط کردہ مال خریدنا:

حکومت کا کسی کے مال کو ضبط کر کے اس پر قبضہ کر لینا ظلم ہے، اگرچہ کسی قانون شکنی کی سزا کے طور پر ہی ہو، کیونکہ کسی جرم پر مالی جرمانہ لینا جائز نہیں، اس لیے اگر خریدنے والے کو اس بات کا علم ہے کہ اس مال کو حکومت نے ضبط کر کے ناجائز قبضہ کیا ہے تو اس کے لیے یہ مال خریدنا جائز نہیں۔[5]

۱- ایک زیور ہے جو عورتیں ہاتھ کے انگوٹھے میں پہنتی ہیں، اس میں شیشہ جڑا ہوتا ہے۔

۲- أحسن الفتاویٰ: ۸/۱۲٤ ۳- أحسن الفتاویٰ: ۸/۹۰

٤- أحسن الفتاویٰ: ۸/۹۱ ٥- أحسن الفتاویٰ: ۸/۹۳

غیر تعلیم یافتہ شخص کا معالج بننا:

کسی ماہرِ فن سے علاج کی تعلیم حاصل کیے بغیر علاج کا پیشہ اختیار کرنا جائز نہیں، اس میں حکومت کے قانون کی خلاف ورزی کا گناہ بھی ہے۔قانون کے مطابق تعلیم حاصل کرنے اور امتحان دے کر سند (ڈگری) حاصل کرنے کے بعد یہ پیشہ اختیار کیا جاسکتا ہے۔[1]

خریداری کے وکیل کا زیادہ قیمت وصول کرنا:

کسی کمپنی کے ملازم کا بازار سے کوئی چیز سستی خرید کر دکاندار سے جعلی بل بنوا کر کمپنی سے زیادہ رقم حاصل کرنا یا کسی ٹھیکیدار کا لوہا وغیرہ کم قیمت پر خرید کر مالکِ مکان کے حساب میں زیادہ رقم ظاہر کر کے وصول کرنا جائز نہیں، نیز ملازم یا ٹھیکیدار کا یہ حیلہ کرنا کہ چیزیں بازار سے اپنے لیے سستی خرید کر آگے کمپنی وغیرہ کو مہنگی کر کے فروخت کریں یہ بھی جائز نہیں۔اس لیے کہ ملازم اور ٹھیکیدار تنخواہ دار وکیل ہیں اور وکیل امین ہوتا ہے، اس کا اپنے لیے خریدنا جائز نہیں۔[2]

وکیل کا دکاندار سے کمیشن لینا:

کمپنی کے ملازم کا کسی دکاندار سے اس شرط پر کمیشن لینا کہ کمپنی کے لیے سامان اسی دکاندار سے خریدے گا، جائز نہیں، حقیقت میں یہ کمیشن سامان کی قیمت میں رعایت ہے جو کمپنی کا حق ہے، اس لیے ملازم کا اسے اپنے استعمال میں لانا جائز نہیں، بلکہ اگر لے لیا ہے تو کمپنی کو واپس کرنا واجب ہے۔[3]

۱- أحسن الفتاویٰ: ۸/ ۹۵

۲- أحسن الفتاویٰ: ۸/ ۱۰۲

۳- أحسن الفتاویٰ: ۸/ ۱۰۲

پردے کے احکام

عورت کا تمام بدن ستر ہے:

مسئلہ ①: عورت کو سارا بدن سر سے پیر تک چھپائے رکھنے کا حکم ہے، غیر محرم کے سامنے کھولنا درست نہیں، البتہ بوڑھی عورت کے لیے صرف چہرہ، ہتھیلی اور ٹخنے سے نیچے پیر کھولنا درست ہے، باقی بدن کا کھولنا کسی طرح درست نہیں۔ عورتوں کے ماتھے سے اکثر دوپٹہ سرک جاتا ہے اور وہ اسی طرح غیر محرم کے سامنے آجاتی ہیں، یہ جائز نہیں۔ غیر محرم کے سامنے ایک بال بھی نہیں کھولنا چاہیے، بلکہ جو بال کنگھی میں ٹوٹتے ہیں اور کٹے ہوئے ناخن بھی کسی ایسی جگہ ڈالے کہ کسی غیر محرم کی نگاہ نہ پڑے، ورنہ گنہگار ہوگی، اسی طرح اپنے جسم کے کسی حصے ہاتھ پاؤں وغیرہ کو نامحرم مرد کے جسم سے لگانا بھی درست نہیں۔

مسئلہ ②: جوان عورت کے لیے نامحرم مرد کے سامنے اپنا چہرہ کھولنا درست نہیں، نہ ایسی جگہ کھڑی ہو جہاں کوئی نامحرم دیکھ سکے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دلہن کی منہ دکھائی کی جو رسم ہے کہ خاندان کے سارے مرد آ کر منہ دیکھتے ہیں، یہ ہرگز جائز نہیں، بہت بڑا گناہ ہے۔

مسئلہ ③: اپنے محرم کے سامنے عورت کا چہرہ، سر، سینہ، بازو اور پنڈلی کھل جائیں تو کوئی گناہ نہیں۔ پیٹ، پیٹھ اور ران ان کے سامنے بھی نہیں کھلنی چاہئیں۔

عورت کا عورت سے پردہ:

مسئلہ ④: عورت کے لیے ناف سے لیکر گھٹنوں کے نیچے تک کسی عورت کے سامنے کھولنا بھی درست نہیں، بعض عورتیں ایک دوسرے کے سامنے جسم کھول کر نہاتی ہیں، یہ قطعاً ناجائز ہے۔ ناف سے گھٹنوں تک بدن کو ہرگز ننگا نہیں کرنا چاہیے۔

مسئلہ ⑤: اگر کوئی مجبوری ہو تو ضرورت کے بقدر اپنا بدن دکھا دینا درست ہے، مثلاً: ران میں پھوڑا ہے تو صرف پھوڑے کی جگہ کھولی جائے، زیادہ ہرگز نہ کھولے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ پرانا پاجامہ یا چادر پہن لے اور پھوڑے کی جگہ کاٹ دے، اسی کو ڈاکٹر دیکھ لے، لیکن ڈاکٹر کے سوا کسی اور کے لیے اس کو دیکھنا جائز نہیں، نہ کسی مرد کے لیے، نہ عورت کے لیے، البتہ اگر ناف اور گھٹنوں کے درمیان نہ ہو کہیں اور ہو تو عورت کو دکھانا درست ہے۔

یہی حکم دائی یا لیڈی ڈاکٹر کا ہے کہ ضرورت کے وقت اس کے سامنے بدن کھولنا درست ہے، لیکن جتنی ضرورت ہے اس سے زیادہ کھولنا درست نہیں۔ بچہ پیدا ہونے کے وقت یا کوئی دوا لیتے وقت صرف بقدرِ ضرورت بدن کھولنا چاہیے، بالکل ننگا

ہو جانا جائز نہیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی چادر وغیرہ بندھوائی جائے اور ضرورت کے بقدر دائی کے سامنے بدن کھول دیا جائے، رانیں وغیرہ نہ کھلنے پائیں اور دائی کے سوا کسی اور کے لیے بدن دیکھنا درست نہیں۔ بالکل ننگی کر دینا اور ساری عورتوں کا سامنے بیٹھ کر دیکھنا بالکل حرام ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ستر دیکھنے والے اور دکھانے والے دونوں پر خدا کی لعنت ہو۔'' اس قسم کے مسائل کا بہت زیادہ خیال رکھنا چاہیے۔

مسئلہ ⑥: زمانہ حمل وغیرہ میں اگر دائی سے پیٹ ملوانا ہو تو ناف سے نیچے کا جسم کھولنا درست نہیں، دوپٹہ وغیرہ ڈال لینا چاہیے۔ بلا ضرورت دائی کو بھی دکھانا جائز نہیں۔ عام طور پر پیٹ ملتے وقت دائی بھی دیکھتی ہے اور گھر کی خواتین ماں، بہن، وغیرہ بھی دیکھتی ہیں، یہ جائز نہیں۔

مسئلہ ⑦: بدن کے جس حصے کو دیکھنا جائز نہیں وہاں ہاتھ لگانا بھی جائز نہیں، اس لیے نہاتے وقت اگر بدن نہ بھی کھولے تب بھی ملازمہ وغیرہ سے رانیں ملوانا درست نہیں، اگرچہ کپڑے کے اندر ہاتھ ڈال کر ملے، البتہ اگر وہ اپنے ہاتھ پر دستانہ یا تھیلی چڑھا کر کپڑے کے اندر ہاتھ ڈال کر ملے تو جائز ہے۔

کافر عورتوں سے پردہ:

مسئلہ ⑧: کافر عورتیں جیسے: بھنگن، چماری وغیرہ جو گھروں میں آجاتی ہیں ان کا حکم یہ ہے کہ ان کے سامنے چہرہ اور گٹے تک ہاتھ اور ٹخنے تک پیر کے سوا کسی ایک بال کا کھولنا بھی درست نہیں۔ ان کے سامنے عورتیں سر، ہاتھ اور پنڈلی نہ کھولیں۔ اگر دائی ہندو یا عیسائی ہو تو بچہ پیدا ہونے کی جگہ تو اس کو دکھانا درست ہے، مگر سر وغیرہ اور دوسرے اعضا اس کے سامنے کھولنا درست نہیں۔

مسئلہ ⑨: شوہر سے کسی جگہ کا پردہ نہیں، دونوں کا ایک دوسرے کے سامنے پورا جسم کھولنا درست ہے، مگر بغیر ضرورت ایسا کرنا اچھا نہیں۔

عورت کا نامحرم مرد کو دیکھنا:

مسئلہ ⑩: جس طرح خود مردوں کے سامنے آنا اور بدن کھولنا درست نہیں، اسی طرح تاک جھانک کر مردوں کو دیکھنا بھی درست نہیں۔ عورتیں یہ سمجھتی ہیں کہ مرد تو ہمیں نہ دیکھیں، لیکن اگر ہم ان کو دیکھ لیں تو کوئی حرج نہیں، یہ بالکل غلط ہے۔ دروازے کے شگاف یا کھڑکیوں سے مردوں کو دیکھنا، دولہا کے سامنے آجانا یا اور کسی طرح دولہا کو دیکھنا یہ سب ناجائز ہے۔

مسئلہ ⑪: نامحرم کے ساتھ تنہائی میں بیٹھنا لیٹنا ہرگز درست نہیں، اگرچہ دونوں الگ الگ اور کچھ فاصلہ پر ہوں تب

بھی جائز نہیں۔

مسئلہ (۱۲): اپنے پیر کے سامنے آنا ایسا ہی ہے جیسے کسی غیر محرم کے سامنے آنا، اس لیے یہ بھی جائز نہیں۔ اسی طرح منہ بولا بیٹا بھی بالکل نامحرم ہوتا ہے، بیٹا بنانے سے حقیقی بیٹا نہیں بن جاتا، اس سے اسی طرح پردہ کرنا چاہیے جس طرح نامحرموں سے ہوتا ہے۔ اسی طرح جو نامحرم رشتہ دار ہیں جیسے: دیور، جیٹھ، بہنوئی، نندوئی، چچازاد، پھوپھی زاد، ماموں زاد بھائی وغیرہ یہ سب نامحرم ہیں، سب سے مکمل پردہ ہونا چاہیے۔

مسئلہ (۱۳): ہیجڑے، خوجے، اندھے کے سامنے آنا بھی جائز نہیں۔

مسئلہ (۱۴): بعض عورتیں دکاندار سے چوڑیاں پہناتی ہیں، یہ بڑی بیہودہ بات اور حرام ہے۔

نابالغ محرم کے ساتھ سفر:

بارہ سال سے کم عمر کے محرم کے ساتھ سفر کرنا بالاتفاق جائز نہیں اور بارہ سال سے زیادہ عمر والے محرم کے ساتھ سفر کے جائز ہونے میں اختلاف ہے، اس لیے اگر بارہ سال کا بچہ ہوشیار ہو، جسمانی اور عقلی لحاظ سے بالغ جیسا معلوم ہوتا ہو تو اس کے ساتھ سفر کرنے کی گنجائش ہے۔[1]

محرم والی عورت کے ساتھ سفر:

محرم والی عورت کے ساتھ کسی دوسری عورت کا سفر کرنا جائز نہیں، چاہے محرم والی عورت اور اس کا محرم مرد دیندار ہو یا بے دین، حتیٰ کہ اگر عورت بوڑھی ہو تو بھی غیر محرم کے ساتھ سفر کرنا حرام ہے۔ حدیث میں اس پر سخت وعید آئی ہے۔[2]

پردہ فرض ہونے کی عمر:

پردے کے احکام سے مقصود مردوں اور عورتوں کو بدنظری اور برے خیالات کے گناہ سے محفوظ رکھنا ہے۔ جس عمر کے بچوں میں اس گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہوگا اس عمر سے ان پر پردے کے احکام پر عمل کرنا ضروری ہوگا اور پردہ کے سلسلے میں ایسے بچوں کا وہی حکم ہوگا جو بالغ مردوں اور عورتوں کا ہے۔ اس سلسلہ میں قرآن، حدیث اور فقہ کی عبارات میں غور کرنے

۱- أحسن الفتاویٰ: ۸/ ۳۰

۲- أحسن الفتاویٰ: ۸/ ۲۹

سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نو سال کی لڑکی اور دس سال کے لڑکے پر پردہ فرض ہے، اگر وہ خود اس میں کوتاہی کریں تو ان کے سرپرستوں پر فرض ہے کہ وہ ان سے ان احکام پر عمل کروائیں۔

جسمانی صحت اور ماحول کے پیش نظر لڑکے اور لڑکی کے لیے پردہ کی مذکورہ عمر میں کمی بیشی بھی ہوسکتی ہے۔[1]

اجنبی عورت سے بات کرنا:

غیر محرم عورتوں سے بقدرِ ضرورت بات کرنا جائز ہے، بلاضرورت جائز نہیں، ہنسی مزاح کرنا یا اس کا جواب دینے کی کوئی گنجائش نہیں، ایسا کرنا سخت گناہ ہے، بلاضرورت دیکھنا بھی جائز نہیں، جہاں تک ہوسکے اپنی نظروں کی حفاظت کرنا ضروری ہے۔[2]

غیر محرم کو سلام کرنا:

اجنبی مرد اور عورت کے لیے ایک دوسرے کو سلام کرنا اور سلام کا جواب دینا جائز نہیں، اگر کسی نے سلام کیا تو دوسرا دل میں جواب دے، آواز سے نہ دے، البتہ اگر کسی ضرورت سے بات کرنے کی نوبت آئے تو سلام کرنے اور سلام کا جواب دینے کی گنجائش ہے۔[3]

عورت کا بازار سے سامان لانا:

عورت کے لیے مجبوری کے وقت ضرورت کے مطابق گھر سے باہر نکلنا جائز ہے، اس لیے اگر واقعی مجبوری ہے تو عورت بازار سے سامان لاسکتی ہے، البتہ آج کل لوگوں نے نفسانی خواہشات کو ضرورت کا نام دے رکھا ہے جس کی وجہ سے بلا ضرورت عورتیں بازاروں میں گھومتی پھرتی ہیں جو ناجائز اور گناہ ہے، اس لیے عورت کے متعلقین مردوں پر فرض ہے کہ وہ بلا ضرورت عورت کو باہر جانے سے روکیں، ورنہ وہ بھی سخت گناہگار ہوں گے۔[4]

۱- أحسن الفتاوی: ۸/۳۷

۲- أحسن الفتاوی: ۸/ ۴۰

۳- أحسن الفتاوی: ۸/ ۴۱

۴- أحسن الفتاوی: ۸/ ۲۸

لباس اور زیب وزینت

لباس اور زیور:

مسئلہ ۱: چھوٹے لڑکوں کو کڑے وغیرہ کوئی زیور اور اصلی ریشم کا بنا ہوا کپڑا پہنانا جائز نہیں، اسی طرح ریشمی اور سونے چاندی کا تعویذ بنا کر پہنانا اور زعفران کا رنگا ہوا کپڑا پہنانا درست نہیں۔ غرض جو چیزیں مردوں کے لیے حرام ہیں وہ لڑکوں کو بھی نہیں پہنانی چاہئیں، البتہ اگر بانا سوت کا ہو اور تانا ریشم کا تو ایسا کپڑا لڑکوں کو پہنانا جائز ہے، اسی طرح اگر مخمل کا رُواں ریشم کا نہ ہو تو وہ بھی درست ہے اور یہ سب کچھ مردوں کے لیے بھی درست ہے۔

مسئلہ ۲: سونے چاندی کے کام والی ٹوپی یا کوئی کپڑا مردوں کے لیے اس وقت جائز ہے جب بہت گہرا کام نہ ہو۔ اگر اتنا زیادہ کام ہے کہ دور سے دیکھنے سے سونا یا چاندی ہی نظر آتی ہے، کپڑا بالکل دکھائی نہیں دیتا تو اس کا پہنانا جائز نہیں۔ یہی حال ریشمی کام کا ہے کہ اگر بہت گھنا ہو تو اس کا پہننا مردوں کے لیے جائز نہیں۔

مسئلہ ۳: بہت باریک کپڑا پہننا اور ننگا رہنا دونوں برابر ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ بہت سی کپڑے پہننے والیاں قیامت کے دن ننگی سمجھی جائیں گی۔

مسئلہ ۴: مردوں کا خواتین جیسی صورت بنانا یا زنانہ لباس پہننا، اسی طرح عورتوں کا مردانہ لباس پہننا اور مردوں جیسی صورت بنانا جائز نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ایسے مردوں اور ایسی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔

مسئلہ ۵: عورتوں کے لیے زیور پہننا جائز ہے لیکن نہ پہننا زیادہ بہتر ہے، جس نے دنیا میں نہیں پہنے اس کو آخرت میں بہت ملے گا۔ اور بجتا زیور پہننا درست نہیں، چھوٹی لڑکی کو پہنانا بھی جائز نہیں، سونے چاندی کے علاوہ اور کسی چیز کا زیور پہننا بھی درست ہے، جیسے: پیتل، تانبا وغیرہ، مگر انگوٹھی سونے چاندی کے سوا کسی اور چیز کی درست نہیں۔ [مردوں کے لیے چاندی کے سوا کسی اور چیز کی انگوٹھی بھی درست نہیں، نہ سونا نہ کوئی اور دھات یا پلاسٹک وغیرہ، صرف چاندی کی جائز ہے، بشرطیکہ ساڑھے چار ماشہ سے کم ہو۔[1]]

۱- از حاشیہ بہشتی زیور

اضافہ

مسنون لباس کی تفصیل:

رسول اللہ ﷺ کا مبارک لباس ہمیشہ کے لیے کوئی مقرر نہیں تھا بلکہ مختلف حالات یعنی گرمی، سردی، سفر وحضر میں اور دوسرے طبعی تقاضوں کی وجہ سے مختلف قسموں اور مختلف رنگوں والا ہوتا تھا جس کی تفصیل شمائل کی کتابوں میں موجود ہے، البتہ آپ ﷺ کے تمام لباسوں میں مندرجہ ذیل باتیں پائی جاتی تھیں:

۱۔ لباس سادہ ہونا، اس میں تکلفات کا نہ ہونا۔

۲۔ مردوں پر حرام یعنی ریشمی لباس نہ ہونا۔

۳۔ لباس اس انداز کا ہونا کہ جس سے مسلمانوں کا قومی امتیاز باقی رہے اور غیر مسلموں کے ساتھ مشابہت نہ ہو۔

مذکورہ باتوں کی رعایت کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ کا عام معمول یہ تھا کہ لباس کی فکر میں نہیں رہتے تھے بلکہ ہر وقت جس قسم کا لباس دستیاب ہو جاتا، چاہے عمدہ ہو یا معمولی اسی کو استعمال فرما لیتے تھے۔[1]

مردوں کے لیے دنداسہ کا حکم:

مرد کے لیے دنداسہ دانتوں پر ملنا جائز ہے، بشرطیکہ اس سے زینت اور خوبصورتی پیدا کرنے کا ارادہ نہ ہو، نیز یہ احتیاط بھی لازم ہے کہ اس کا رنگ ہونٹوں پر نہ لگنے پائے، بصورتِ دیگر جائز نہیں ہوگا۔[2]

۱- إمداد المفتين: ۹۷٦

۲- أحسن الفتاوى: ۸/٦۸

بالوں کے احکام

مسئلہ ①: بال رکھنے کی تین صورتیں جائز ہیں:

۱- پٹے رکھنا، اس کی تین قسمیں ہیں:

(۱) کانوں کی لوتک، اس کو عربی میں "وَفرہ" کہتے ہیں۔

(۲) کانوں کی لو اور کندھوں کے درمیان تک، اس کو "لِمّہ" کہتے ہیں۔

(۳) کندھوں تک، اس کو "جُمّہ" کہتے ہیں۔

۲- حلق یعنی پورے سر کے بال منڈوانا۔

۳- پورے سر کے بالوں کو برابر کاٹنا۔

پہلی دونوں صورتیں سنت ہیں اور تیسری صورت مباح ہے، لیکن سر کے کچھ حصے کے بال منڈوانا اور کچھ کے چھوڑنا یا کچھ حصہ کے کم کاٹنا اور کچھ حصہ کے زیادہ کاٹنا جیسا کہ آج کل کا فیشن ہے، جائز نہیں۔

مسئلہ ②: اگر کسی کے بال بہت بڑے ہوں تو عورتوں کی طرح جوڑا باندھنا درست نہیں۔

مسئلہ ③: عورت کے لیے سر منڈانا یا بال کتروانا حرام ہے، حدیث میں اس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری کی وعید آئی ہے۔

مسئلہ ④: مونچھیں اتنی چھوٹی کرنا کہ ہونٹ کے کنارے کے برابر ہو جائیں سنت ہے اور استرے یا بلیڈ سے منڈوانے میں اختلاف ہے، بعض اس کو بدعت کہتے ہیں اور بعض اجازت دیتے ہیں، لہٰذا نہ منڈانے میں احتیاط ہے۔

مسئلہ ⑤: دونوں طرف کناروں میں لمبی مونچھیں رکھنا درست ہے بشرطیکہ سامنے سے ہونٹ کے کنارے سے بڑھی ہوئی نہ ہوں۔

مسئلہ ⑥: ڈاڑھی منڈانا، کتروانا حرام ہے، البتہ ایک مشت سے زائد کو کتروا دینا درست ہے۔ اسی طرح چاروں طرف سے تھوڑا تھوڑا لے لینا کہ ساری ڈاڑھی برابر ہو جائے درست ہے۔

مسئلہ ⑦: رخساروں پر جو بال ہوں ان کو خط بنا کر برابر کر دینا درست ہے، اسی طرح دونوں ابروؤں کے بڑھے

ہوئے بالوں کو کسی قدر کاٹ کر برابر کرنا بھی درست ہے۔

مسئلہ ۸: حلق کے بال نہیں منڈوانا چاہیے مگر امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔

مسئلہ ۹: نچلے ہونٹ پر اگنے والی چھوٹی ڈاڑھی کے دونوں طرف کے بال منڈوانے کو فقہاء نے بدعت لکھا ہے، اس لیے نہیں مونڈنے چاہییں۔ اسی طرح گدی کے بال بنوانے کو بھی فقہاء نے مکروہ لکھا ہے۔(۱)

مسئلہ ۱۰: خوبصورتی کی غرض سے سفید بال چننا ممنوع ہے، البتہ مجاہد کے لیے دشمن پر رعب و ہیبت بٹھانے کے لیے سفید بال اکھیڑنا بہتر ہے۔

مسئلہ ۱۱: ناک کے بال نہیں اکھیڑنے چاہئیں بلکہ قینچی سے کاٹ دینا چاہیے۔

مسئلہ ۱۲: سینہ اور پیٹھ کے بال بنانا جائز ہے مگر خلافِ ادب ہے۔

مسئلہ ۱۳: مرد کے لیے زیرِ ناف بال استرے (یا بلیڈ) سے صاف کرنا بہتر ہے۔ مونڈھتے وقت ابتدا ناف کے نیچے سے کرے اور پاؤڈر کریم وغیرہ کوئی بال صفا چیز لگا کر زائل کرنا بھی جائز ہے اور عورت کے لیے سنت یہ ہے کہ کریم یا پاؤڈر وغیرہ سے بال ختم کرے، استرہ نہ لگائے۔

مسئلہ ۱۴: بغل کے بالوں میں بہتر یہ ہے کہ موچنے وغیرہ سے اکھیڑے اور استرے سے منڈوانا بھی جائز ہے۔

مسئلہ ۱۵: اس کے علاوہ باقی سارے بدن کے بال مونڈنا یا رکھنا دونوں درست ہے۔

مسئلہ ۱۶: پیر کے ناخن کاٹنا بھی سنت ہے، البتہ مجاہد کے لیے دار الحرب میں ناخن اور مونچھیں نہ کٹوانا مستحب ہے۔

مسئلہ ۱۷: کٹے ہوئے ناخن اور بال دفن کر دینا چاہیے، دفن نہ کرے تو کسی محفوظ جگہ ڈال دینا بھی جائز ہے، مگر ناپاک گندی جگہ نہ ڈالے، اس سے بیماری کا اندیشہ ہے۔

مسئلہ ۱۸: دانت سے ناخن کاٹنا مکروہ ہے، اس سے برص کی بیماری ہو جاتی ہے۔

مسئلہ ۱۹: حالتِ جنابت میں بال بنانا، ناخن کاٹنا، زیرِ ناف بال وغیرہ صاف کرنا مکروہ ہے۔

مسئلہ ۲۰: ہفتے میں ایک مرتبہ زیرِ ناف بال، بغل کے بال، مونچھوں کے بال اور ناخن وغیرہ کاٹنا اور نہا دھو کر صاف ستھرا ہونا مستحب ہے اور سب سے بہتر جمعہ کا دن ہے کہ پہلے صفائی کر کے نمازِ جمعہ کے لیے جائے۔ ہفتہ میں ایک مرتبہ

۱- اس لیے کہ گدی سر کا حصہ ہے اور سر کے بال بعض جگہوں سے کاٹنا اور بعض کو چھوڑ دینا مکروہ ہے، البتہ گردن کے بال کاٹنا مکروہ نہیں، کیونکہ وہ سر کا حصہ نہیں۔
(أحسن الفتاوى: ۸/۷٦)

نہ ہو تو پندرہویں دن سہی، زیادہ سے زیادہ چالیس دن تک رخصت ہے، اس کے بعد رخصت نہیں۔ اگر چالیس دن گزر گئے اوران چیزوں سے صفائی حاصل نہ کی تو گنہگار رہوگا۔

اضافہ

ڈاڑھی منڈانا یا کٹانا:

ڈاڑھی رکھنا واجب ہے، منڈانا یا مٹھی سے کم کرنا حرام ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مشرکوں کی مخالفت کرو، ڈاڑھیوں کو بڑھاؤ اور مونچھیں کٹاؤ۔ نیز حضور ﷺ نے ڈاڑھی کٹانے، ٹخنے ڈھانکنے اور گانے بجانے کو ان بدکاریوں میں شمار فرمایا ہے جن کی وجہ سے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کیا گیا۔ علاوہ ازیں ڈاڑھی منڈانے یا کٹانے کا گناہ علی الاعلان شریعت کی مخالفت اور دوسرے گناہوں سے زیادہ سنگین ہے، اس لیے کہ دوسرے گناہ وقتی ہوتے ہیں مگر یہ گناہ ہر وقت ساتھ رہتا ہے، سوتے جاگتے حتیٰ کہ نماز وغیرہ عبادات کی حالت میں بھی یہ گناہ ساتھ رہتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میری ساری امت معافی کے لائق ہے سوائے ان لوگوں کے جو علانیہ گناہ کرتے ہیں۔[1]

عورتوں کا جوڑا باندھنا:

عورتوں کا بالوں کو جمع کر کے سر کے اوپر جوڑا باندھنا جائز نہیں، حدیث میں ہے: ''ایسی عورتوں کو جنت کی خوشبو نصیب نہیں ہوگی۔'' البتہ گدی پر جوڑا باندھنا جائز ہے بلکہ نماز کی حالت میں بہتر ہے، اس لیے کہ اس سے بالوں کے پردے میں سہولت ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ بال رکھنے کے دوسرے طریقے (کنگھی مار کر پھیلا دینا یا رخساروں پر ڈال دینا وغیرہ) جائز ہے بشرطیکہ کسی نامحرم کی نظر نہ پڑے اور کفار کے ساتھ مشابہت نہ ہو۔ عورت کے بالوں کا سخت پردہ ہے حتیٰ کہ بوڑھی عورت کے بال دیکھنا بھی حرام ہے۔[2]

۱- أحسن الفتاوی: ۸/ ۷۳، إمداد الفتاوی: ۴/ ۲۲۳

۲- أحسن الفتاوی: ۸/ ۷۴

مصنوعی بال لگانا:

مصنوعی بال اگر انسان کے ہوں تو ان کا لگانا بڑا گناہ ہے اور اس پر حدیث میں لعنت وارد ہوئی ہے اور اگر یہ بال کسی جانور کے ہوں تو لگانا جائز ہے۔[1]

عورت کا چہرے کے بال صاف کرنا:

عورت کے لیے چہرے کے بال صاف کرنا جائز ہے، اگر اس کے ڈاڑھی یا مونچھ نکل آئے تو ان کو صاف کرنا بہتر ہے۔

ابرو کے کناروں سے بال اکھاڑ کر باریک دھاری بنانا جائز نہیں، حدیث میں اس پر لعنت آئی ہے، البتہ اگر ابرو بہت زیادہ پھیلے ہوئے ہوں تو ان کو درست کر کے عام حالات کے مطابق کرنا جائز ہے۔[2]

زیرناف صفائی کی حدود:

زیرناف کی صفائی کی حد مثانہ سے نیچے پیڑو کی ہڈی سے شروع ہوتی ہے، اس لیے پیڑو کی ہڈی کے شروع سے لے کر مخصوص اعضا، ان کے اردگرد اوران کے برابر رانوں کے جوڑ تک اور فضلہ خارج ہونے کی جگہ کے بال صاف کرنا واجب ہے۔[3]

۱- أحسن الفتاوى: ۸/۷۵

۲- أحسن الفتاوى: ۸/۷۵

۳- أحسن الفتاوى: ۸/۷۷

سلام کے احکام

کافر کو سلام کرنا یا جواب دینا:

کافر کو تعظیم کی نیت سے سلام کرنا کفر ہے۔ تعظیم مقصود نہ ہو، صرف دعا کے طور پر ہو تو ناجائز ہے اور کسی ضرورت سے ہو تو جائز ہے، مگر اسے "السلام علی من اتبع الھدی" کہے۔

کافر کے سلام کا جواب دینا جائز ہے مگر جواب میں صرف "وعلیك" کہے۔[1]

کن کو سلام کرنا مکروہ ہے؟:

مندرجہ ذیل افراد کو سلام کرنا مکروہ ہے:

۱- کھانے میں مشغول شخص کو۔

۲- جو شخص نماز، اذان، اقامت، ذکر و تلاوت یا دینی علوم سیکھنے سکھانے میں مشغول ہو۔

۳- قاضی کو فیصلہ کی مجلس میں سلام کہنا جبکہ سلام کہنے والے فریقین ہوں۔

۴- نامحرم جوان عورت کو۔

۵- ننگے آدمی کو۔

٦- جو شخص قضائے حاجت میں مشغول ہو۔

ان تمام صورتوں میں اگر کوئی سلام کرے تو جواب دینا واجب نہیں۔[2]

خط کے سلام کا جواب:

خط کے سلام کا جواب زبانی یا بذریعہ خط دینا واجب ہے، بہتر یہ ہے کہ فوراً زبان سے جواب دے دیا جائے، کیونکہ ممکن ہے کہ خط کے جواب کا موقع نہ ملے تو اس صورت میں واجب چھوٹ جانے کا گناہ ہوگا۔

اگر خط کا جواب دینے کا ارادہ نہ ہو یا خط جواب کے قابل نہ ہو تو اس صورت میں فوراً زبان سے جواب دینا واجب ہے۔[3]

۱- أحسن الفتاوی: ۸/۱۳٤، إمداد الأحکام: ٤/۳۹۲

۲- أحسن الفتاوی: ۸/۱۳٦، إمداد الفتاوی: ٤/۲۸۷

۳- أحسن الفتاوی: ۸/۱۳۷

ہاتھ کے اشارے سے سلام کرنا:

آواز پہنچانے پر قدرت کے باوجود صرف ہاتھ کے اشارے سے سلام کرنا جائز نہیں اور اس کا جواب دینا بھی واجب نہیں اور اگر کوئی عذر ہو تو صرف ہاتھ کا اشارہ بھی کافی ہے، البتہ ممکن ہو تو اس کے ساتھ سلام کے الفاظ بھی کہے۔

کسی عذر کے بغیر لفظ سلام کے ساتھ اشارہ کرنا بھی جائز ہے، اس لیے کہ یہ اشارہ مصافحہ (ہاتھ ملانے) کے قائم مقام ہے۔[۱]

سلام کا جواب سنانا:

جواب سنا سکتا ہو تو سنانا ضروری ہے اور اگر سنانے پر قدرت نہیں مثلاً: سلام کرنے والا دور ہے یا بہرا ہے، اس صورت میں زبان سے سلام کے الفاظ ادا کر کے ہاتھ کے اشارہ سے جواب دینا کافی ہوگا، سنانا لازم نہیں۔[۲]

تصویر کے احکام

نصف دھڑ کی تصویر:

چہرہ کے ساتھ اوپر کے نصف دھڑ کی بھی تصویر بنانا جائز نہیں اور چہرہ کے بغیر باقی دھڑ کی تصویر بنانا جائز ہے۔ اس بارہ میں مشہور قاعدہ یہ ہے کہ جس عضو کے بغیر حیوان زندہ نہ رہ سکے اس کو کاٹ دینے سے حقیقی تصویر باقی نہیں رہتی، اسی وجہ سے چہرہ کے بغیر باقی دھڑ کی تصویر بنانا درست ہے، مگر خوب سمجھ لینا چاہیے کہ چہرہ اس مشہور قاعدہ سے مستثنٰی ہے کیونکہ تصویر میں مقصود چہرہ ہی ہوتا ہے، اسی وجہ سے چہرہ کے ساتھ اوپر کے نصف دھڑ کی تصویر بنانا جائز نہیں۔[۳]

بزرگوں کی تصویر رکھنا:

تصویر کسی طرح جائز نہیں، چاہے کسی بزرگ کی ہو یا عام آدمی کی، قرآن وحدیث کی رُو سے اس کو بنانا یا رکھنا سب حرام ہے اور اس کو مٹانا واجب ہے۔[٤]

۱- أحسن الفتاوی: ۱٤٤/۸

۲- أحسن الفتاوی: ۱۹/۹، إمداد الفتاوی: ۲۷۵/٤

۳- إمداد الفتاوی: ۲۵۲/٤

٤- إمداد الأحكام: ۲٤۳/٤

کافروں کے ساتھ معاملات

کفار کی مذہبی دعوتوں میں شرکت:

مسلمانوں کا کفار کی مذہبی دعوتوں میں شرکت کرنا جائز نہیں، البتہ اگر یہ دعوت مذہبی نہیں بلکہ ویسے ہی خوشی کی دعوت ہے تو اس میں شرکت جائز ہے۔[۱]

کفار سے دوستی اور میل جول:

کفار سے خرید و فروخت، اجارہ وغیرہ معاملات کرنا جائز ہے، اسی طرح بوقتِ ضرورت ظاہری میل جول کی بھی گنجائش ہے، البتہ بلا ضرورت میل جول رکھنا یا ان سے محبت اور دوستی کرنا جائز نہیں۔[۲]

کافر کی عیادت و تعزیت:

کافر کی عیادت کرنا اور جب مر جائے تو اس کے وارثوں کی تعزیت کرنا جائز ہے، مگر اس کے لیے دعائے مغفرت نہ کرے بلکہ تعزیت کے طور پر یہ کہے: ''اللہ تعالیٰ تمہیں اس سے بہتر بدلہ عطا فرمائے اور اسلام کے ذریعہ تمہاری اصلاح فرمادے۔''

کافر کے جنازے کے ساتھ دفن کی جگہ تک جانا جائز نہیں، اس لیے کہ اس میں اس کی تعظیم ہے اور وہ تعظیم کا حق دار نہیں۔[۳]

۱- إمداد الأحکام: ۳۹۲/٤

۲- إمداد الأحکام: ۳۹۲/٤

۳- إمداد المفتین: صـ ۱۰۱۸

پانی اور چراگاہ کے احکام

چشمہ میں سب لوگ شریک ہیں:

قدرتی چشمہ میں سب لوگوں کا حق ہے، اس لیے صرف اپنے فائدہ کے لیے اس کے پانی کی ٹنکی بنا کر دوسروں کو محروم کرنا جائز نہیں۔[1]

پائپ لائن میں پانی آنے سے ملکیت ثابت ہونا:

پانی حاصل کرنے کے لیے کسی شخص نے قدرتی چشمہ سے پائپ لائن کھینچی تو اس کی پائپ لائن میں پانی آنے سے وہ شخص اس کا مالک ہوگیا، لہٰذا اب اسے اختیار ہے کہ وہ کسی کو یہ پانی دے یا نہ دے، البتہ براہِ راست چشمہ سے پانی لینے کا ہر شخص کو حق ہے، اس سے روکنے کا کسی کو اختیار نہیں۔[2]

چراگاہ میں سب کا حق ہے:

ایسی چراگاہیں جو کسی کی ملک نہیں ان میں سب مسلمانوں کا برابر حق ہے، سارے مسلمان ان میں اپنے جانور بھی چرا سکتے ہیں اور گھاس وغیرہ بھی کاٹ سکتے ہیں، اس لیے ان کو اپنے لیے اس طرح خاص کر لینا کہ دوسروں کے جانور وہاں نہ جاسکیں یا وہ ان چراگاہوں سے گھاس وغیرہ نہ کاٹ سکیں، جائز نہیں، ایسی چراگاہوں سے گھاس وغیرہ کاٹنے پر کسی سے معاوضہ لینا اور بھی زیادہ شدید ظلم اور ناانصافی ہے۔

مباح اور غیر مملوکہ زمین تو درکنار اپنی مملوکہ زمین کی خودرو گھاس سے بھی کسی کو روکنا جائز نہیں۔ اگر مالک زمین میں داخل نہ ہونے دے تو اس پر لازم ہے کہ گھاس کاٹ کر طلب کرنے والے کو حوالے کرے۔[3]

۱- أحسن الفتاویٰ: ۸/٤٦٣

۲- أحسن الفتاویٰ: ۸/٤٦٣

۳- أحسن الفتاویٰ: ۸/۱۸۸، عزیز الفتاویٰ: ۷۹۰

متفرق مسائل

مکان ودکان وغیرہ میں قرآنی آیات لٹکانا:

کسی گتے وغیرہ پر قرآنی آیات لکھ کر گھر میں یا دکان میں لٹکانا اس شرط سے جائز ہے کہ ان کی بے احترامی نہ ہو اور گرد و غبار سے بھی محفوظ رہیں، اگر ان کا احترام نہ کیا جا سکتا ہو یا گرد وغبار سے صاف رکھنا مشکل ہو تو جائز نہیں، نیز جہاں ٹی وی چلایا جاتا ہو یا تصویریں ہوں وہاں قرآنی آیات آویزاں کرنے میں قرآن مجید کی بے احترامی ہے، اس لیے جائز نہیں۔ دیوار اور دروازے پر آیات لکھنا بہر حال مکروہِ تنزیہی ہے۔[1]

اخبار اور سرکاری خطوط میں قرآنی آیات لکھنا:

اخبارات واشتہارات میں قرآنی آیات اور ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' لکھنا جائز نہیں، اس لیے کہ اخبارات واشتہارات میں تصویریں ہوتی ہیں اور اخبارات میں سینما کے فحش اشتہارات بھی ہوتے ہیں، نیز اکثر ایسا ہوتا ہے کہ یا تو یہ اخبارات ردی میں فروخت ہو جاتے ہیں پھر دکاندار ان کو لفافے کے طور پر استعمال کرتے ہیں یا ویسے ہی ادھر ادھر پڑے پاؤں کے نیچے آتے رہتے ہیں، ان سب صورتوں میں قرآنی آیات کی بے حرمتی ہے جس سے بچنا لازم ہے۔

سرکاری دفاتر کے خطوط میں قرآنی آیات اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنا نہ صرف جائز ہے بلکہ بہتر ہے، ان خطوط کی اگر کوئی بے حرمتی کرے گا تو گناہ صرف اسی کو ہوگا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی بجائے دوسرے کلمات لکھنا یا ۷۸۶ لکھنا درست نہیں، اس لیے کہ یہ طریقہ رسول اللہ ﷺ کے مبارک عمل کے خلاف ہے، دوسرے کلمات لکھنے سے نہ بسم اللہ کا ثواب ملے گا اور نہ سنت ادا ہوگی۔[2]

قرآنی آیات والے کاغذوں میں پڑیاں باندھنا:

جن اخباروں میں قرآنی آیات یا ان کا ترجمہ یا کوئی اور شرعی مضمون ہو ان میں پڑیاں باندھنا جائز نہیں، وہ اخبار جن میں قرآنی آیات، حدیث یا کوئی اور شرعی مضمون نہ ہو ان میں پڑیاں باندھنے میں مضایقہ نہیں، البتہ کسی بھی تحریر کو گندگی میں ڈالنا یا

۱- أحسن الفتاوی: ۸/۲۳

۲- أحسن الفتاوی: ۸/۲٤

پاؤں تلے روندنا جائز نہیں۔[1]

اخبار میں لکھی ہوئی آیات کو بے وضو چھونا:

اخبار کے صفحے میں جہاں آیاتِ قرآن لکھی ہوں اس جگہ کو بے وضو ہاتھ لگانا منع ہے، دوسری جگہ جہاں آیت نہیں لکھی ہوئی ہو اس کو ہاتھ لگا سکتے ہیں۔[2]

خاندانی منصوبہ بندی اور اسقاطِ حمل:

رزق کی تنگی کے خوف سے یا اس وہم سے منصوبہ بندی کرنا کہ بچی پیدا ہوگی تو عار ہوگی بہر حال حرام و ناجائز ہے، البتہ اگر یہ نظریہ نہ ہو بلکہ عورت کی صحت یا بچوں کی تربیت پیش نظر ہو تو کنڈوم (ربڑ کا غبارہ) یا دوائیں استعمال کرنا جائز ہے، مگر بچہ دانی نکال دینا یا مرد کا آپریشن کر کے اسے ہمیشہ کے لیے بے کار بنا دینا جائز نہیں، سخت گناہ اور حرام ہے۔ حمل ٹھہر جانے کے بعد چار مہینے پورے ہونے سے پہلے کسی عذر کی وجہ سے مثلاً: حمل کی وجہ سے عورت کا دودھ خشک ہو جانا اور کسی اور ذریعہ سے بچے کی پرورش کا بندوبست نہ ہونا یا کسی ماہر اور دیندار معالج کا معاینہ کے بعد یہ کہنا کہ اگر حمل باقی رہا تو عورت کی جان کو خطرہ ہے، حمل گرانے کی گنجائش ہے۔ چار مہینے گزرنے کے بعد حمل گرانا حرام ہے، کسی بھی عذر سے اس کی گنجائش نہیں۔[3]

فاسق بیٹے سے قطع تعلق:

فاسق بیٹے سے تعلق رکھنے کا فیصلہ لڑکے کے آیندہ حالات کے بارہ میں اطمینان پر موقوف ہے، اگر یہ اطمینان ہو کہ وہ آیندہ کے لیے سمجھانے بجھانے سے اپنے حالات درست کر لے گا تو اس صورت میں اس سے تعلق رکھنا درست ہے ورنہ نہیں، البتہ اس بات کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ یہ قطع تعلق صرف اصلاح اور اس کو راہِ راست پر لانے کے لیے ایک تدبیر ہے، اس لیے اگر شروع ہی سے اندازہ ہو جائے کہ اصلاح کا یہ طریقہ اس کے لیے مفید نہیں ہوگا یا کچھ تجربہ کرنے کے بعد معلوم ہو کہ یہ طریقہ اس کے لیے مفید نہیں بلکہ اس سے اور زیادہ بگاڑ میں اضافہ ہوگا تو اس صورت میں تعلق بالکل ختم کرنا مناسب نہیں بلکہ اپنے دین کی حفاظت کرتے ہوئے ممکن حد تک اس سے تعلق رکھا جائے اور وقتاً فوقتاً موقع کی مناسبت سے وعظ ونصیحت اور اس کے لیے دعا جاری رکھی جائے تو امید ہے کہ یہ اس کے لیے زیادہ مفید ہوگا۔[4]

۱- أحسن الفتاوی: ۱۳/۸ ۲- أحسن الفتاوی: ۲۱/۸

۳- أحسن الفتاوی: ۱۹٦/۸، إمداد الفتاوی: ۲۰۳/٤، إمداد المفتين: ۹۷٤

٤- أحسن الفتاوی: ۱۹۷/۸

قرآن مجید گر جائے تو اس کو بوسہ دینا:

کسی وجہ سے قرآنِ کریم اونچی جگہ سے گر جائے تو اس کی تلافی کیلئے کچھ صدقہ کرنا اور اس کو بوسہ دینا ضروری نہیں، البتہ اپنی غفلت پر نفس کو سزا دینے کیلئے کوئی چیز صدقہ کرنا اور ادب واحترام کیلئے بوسہ دینا جائز ہے۔(۱)

پھٹے پرانے قرآن مجید اور کتبِ حدیث کو جلانا:

قرآن مجید کے بوسیدہ اور ناقابل استعمال اوراق کو جاری پانی میں ڈال دیا جائے یا کہیں محفوظ جگہ دفن کر دیا جائے، ان کو جلانا جائز نہیں۔ حدیث کی کتابوں کے بوسیدہ اوراق سے اللہ تعالیٰ، انبیاءِ کرام علیہم السلام اور فرشتوں کے نام مٹا کر جلانا جائز ہے مگر بہتر یہ ہے کہ ان کو بھی جاری پانی میں بہا دیا جائے یا دفن کر دیا جائے۔(۲)

ناجائز کاموں پر مشتمل دعوت میں جانا:

اگر دعوت کی جگہ میں کوئی ناجائز کام ہو تو دعوت قبول نہ کرے اور وہاں نہ جائے، البتہ اگر غالب گمان یہ ہو کہ اس کے جانے سے وہ ناجائز کام بند ہو جائے گا تو اس صورت میں دعوت قبول کر کے دعوت کی جگہ چلا جائے۔(۳)

دھوبی سے کپڑا ضائع ہونا:

اگر دھوبی بے احتیاطی سے کپڑا ضائع کرتا ہے تو اس پر ضمان لازم ہوگا اور اگر بے احتیاطی کا انکار کرتا ہے تو اس سے قسم لے سکتے ہیں، اگر وہ قسم کھا لے تو پھر ضمان لینے کا حق نہیں۔ اگر دھوبی کسی تفصیل کے بغیر ضائع ہونے والے کپڑے کی آدھی قیمت دے دے جیسا کہ آج کل عام عرف ہے تو لینا جائز ہے، لیکن اگر یقینی طور پر یہ معلوم ہو جائے کہ اس میں دھوبی کا کوئی قصور نہیں تو پھر لینا جائز نہیں۔(٤)

زخمی کے علاج کا خرچ وصول کرنا:

کسی شخص نے کسی کو ایسا مارا پیٹا یا زخمی کر دیا کہ اس کو ہسپتال میں زیر علاج رہنا پڑا تو اس صورت میں ضمان کے طور پر علاج وغیرہ پر خرچ ہونے والی رقم اس شخص سے لینا جائز ہے۔(۵)

١- إمداد الفتاوىٰ : ٤/ ٦٠
٢- أحسن الفتاوىٰ : ٨/ ١٣ - ١٦
٣- إمداد الأحكام : ٤/ ٢٩
٤- أحسن الفتاوىٰ : ٨/ ٥١٦ ، إمداد الأحكام : ٣/ ٦٣٤
٥- أحسن الفتاوىٰ : ٨/ ٥٢٠

بدل کر آئے ہوئے سامان کا حکم:

اگر کسی کی چیز تبدیل ہو جائے اور غالب گمان ہو کہ یہ چیز اس شخص کی ہے جو اس کے بدلے غلطی سے دوسرے کی چیز لے گیا ہے اور یہ بھی غالب گمان ہو جائے کہ وہ اپنی چیز لینے یہاں نہیں آئے گا اور نہ ہی اس کا کوئی سراغ لگانا ممکن ہو تو یہ شخص (جس کی چیز تبدیل ہوگئی ہے) اس چیز کو خود رکھ سکتا ہے، البتہ اگر اس کی قیمت زیادہ ہو تو زائد مقدار صدقہ کر دے۔

اسی طرح اگر بدل کر آئے ہوئے سامان کے مالک کا پتہ لگانا ممکن نہ ہو اور کسی بات کا غالب گمان بھی نہ ہو تو اس صورت میں بھی یہ شخص خود استعمال کر سکتا ہے بشرطیکہ یہ شخص فقیر ہو، اگر خود فقیر نہیں تو پھر استعمال کے جائز ہونے کی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ یہ شخص اپنی بالغ اولاد یا دوسرے رشتہ داروں پر صدقہ کر دے، بشرطیکہ وہ فقیر ہوں پھر وہ اپنی خوشی سے صدقہ کرنے والے کو واپس کر دیں۔[1]

کھانے کے آداب:

کھانے کے آداب یہ ہیں:

(۱) کھانے سے پہلے ہاتھ دھو کر پونچھے نہ جائیں اور نہ ہی کسی چیز کو چھوئیں۔

(۲) کھانے کے بعد ہاتھ دھو کر پونچھے جائیں۔

(۳) کھانے سے قبل بسم اللہ پڑھنا، اگر بہت سے لوگ ہوں تو بلند آواز سے بسم اللہ پڑھنا بہتر ہے۔

(۴) کھانے کے بعد منقول دعائیں یہ ہیں:

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ كَثِيْراً طَيِّباً مُبَارَكًا فِيْهِ غَيْرَ مَكْفِيٍّ وَلَا مُوَدَّعٍ وَلَا مُسْتَغْنًى عَنْهُ رَبَّنَا.[2] (بخاری)

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِىْ كَفَانَا وَأَرْوَانَا غَيْرَ مَكْفِيٍّ وَلَا مَكْفُوْرٍ.[3] (بخاری)

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِىْ أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مُسْلِمِيْنَ. (ابو داؤد والترمذی)

۱- (أحسن الفتاوى: ۹/۱۷)

۲- ترجمہ: تعریف اللہ کے لیے، ایسی تعریف جو بہت اور پاکیزہ ہے، جس میں برکت عطا کی گئی ہے، اور ایسی تعریف جس میں بندہ کسی حد پر اکتفا نہ کرے، اور نہ اسے چھوڑا جائے اور نہ اس سے لاپروائی ہو، اے ہمارے رب!

۳- ترجمہ: ہر تعریف اللہ کے لیے جو ہمارے لیے کافی ہوا، جس نے ہمیں سیراب کیا، جس کے لیے کوئی چیز کافی نہیں (بلکہ وہ ہر چیز کے لیے کافی ہے) اور اس کی نعمتوں کی ناشکری نہیں کی جا سکتی۔

(۵) کھاتے وقت چارزانو یا تکیہ لگا کر نہ بیٹھے، بلکہ ایک پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھے دوسرا گھٹنا کھڑا رکھے، یا دوزانو بیٹھے، البتہ کوئی عذر ہو تو جیسے چاہے بیٹھ سکتا ہے۔

(۶) کھانا نیچے یا چوکی وغیرہ پر بیٹھ کر کھائے، میز کرسی پر کھانا، یا خود نیچے بیٹھ کر کھانا چوکی پر رکھنا، یا خود پیڑھی یا گدے وغیرہ پر بیٹھنا اور کھانا نیچے رکھنا یہ سب صورتیں کھانے کے آداب کے خلاف ہیں۔ کھانے والے کی نشست اور کھانا رکھنے کی جگہ دونوں بلندی میں برابر ہوں۔

(۷) کھانے کی چیزوں پر کوئی پیالہ وغیرہ نہ رکھنا چاہیے۔

(۸) دسترخوان پر پاؤں نہ رکھے۔

(۹) روٹی دسترخوان پر بغیر چنگیر، رومال وغیرہ کے نہ رکھے۔

(۱۰) کھانا اپنے سامنے سے کھائے، البتہ اگر دسترخوان پر متفرق چیزیں ہوں تو دوسرے کے سامنے سے اٹھا کر کھانا بھی درست ہے۔

(۱۱) انگلیوں کو چاٹ لے۔ روٹی سے، رومال سے اور دسترخوان سے انگلیاں صاف کرنا بے ادبی ہے۔

اگر انگلیاں چاٹنے کے بعد خشک کرنے کی ضرورت ہو تو کسی الگ رومال سے خشک کرنے میں مضایقہ نہیں۔

(۱۲) کھانے میں عیب نہ نکالے، رغبت ہو تو کھالے ورنہ چھوڑ دے۔

(۱۳) لقمہ گر جائے تو صاف کر کے کھائے۔

(۱۴) کھانا دائیں ہاتھ سے کھائے۔

(۱۵) پیٹ بھر کے نہ کھائے۔

(۱۶) زیادہ گرم کھانا نہ کھائے۔

(۱۷) کھانے کو سونگھے نہیں۔

(۱۸) کھانے میں پھونک نہ مارے۔[1]

۱- أحسن الفتاوى: ۹/۶۳

پینے کے آداب:

پینے کے آداب یہ ہیں:

(۱) پینے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا۔

(۲) دائیں ہاتھ سے پینا۔

(۳) کم از کم تین سانس میں پینا۔

(۴) برتن منہ سے ہٹا کر سانس لینا۔

(۵) کھانے پینے کی اشیا میں ایسی پھونک مارنا جس سے آواز پیدا ہو درست نہیں، البتہ ٹھنڈا کرنے کے لیے بغیر آواز پھونکنے کی بعض فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے گنجائش دی ہے، مگر کراہتِ طبعیہ سے بہر حال خالی نہیں۔[۱]

گالی کے بدلے گالی دینا جائز نہیں:

حدیث کی رُو سے گالی دینا ممنوع اور ناجائز ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فحش گالیاں دینے کو منافقین کی علامت قرار دیا ہے۔ جس طرح گالی دینا گناہ اور ناجائز ہے اسی طرح گالی کا جواب گالی سے دینا بھی گناہ اور منافقت کی علامت ہے، جس سے بچنا ضروری ہے۔[۲]

ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا:

مصافحہ ایک ہاتھ سے کیا جائے یا دونوں ہاتھوں سے دونوں کی گنجائش ہے، البتہ دونوں ہاتھوں سے کرنا بہتر ہے، مگر ایک ہاتھ سے کرنے والے کو برا بھلا کہنا درست نہیں۔[۳]

رخصت ہوتے وقت مصافحہ کرنا:

رخصت ہوتے وقت مصافحہ کرنا یا نہ کرنا دونوں کی گنجائش ہے۔[۴]

متعین جگہ دفن کی وصیت:

اگر کسی نے کسی گھر وغیرہ میں جہاں وہ عبادت کیا کرتا تھا، دفن کرنے کی وصیت کی تو یہ وصیت باطل ہے، اس پر عمل کرنا جائز نہیں۔[۵]

١- أحسن الفتاویٰ : ٩/٦٥ ٢- إمداد الفتاویٰ : ٤/٣٦٥ ٣- إمداد الفتاویٰ : ٤/٣٧٠

٤- إمداد الفتاویٰ : ٤/٤٩١ ٥- إمداد الفتاویٰ : ٤/٣٢٩

علاج معالجہ کے احکام

اجزائے ترکیبی کی چار اقسام:

جو چیزیں علاج میں کام آتی ہیں چار قسم کی ہیں: جمادات (معدنیات، مختلف قسم کے پتھر وغیرہ) نباتات (جڑی بوٹیاں) حیوانات اور ان سے مرکب چیزیں۔

ان چیزوں کے استعمال کے طریقے دو ہیں اور دونوں کا شرعی حکم الگ الگ ہے: ایک استعمال داخلی ہے اور دوسرا خارجی۔ داخلی استعمال کسی چیز کے حلق اور پیٹ میں پہنچ جانے کو کہتے ہیں، یعنی داخلی استعمال کھانے پینے کا نام ہے۔ اس کے سوا جتنے طریقے استعمال کے ہیں سب خارجی ہیں مثلاً: ناک میں ٹپکانا، اسپرے کرنا، کوئی تر یا خشک دوا سونگھنا، بھاپ لینا، دانتوں پر دوا لگانا، چبانا اور کلی (غرارے) کرنا۔ یہ سب خارجی استعمال ہیں، بشرطیکہ دوا حلق میں نہ پہنچے لیکن سوائے سونگھنے کے سب میں خطرہ ہے کہ دوا حلق میں پہنچ جائے بلکہ اکثر پہنچ ہی جاتی ہے، لہٰذا یہ سب صورتیں اگرچہ خارجی استعمال کی ہیں لیکن داخلی استعمال کے حکم میں ہیں، اس لیے احتیاط ضروری ہے کہ جس چیز کا داخلی استعمال درست نہیں، وہ مذکورہ بالا طریقوں سے استعمال نہ کی جائے، ورنہ اگر ذرا بھی حلق میں پہنچ گئی تو حرام چیز کھانے کا گناہ ہوگا، تاہم اگر کوئی احتیاط کر سکے تو استعمال کی گنجائش بھی ہے۔

داخلی اور خارجی استعمال:

جو چیز نجس العین ہے یعنی اپنی اصل کے اعتبار سے بالکل ناپاک ہے، جیسے: پیشاب، شراب، مردار جانور، خنزیر کا گوشت وغیرہ، اس کا نہ خارجی استعمال درست ہے اور نہ داخلی؛ اور جو چیز کسی نجس چیز کے ملانے سے ناپاک ہوئی ہے اس کا داخلی استعمال درست نہیں، خارجی استعمال کی گنجائش ہے، جیسے: شراب ملی ہوئی دوائیں جبکہ شراب کم اور دوا زیادہ ہو، البتہ نماز کے وقت اس کو دھونا اور باقاعدہ پاک کرنا ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص ایسی ناپاک چیزوں کے خارجی استعمال سے بھی پرہیز کرے تو بہتر ہے، اس لیے کہ بعض اوقات سخت بیماری کی حالت میں خیال نہیں رہتا اور کپڑوں میں بھی نجاست لگ جاتی ہے یا ہاتھ دھوئے بغیر کسی برتن میں پڑ جاتا ہے اور وہ پانی اور برتن ناپاک ہو جاتا ہے جس سے وہ نجاست سارے گھر میں پھیل جاتی ہے۔

دوسری چیز کے ملنے سے نجس ہونے کا یہ مطلب ہے کہ دوسری چیز اس پاک چیز پر غالب نہ ہو، ورنہ غالب کا اعتبار ہوگا،

مثلاً: ایک لوٹا پیشاب میں چلو بھر پانی ملا کر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ پانی ہے، پیشاب ملنے سے نجس ہو گیا ہے، بلکہ اس کا حکم پیشاب ہی کا ہوگا اور اس کے برعکس صورت میں حکم بھی برعکس ہوگا۔

کسی چیز کی ممانعت کی وجوہات:

شریعتِ مطہرہ میں کسی چیز کا استعمال ممنوع ہونے کی وجوہات چار ہیں:

(۱) نجاست، جیسے: پیشاب، شراب وغیرہ

(۲) نقصان دہ ہونا، جیسے: زہر

(۳) ''استخباث'' یعنی طبیعتِ سلیمہ کا اس سے گھن کرنا، جیسے: کیڑے مکوڑے

(۴) نشہ آور ہونا

جمادات کا بیان

جمادات سے مراد وہ اشیا ہیں جو جڑی بوٹیوں اور حیوانی فضلات اور حیوانی اجزا کے علاوہ ہیں جیسے: مٹی، سونا، چاندی، تانبہ، زہر مہرہ وغیرہ۔ جمادات سب پاک اور حلال ہیں الا یہ کہ نقصان دہ یا نشہ آور ہوں۔ اگر نقصان پہنچانے والی چیز کا نقصان کسی طرح ختم ہو جائے یا نشہ آور چیز میں نشہ نہ رہے تو ممانعت بھی نہ رہے گی۔ اس قاعدہ کی رُو سے مٹی کھانے اور پان میں چونا کھانے گُلِ ارمنی، گیرو، ملتانی مٹی اور مخصوص قسم کے پتھروں وغیرہ کا حکم معلوم ہوا جو دواؤں میں پیس کر کھائے جاتے ہیں کہ اگر نقصان دیں تو جائز نہیں اور اگر نقصان نہ دیں تو درست ہے، مثلاً: پان میں اتنا چونا کھانا جو دانت کو خراب کرے یا اور کوئی نقصان کرے، درست نہیں اور بقدرِ ضرورت درست ہے۔ زیادہ چونا کھانے میں یہ بھی نقصان ہے کہ دانتوں پر ایسی تہہ جم جاتی ہے کہ جس سے غسل میں پانی مسوڑھوں کے اندر نہیں پہنچتا اور غسل ادا نہیں ہوتا۔ کشتہ جات اور زہریلی اشیاء کا حکم بھی یہی ہے کہ ماہر اور با اعتماد معالج کے مشورے کے بغیر ان کا استعمال درست نہیں اور اگر ماہر معالج مشورہ دے تو درست ہے۔

مشہور ہے کہ مٹی کھانا حرام ہے، مگر اس میں یہی تفصیل ہے کہ جہاں نقصان ہو جائز نہیں اور جہاں ایسی مخصوص مٹی ہو جو نقصان نہیں دیتی وہ جائز ہے۔ اسی طرح روٹی میں لگی ہوئی راکھ کھا لینا یا جلی ہوئی روٹی کھا لینا، بعض لوگ اس میں بہت وہم کرتے ہیں اور جلے ہوئے حصے کو روٹی سے ذرا ذرا الگ کرتے ہیں، اس کی ضرورت نہیں، تھوڑی سی مقدار کوئی نقصان نہیں

دیتی بلکہ روٹی کا جو ٹکڑا بالکل کوئلہ نہ ہو گیا ہو، صرف تھوڑا سا سیاہ ہو گیا ہو، اسے پھینک دینا جائز نہیں، کیونکہ وہ روٹی ہے، کوئلہ نہیں۔

مسئلہ ۱: سونا چاندی بھی جمادات میں سے ہیں مگر ان کو دوسرے جمادات پر قیاس نہیں کرنا چاہیے۔ دوسرے جمادات اکثر صرف دوا کے کام میں آتے ہیں اور یہ آرائش وغیرہ کے کام میں بھی آتے ہیں۔ شریعت نے زیور کے طور پر استعمال کے علاوہ ان دونوں کے استعمال کو ممنوع قرار دیا ہے اور ظاہر ہے کہ زیور عورتوں کے لیے ہوتا ہے، لہٰذا عورتوں کے لیے سونا چاندی زیور کے طور پر استعمال کرنا درست ہے اور اس کے علاوہ درست نہیں، اس لیے سونے چاندی کی سلائی یا سرمہ دانی کا استعمال یا ان کے برتن میں دوا بھگونا یا رکھنا یا پینا یا کوئی دوائی وغیرہ سونے چاندی کے برتن میں رکھنا جائز نہیں، نہ مرد کے لیے اور نہ عورت کے لیے، اسی طرح سونے چاندی کے فریم والی عینک لگانا یا سونے چاندی کے فریم والی گھڑی استعمال کرنا یا گھڑی میں سونے چاندی کی چین ڈالنا یا جس آئینہ میں سونے چاندی کا چوکھٹا لگا ہوا ہو اس کا استعمال کرنا جائز نہیں۔ اسی وجہ سے آرسی[1] سے منع کیا جاتا ہے، ورنہ آرسی زیور کے طور پر پہننے میں کوئی حرج نہیں، البتہ اس میں چہرہ دیکھنا منع ہے۔

مسئلہ ۲: سونے چاندی کے ورق کھانا یا سرمہ میں ڈالنا یا چاندی کا ٹکڑا دوا میں بھگو دینا جائز ہے۔ دانت کو سونے چاندی کے تار سے باندھنا نقصان سے بچنے کے لیے جائز ہے، کیونکہ اور کسی دھات کے تار سے باندھنے سے مسوڑھے گل جاتے ہیں۔ اسی بنا پر ناک زخمی ہو جائے یا کٹ جائے تو سونے کی ناک لگانا جائز ہے، کیونکہ سونے کے علاوہ کوئی دھات یہ کام نہیں دیتی۔ ریشم کا حکم بھی سونے کی طرح ہے، مگر یہ کہ عورتوں کے لیے ریشم کا استعمال ہر طرح جائز ہے اور مردوں کے لیے لباس کے طور پر ناجائز اور لباس کے علاوہ جائز ہے۔

مسئلہ ۳: اگر چاندی یا سونے کے ورق معجونوں میں اس طرح حل کر دیے جائیں کہ تمام دواؤں کے ساتھ مل جائیں تو اس صورت میں تو وہ ورق ایسے ہیں جیسے کسی اور دھات کے زیور پر سونے چاندی کا پانی چڑھا ہوا ہو، لہٰذا اس سونے چاندی کا اعتبار نہیں اور اگر پوری طرح حل نہ ہوں تو کپڑے کی لیس کی طرح تابع ہیں، کیونکہ اس کو سونا چاندی کی معجون کوئی نہیں کہتا، البتہ اگر کسی معجون میں غالب حصہ ورق ہی کا ہو، مثلاً: صرف شہد میں ورق حل کیے جائیں تو اس کو سونے چاندی کی معجون کہا جائے گا اور اس کا حکم گوٹہ لچکہ وغیرہ کا ہوگا اور اس میں ''بیع صرف'' کے احکام بھی جاری ہوں گے اور زکوٰۃ بھی

۱- ایک زیور ہے جو عورتیں ہاتھ کے انگوٹھے میں پہنتی ہیں، اس میں شیشہ جڑا ہوتا ہے۔

واجب ہوگی، پہلی دونوں صورتوں میں نہ بیع صرف کے احکام جاری ہوں گے نہ زکوۃ واجب ہوگی۔ مٹھائی اور گوشت پر جو اصلی ورق لگا دیتے ہیں اس کا حکم کپڑے کی لیس کا سا ہے، اتنا فرق ہے کہ کپڑے میں اصلی سونا چاندی کی لیس چار انگل سے زیادہ نہیں لگا سکتے اور یہاں پر ان ورقوں کا چار انگل یا اس سے کم ہونا ضروری نہیں، کیونکہ چار انگل کے بقدر چوڑا ہونے کی قید لباس کے ساتھ مخصوص ہے۔

نشہ کی چیزوں کا حکم یہ ہے کہ جو چیزیں خشک ہیں وہ سب پاک ہیں اور سخت ضرورت کے وقت، مثلاً کسی علاج کے لیے طبیب کے مشورے سے ان چیزوں کی اتنی مقدار کھانا درست ہے جس سے نشہ نہ آئے، نشہ آور مقدار کا استعمال ہرگز جائز نہیں، لیکن حتی الامکان ان سے بچنے ہی میں احتیاط ہے، کیونکہ تھوڑے سے بہت تک کی نوبت اکثر ضرور آ ہی جاتی ہے اور ضرورت وغیر ضرورت کا خیال نہیں رہتا، چنانچہ فتاویٰ شامی میں ہے: "وأما القليل فإن كان للّهوِ فهو حرام." (٤٥٣/٥) ترجمہ: ان خشک نشہ آور اشیاء کا کم مقدار میں استعمال بھی اگر کسی ضرورت کے بغیر ہو تو حرام ہے۔ مفرد و مرکب سب اس میں آ گئیں، جیسے: افیون، بھنگ، گانجہ، چرس، وغیرہ کہ ضرورت کے وقت اتنی کم مقدار جس سے نشہ نہ آئے، کی گنجائش ہے اور بلا ضرورت صرف مزے یا تفریح کے لیے کھانا درست نہیں۔ افیون کا لیپ کرنا یا بھنگ کی بھاپ لینا اور ٹکیہ باندھنا سب درست ہے۔

سیّال نشہ آور چیزیں

چار قسم کی شرابیں تو ایسی ہیں جو بالاتفاق ناپاک اور حرام ہیں: انگور کی کچی شراب، انگور کی پکی شراب، منقی کی شراب اور کھجور کی شراب۔ ان کا ایک قطرہ بھی پینا یا گھر میں رکھنا یا کسی کام میں لانا جائز نہیں، ان کی خرید و فروخت بھی جائز نہیں اور ان چاروں کے علاوہ دیگر شرابوں کے بیان میں تفصیل ہے جس کا یہاں موقع نہیں۔ یہاں صرف اس شراب کا حکم لکھا جاتا ہے جس سے آج کل بچنا مشکل ہو گیا ہے، وہ شراب (الکحل) ہے۔ قریب قریب تمام انگریزی دواؤں میں (الکحل) شامل ہے۔ دواؤں کے علاوہ استعمال کی بہت سی چیزوں میں بھی شامل ہے۔ قلم، پنسل، روشنائی، رنگ، لحاف، بچھونا ہر چیز کے رنگ و روغن یا ساخت میں اس کی کچھ نہ کچھ آمیزش ضرور ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ ایک تحقیق کی رُو سے یہ بھی حرام اور نجس ہے اور ایک کی رُو سے پاک ہے اور نشہ آور مقدار سے کم بطورِ دوا استعمال کی جا سکتی ہے، اگرچہ سلیم الطبع مسلمان کی طبیعت ایسی چیز کو جس کی پاکی ناپاکی میں اختلاف ہو، قبول نہیں کر سکتی۔ گویا یہ ایسا ہے جیسے ایک برتن میں پانی رکھا ہو اور ایک شخص بتا دے کہ یہ پانی ہے اور

دوسرا ابتادے کہ یہ پیشاب ہے تو نفیس مزاج آدمی کی طبیعت اس سے ضرور گھن کرے گی، لیکن عمومی مجبوری ایسی چیز ہے جس سے فتویٰ میں بہرحال وسعت ہو جاتی ہے، لہٰذا اس میں زیادہ سختی نہیں کرنی چاہیے، جس سے ہو سکے احتیاط کرے تو بڑی خوبی کی بات ہے۔ یہاں سے انگریزی دواؤں خصوصاً ٹنکچروں کا حکم معلوم ہوا، اگرچہ اسپرٹ کی کچھ اقسام حضرت امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رحمہما اللہ کی تحقیق کے نزدیک پاک ہیں، کیونکہ ہر اسپرٹ شراب کی ان چار قسموں سے نہیں بنتی جو بالاتفاق حرام ہیں، پس ایسی اسپرٹ کا استعمال امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رحمہما اللہ کے نزدیک جائز ہے، لیکن امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی بھی اسپرٹ پاک نہیں اور اختلافی مسائل سے حتی الامکان بچنا بہتر ہے، خاص کر جبکہ اکثر کا فتویٰ بھی امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے تاکہ عوام کو بے احتیاطی کا موقع نہ مل جائے مگر چونکہ یہ فتویٰ فتنے کا دروازہ بند کرنے کے لیے ہے، اس لیے ضرورت کے وقت بقدرِ ضرورت گنجائش ہے، البتہ اہلِ تقویٰ کو ٹنکچر کے استعمال سے پرہیز کرنا چاہیے اور جو عوام مبتلا ہوں ان پر سختی نہ کریں۔

الکحل کا داخلی یا خارجی استعمال:

انگریزی دواؤں میں عموماً الکحل ملائی جاتی ہے۔ الکحل اعلیٰ درجہ کی شراب کی ایک قسم ہے تو جب اس امر کا یقین ہو گیا تو انگریزی دوائیں پینا جائز ہے یا ناجائز؟

اس کا جواب یہ ہے کہ الکحل اگر انگور، منقّی، تر کھجور یا خشک کھجور سے حاصل نہ کی گئی ہو تو بوقتِ ضرورت اس کے استعمال کی گنجائش ہے، ورنہ گنجائش نہیں۔

آج کل دواؤں، پرفیوم اور دیگر چیزوں میں جو الکحل استعمال ہوتی ہے وہ عموماً کم قیمت اشیا سے بنتی ہے، مثلاً: آلو، بیر، جو، گیہوں وغیرہ، اس لیے بطورِ دوا الکحل استعمال کرنے کی گنجائش ہو سکتی ہے، البتہ احتیاط اس میں ہے کہ الکحل ملی ہوئی اشیا استعمال نہ کی جائیں۔ اگر کہیں کسی چیز کے بارے میں غالب گمان ہو کہ اس میں وہ الکحل شامل ہے جو انگور، منقّی یا کھجور سے بنی ہے تو وہ چیز نجس اور حرام ہوگی۔

یہاں سے ہومیو پیتھک ادویات کا حکم بھی معلوم ہوا کہ بہتر یہی ہے کہ ان کو بلا ضرورت استعمال نہ کیا جائے کیونکہ ان کا اصل جزا اسپرٹ (الکحل) ہی ہوتا ہے اور دوسری دوا برائے نام ہوتی ہے۔

مسئلہ ①: کلوروفارم وغیرہ سونگھا کر آپریشن کے لیے بیہوش کرنا درست ہے۔

نباتات کا بیان

نباتات سب پاک اور حلال ہیں الا یہ کہ نقصان دہ یا نشہ آور ہوں، نشہ آور کا بیان پہلے ہو چکا ہے اور نقصان دہ اشیا میں ممانعت کی وجہ ''ضرر'' (نقصان دینا) ہے۔ جب ضرر نہ رہے تو ان کے استعمال میں بھی کوئی حرج نہیں، جیسے: جمال گوٹہ، کُچلہ[1] وغیرہ، طبیب کے مشورے سے ان کا استعمال جائز ہے۔

حیوانات کا بیان

انسان کے تمام اعضا و اجزا قابل احترام ہیں، چاہے وہ کافر ہو یا مسلمان، زندہ یا مردہ کو جلانا، لاش کو بیچنا، خریدنا، مردہ کے ڈھانچہ کا پوسٹ مارٹم کرنا، اس پر طبی مشق کرنا، زندہ بچہ کو ماں کے پیٹ سے کاٹ کر نکالنا، عورت کے دودھ کا پینا یا خارجی استعمال کرنا، یہ سب ناجائز ہے، البتہ دو سال تک بچہ کے لیے عورت کا دودھ پینا جائز ہے۔ موم یا ربڑ کی تصویریں طبی مشق کی غرض سے رکھنا جائز ہے، بشرطیکہ ہر ہر عضو علیحدہ ہو، تاکہ تصویر کے حکم میں نہ ہو۔ برقی آلہ سے زندہ انسان کے جسم کے اندرونی حالات دیکھنا بھالنا درست ہے۔

مسئلہ ۱: زندہ جانور کو جلانا یا ضرورت سے زیادہ تکلیف دینا، جیسے: زندہ جانور کو تیل میں ڈال کر جلانا یا شیشی میں کیڑوں کو بھر کر گرم کھچڑی یا پانی میں رکھ کر تیل بنانا درست نہیں، مار کر تیل میں ڈالنا چاہیے، اس سے اثر میں کوئی فرق نہیں آتا۔ بیر بہوٹی[2] کو شیشی میں بند کر کے چند روز رکھتے ہیں تاکہ وہ مر جائیں، یہ بھی بے رحمی ہے۔ اگر کوئی اور صورت فوراً مارنے کی ہو تو اسے استعمال کریں مثلاً: تیل میں ڈال دیں اور اگر یہ نہ ہو سکے تو بدرجۂ مجبوری مذکورہ بالا طریقہ سے مارنا بھی جائز ہے جیسے: فقہاء نے ریشم کے کیڑوں کو دھوپ میں رکھ کر مارنے کو جائز کہا ہے کیونکہ ان کے مارنے کی اور کوئی صورت نہیں۔ کیچوے کو مچھلی کے شکار کے لیے کانٹے میں پرونا بھی بلا ضرورت ایذا رسانی ہے، مار کر لگانا چاہیے۔

مسئلہ ۲: زندہ جانور کا کوئی جز جس میں حس ہوتی ہے کاٹ کر استعمال کرنا درست نہیں، جیسے: زندہ بکرے کا کان

۱- ایک زہریلی دوا۔

۲- ایک سرخ رنگ کا کیڑا جو برسات میں پیدا ہوتا ہے اور دوائیوں میں استعمال ہوتا ہے۔

کاٹ کر یا زندہ گھوڑے کا پر (یہ ایک سخت چربی ہے جو گھوڑے کے گھٹنے کے پاس ہوتی ہے) کاٹ کر استعمال کرنا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" ما أبين من الحيّ فهو ميت . "

"یعنی زندہ جانور کا جو عضو کاٹا جائے وہ مردار ہے۔"

جانور کا ایسا جز جس میں حس نہ ہو جیسے زندہ ہاتھی کا دانت یا بکری کے بال تو یہ کاٹنے کے بعد بھی پاک ہیں، اگر وہ حلال جانور کا جز ہو تو اس کا داخلی استعمال بھی جائز ہے اور اگر حرام جانور کا جز ہے تو صرف خارجی استعمال جائز ہے۔

مسئلہ ۳: خنزیر کے سوا تمام زندہ جانوروں کی خرید وفروخت کسی صحیح مقصد کے لیے درست ہے، چاہے وہ بری ہوں یا بحری، چھوٹے ہوں یا بڑے حتیٰ کہ کتے، چیتے اور سانپ وغیرہ کی خرید وفروخت بھی جائز ہے اور مردہ حیوانات میں سے ان کی خرید وفروخت درست ہے جو پاک ہیں، جیسے دریائی جانور یا حشرات (کیڑے مکوڑے) جن میں بہنے والا خون نہیں یا خون والے جانور جن کو ذبح کیا گیا ہو، کیونکہ ذبح سے خنزیر کے سوا ہر جانور پاک ہو جاتا ہے، لہٰذا خارجی استعمال کے لیے ان کے گوشت کی خرید وفروخت جائز ہے۔

مسئلہ ۴: دریائی جانور سب پاک ہیں، چھوٹے ہوں یا بڑے، ذبح کیے گئے ہوں یا نہیں، البتہ مچھلی کے سوا کسی اور دریائی جانور کو کھانا درست نہیں۔ خارجی استعمال تمام دریائی حیوانات کا اور ان کے تمام اجزا کا درست ہے، مگر مینڈک کو مارنا کراہت سے خالی نہیں، لہٰذا مرا ہوا مردار کے حکم میں ہے، البتہ اگر ذبح کیا گیا ہو یا بہت چھوٹا ہو جس میں خون نہ ہو تو پاک ہے۔

مسئلہ ۵: چونکہ مچھلی کو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں، اس لیے کافر کے ہاتھ کی مچھلی بلاشبہ حلال ہے۔

مسئلہ ۶: کیڑے مکوڑے اور خشکی کے وہ تمام جانور جن میں بہنے والا خون نہ ہو، پاک ہیں، جیسے: اکثر حشرات الارض، بچھو، تتیے، چھوٹی چھپکلی جس میں بہتا خون نہ ہو، چھوٹا سانپ وغیرہ، ان کا خارجی استعمال ہر طرح درست ہے اور داخلی استعمال ٹڈی کے سوا سب کا حرام ہے۔

مسئلہ ۷: کیڑوں کے لعاب سے پیدا شدہ وہ چیزیں جن سے گھن نہ آتی ہو، حلال ہیں جیسے: ابریشم، شکر تغال (ایک قسم کی مکھی کا گھر جسے وہ درختوں پر اپنے لعاب سے بناتی ہے، دواؤں میں استعمال ہوتا ہے) وغیرہ۔

مسئلہ ۸: پھلوں کو کیڑوں سمیت کھانا درست نہیں۔ اسی طرح سرکہ کو کیڑوں سمیت کھانا یا کسی معجون وغیرہ کو جس میں کیڑے پڑ گئے ہوں، کیڑوں کے ساتھ یا مٹھائی کو چیونٹیوں سمیت کھانا درست نہیں، کیڑے نکال کر کھائیں اور اگر شہد نچوڑنے میں شہد کی مکھی کے وہ بچے بھی مل دیے جائیں جن میں ابھی جان نہیں پڑی تو اس شہد کے کھانے میں حرج نہیں کیونکہ وہ مردار نہیں، نہ حیوان ہیں، اس آٹے یا دوا کا بھی یہی حکم ہے جس میں کیڑوں کا مادہ جالے کی شکل میں پیدا ہو گیا ہو اور اب تک جاندار کیڑے نہ بنے ہوں، جالے کے ساتھ ان کا کھانا درست ہے۔ سرکہ کو چھان لینے کے بعد یہ وہم نہیں کرنا چاہیے کہ اس میں کچھ کیڑے گھل مل گئے ہوں گے۔

مسئلہ ۹: مردار کی خرید وفروخت باطل ہے اور مردار نجس بھی ہے، داخلی اور خارجی کسی طرح اس کا استعمال جائز نہیں۔ جونک، پیٹ کے کیڑے اور تمام حشرات الارض چونکہ مرنے کے بعد بھی نجس نہیں، اس لیے ان کی خرید وفروخت خشک ہونے کے بعد بھی درست ہے۔

مسئلہ ۱۰: خنزیر کے علاوہ وہ تمام جانور جن میں بہنے والا خون ہو، چاہے ان کا گوشت کھانا حلال ہو یا حرام، باقاعدہ ذبح کرنے سے سب پاک ہو جاتے ہیں، یعنی ان کے تمام اجزا گوشت، چربی، آنتیں، اوجھڑی، سنگدانہ، پتہ، پٹھے سب پاک ہو جاتے ہیں، سوائے خون کے، اس لیے ان کا خارجی استعمال ہر طرح درست ہے، جیسے: سر پر باندھنا وغیرہ، البتہ کھانا درست نہیں، سوائے حلال جانوروں کے، البتہ آنتوں، اوجھڑی، پوٹے اور پتے کو ظاہری نجاست سے پاک کرنا ضروری ہے۔

مسئلہ ۱۱: مردار ناپاک ہے، سوائے مندرجہ ذیل اجزا کے: بال، ہڈی جبکہ اس پر گوشت اور چکناہٹ بالکل نہ رہے، کھال جبکہ دباغت ہو جائے۔ جو اعضاء جلدی کہلاتے ہیں وہ بھی کھال ہی کے حکم میں ہیں، جیسے: مثانہ، اوجھڑی، پتہ، سنگدانہ، آنتیں، جھلیاں یہ سب چیزیں بھی کھال کی طرح دباغت سے پاک ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح پٹھے جبکہ دباغت ہو جائیں، ان کے علاوہ ناخن، سُم، سینگ اور پر بھی پاک ہیں۔ مرے ہوئے جانور کے ان اجزا کو پاک کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے ساتھ نماز درست ہے، ان کی خرید وفروخت جائز ہے، اگر کسی طرح ان کا خارجی استعمال کیا جائے تو درست ہے، مگر مرے ہوئے جانور کے کسی جز کا کھانا درست نہیں، چاہے وہ مرا ہوا جانور حلال جانوروں میں سے ہو یا حرام۔ خنزیر کے مذکورہ اجزا بھی ناپاک ہیں۔

دباغت کے معنی یہ ہیں کہ کھال کو دوائی وغیرہ ڈال کر ایسا کر دیں کہ وہ گلنے، سڑنے سے محفوظ ہو جائے۔

مسئلہ (۱۲): ہاتھی دانت پاک ہے، چاہے مرے ہوئے ہاتھی کا ہو یا زندہ کا، لیکن اس کا داخلی استعمال جائز نہیں، بیرونی استعمال درست ہے۔

مسئلہ (۱۳): جن جانوروں کا گوشت حرام ہے ان کا دودھ بھی حرام اور نجس ہے۔ حلال جانور کا دودھ حلال اور پاک ہے، اگر حلال جانور مر جائے تو بھی اس کے تھنوں میں سے نکلا ہوا دودھ پاک اور حلال ہے۔

گدھی کا دودھ حرام ہے۔ دِق اور سل (ایک بیماری جس سے پھیپھڑوں میں زخم ہو جاتے ہیں اور منہ سے خون آنے لگتا ہے) میں پینا حرام کو بطورِ دوا استعمال کرنا ہے جس کا حکم یہ ہے کہ انتہائی ناگزیر ضرورت کے وقت ماہر اور دین دار طبیب کی تجویز پر اس وقت استعمال جائز ہے جب کہ اس کے علاوہ دوسری کوئی دوائی کارآمد نہ ہو۔

گھوڑی کا دودھ حلال اور پاک ہے، کیونکہ گھوڑا حلال ہے، مصلحتاً ممنوع ہے۔

مختلف جانوروں کے انڈے

مسئلہ (۱): ہر جانور کے انڈے کا وہی حکم ہے جو اس کے گوشت کا ہے مگر یہ فرق ہے کہ حلال جانور اگر مردار ہو جائے تو اس کے پیٹ سے نکلا ہوا انڈا پاک اور حلال ہے جیسے دودھ کا حکم ذکر ہوا۔ انڈے کے اوپر اگر کچھ رطوبت وغیرہ ہو تو اس کو دھو لیا جائے۔

مسئلہ (۲): حرام جانور کو اگر ذبح کر دیا تب بھی گوشت پوست وغیرہ کے پاک ہو جانے کے باوجود اس کا انڈا پاک نہیں ہوتا۔

مسئلہ (۳): حلال جانور کا گندا انڈا جب خون بن گیا تو حرام اور نجس ہو گیا اور جب خون سے بچہ بن گیا اور روح پڑ گئی تو حلال اور پاک ہو گیا اور اگر بچہ بن گیا اور ابھی جان نہیں پڑی تب بھی پاک ہے اور کھانا بھی اس کا جائز ہے، کیونکہ وہ اِس وقت گوشت ہے اور حرام جانور کا انڈا پہلی اور تیسری صورت میں (یعنی جب خون بن جائے یا بچہ بن جائے لیکن ابھی جان نہ پڑی ہو) حرام اور نجس ہے اور دوسری صورت میں جب اس میں جان پڑ جائے تو پاک لیکن حرام ہے۔

حیوانی فضلات کا بیان

''دَم مسفوح'' ناپاک ہے۔''دَم مسفوح'' وہ خون ہے جو بہنے کے قابل ہو۔اس کا استعمال داخلی وخارجی کسی طرح جائز نہیں۔ذبح کیے ہوئے جانور کی گردن میں ذبح کی جگہ پر جو خون لگا ہوتا ہے وہ دَم مسفوح ہے، گوشت کے پاک ہونے کے لیے اس خون کو دھونا ضروری ہے، البتہ جو تھوڑا سا خون رگوں کے اندر یا جلد وغیرہ میں رہ جاتا ہے وہ غیر مسفوح ہے، اگر گوشت پر لگا رہے تو اس گوشت کے کھانے میں مضایقہ نہیں، اس کے علاوہ دیگر خون جو بہتے نہیں پاک تو ضرور ہیں مگر ان کا داخلی استعمال جائز نہیں۔کبوتر کا خون پڑوال[1] پر لگانا درست نہیں، کیوں کہ یہ بہتا ہے اور کھٹمل کا خون لگانا درست ہے کیونکہ وہ بہتا نہیں ہے۔حشرات اور تمام دریائی جانور، چاہے بڑے ہوں یا چھوٹے سب میں بہتا خون نہیں، اسی طرح وہ چھپکلی اور سانپ جو بالشت بھر سے چھوٹے ہوں ان میں بھی بہتا خون نہیں۔پیپ اور کچ لہو (پیپ ملا ہوا خون) اور زخموں سے نکلی ہوئی رطوبتیں جب کہ ان سے وضو ٹوٹ جاتا ہو خون ہی کے حکم میں ہیں، کسی طرح ان کا استعمال جائز نہیں۔حتیٰ کہ کتے سے زخم پر دہی ڈال کر چٹوانا بھی جائز نہیں، دو وجہ سے: ایک وجہ یہ ہے کہ کتے کا لعاب نجس ہے اور نجس العین کا خارجی استعمال بھی جائز نہیں۔دوسرے خون اور کچ لہو نجس ہیں، جانور کو بھی ان کا چٹوانا درست نہیں۔

مسئلہ (۱): جو خون جونک نے پیا وہ مسفوح اور ناپاک ہے، البتہ جب وہ جونک کے بدن کا جز بن جائے تو ماہیت تبدیل ہونے کی وجہ سے پاک ہو جاتا ہے، اس کی علامت یہ ہے کہ جونک کو سونتنے سے خون نہ نکلے۔حلال پرندوں کے خون کے سوا تمام فضلات پاک ہیں، مگر استخباث (ان سے گھن آنے) کی وجہ سے کسی کا بھی داخلی استعمال درست نہیں۔حلال پرندوں کا پوٹا پاک تو ہے مگر جب تک اس کے اوپر سے بیٹ دھو کر اسے اچھی طرح صاف نہ کر لیا جائے تب تک اس کو کھانا درست نہیں۔مرغی، بطخ اور مرغابی کی بیٹ بھی نجس ہے۔

مسئلہ (۲): حلال پرندوں کے سوا تمام جانوروں کا پاخانہ ناپاک ہے، البتہ جس سے بچنا ممکن نہ ہو وہ معاف ہے، جیسے: مکھی کی بیٹ یا ریشم کے کیڑے کا فضلہ جو حتی الامکان کوشش کے باوجود بھی کچھ نہ کچھ ریشم میں لگا ہی رہ جاتا ہے اور عام ابتلا ہی کی وجہ سے چمگادڑ کی بیٹ پر ناپاکی کا حکم نہیں لگایا گیا بلکہ اسے معاف قرار دیا گیا ہے۔سانپ اور جونک کی بیٹ بھی نجس ہے۔

۱- آنکھ کی ایک بیماری جس میں پلکوں کے اندر سے مڑے ہوئے بال نکل آتے ہیں۔

مسئلہ (۳): حرام پرندوں کی بیٹ بھی ناپاک ہے اور نجاستِ خفیفہ ہے لیکن کنویں کے بارے میں اس کو معاف قرار دیا گیا ہے۔ نجاست کے خفیفہ ہونے کا اثر استعمال کے حرام ہونے پر کچھ نہیں پڑتا، غلیظہ وخفیفہ برابر ہیں، صرف نماز کے بارے میں فرق ہے کہ غلیظہ کی معاف مقدار درہم کے بقدر ہے اور خفیفہ کی کپڑے کے ایک چوتھائی کے بقدر۔ جو پانی نجاستِ خفیفہ سے نجس ہو وہ بھی نجاستِ خفیفہ ہوگا اور جو غلیظہ سے نجس ہو وہ بھی نجاستِ غلیظہ ہوگا۔

مسئلہ (۴): چمگاڈر کے پیشاب کو بعض فقہاء نے عام ابتلا کی وجہ سے معاف قرار دیا ہے اور بعض نے چمگاڈر کو حلال ماننے کی وجہ سے اس کے پیشاب کو پاک کہا ہے۔

مسئلہ (۵): پرندوں کے علاوہ تمام حلال حیوانات کا لعاب، پسینہ اور میل پاک ہے اور پیشاب نجاستِ خفیفہ ہے اور باقی فضلات جیسے: پاخانہ، منی وغیرہ سب نجاستِ غلیظہ ہیں۔

مسئلہ (۶): پرندوں کے علاوہ حرام جانوروں کے فضلات لعاب، پاخانہ، پیشاب، منی، پسینہ اور میل وغیرہ سب نجاستِ غلیظہ ہیں۔ گدھے اور خچر کا پسینہ خلاف قیاس پاک ہے۔(۱)

مسئلہ (۷): چوہے کا پیشاب نجس ہے، مگر حرج کی وجہ سے معاف ہے، اس کی مینگنی بھی جہاں حرج ہو، معاف ہے، مثلاً: مینگنیاں کسی دوا یا عرق میں گر جائیں بشرطیکہ ٹوٹ کر مل نہ گئی ہوں یا مقدار میں دوا سے زیادہ نہ ہوں، الگ سے صرف مینگنیوں کا استعمال درست نہ ہوگا، جیسے: پیٹ پر لیپ کرنا یا کتے کے کاٹے کو کھلانا۔

مسئلہ (۸): انسان کا پسینہ، میل، آنسو، سنک اور لعاب پاک ہے۔ لعاب، داد پر لگانا یا آنکھ میں لگانا درست ہے، البتہ گھن والا ہونے کی وجہ سے اس کا بھی داخلی استعمال درست نہیں، ان کے سوا باقی انسانی فضلات نجس ہیں۔ قے کی قلیل مقدار جو ناقضِ وضو نہ ہو، دَم غیر مسفوح کے حکم میں ہے یعنی ناپاک نہیں۔

چند متفرق چیزیں:

شروع میں بیان ہوا کہ شریعت میں کسی چیز کے حرام ہونے کی علت چار چیزیں ہیں: نجاست، نقصان دہ ہونا، استخباث یعنی گھن والی چیز ہونا، جیسے: کیڑے مکوڑے وغیرہ اور چوتھی چیز نشہ۔

---

۱ - یعنی عام قانون کے برخلاف۔ عام قانون کی رُو سے انہیں بھی ناپاک ہونا چاہیے تھا لیکن چونکہ حضور ﷺ نے ان پر سواری کے بعد کپڑے اور بدن نہیں دھوئے تھے، حالانکہ ان کا پسینہ ضرور لگتا ہوگا، اس لیے معلوم ہوا کہ یہ ناپاک نہیں اور عام قانون سے مستثنیٰ ہیں۔

جب نجس اور غیر نجس مل جائیں تو اس کو نجس ہی سمجھا جاتا ہے، البتہ اتنی تفصیل ہے کہ اگر نجاست دوسری چیز پر غالب ہے تو حکم نجس العین کا ہوتا ہے یعنی اس کا داخلی استعمال درست ہے اور نہ خارجی؛ اور اگر دوسری چیز نجاست پر غالب ہے تو وہ ناپاک تو ہے لیکن اس کا خارجی استعمال درست ہے، مگر نماز کے وقت اس سے طہارت حاصل کرنا ضروری ہے اور احتیاط استعمال نہ کرنے میں ہے۔ اگر نجس چیز اور غیر نجس چیز مل جانے کے بعد کوئی "مُطَہِّر" پایا جائے یعنی شرعی لحاظ سے کسی معتبر طریقہ سے وہ پاک کرلیا جائے تو دوبارہ پاک ہو جاتا ہے، ورنہ ناپاکی کا حکم ہی باقی رہتا ہے، "تبدیل ماہیت" بھی ایک طرح کا مطہِّر ہے، یعنی اس سے بھی کوئی چیز پاک ہو جاتی ہے۔

نقصان دہ اور غیر نقصان دہ چیزیں مل جائیں تو اگر ملانے سے نقصان ختم ہو جائے تو ممانعت بھی باقی نہیں رہے گی اور جب گھن والی چیز دوسری چیز سے مل جائے تو اگر گھن باقی رہے تو حرمت کا، ورنہ حلال ہونے کا حکم ہوگا، جیسے: دیگ میں مکھی گر جائے۔ اگر وہ گھل مل گئی تو ایک دیگ میں مکھی کا مل جانا عام طور پر طبعی کراہت کا باعث نہیں، لہٰذا وہ شوربا حلال ہے حالانکہ مکھی کے اجزا اس میں یقینی طور پر موجود ہیں۔

تبدیلِ ماہیت کا بیان

ماہیت تبدیل ہو جانے سے احکام بھی بدل جاتے ہیں، مثلاً: انگور کا پانی پاک ہے لیکن جب وہ ایک دوسری چیز یعنی شراب بن گیا تو وہ نجس ہو گیا اور شراب جب پھر کوئی دوسری چیز مثلاً سرکہ ہو گئی تو پاک ہو گئی۔

تبدیل ماہیت کے معنی یہ ہیں کہ ایک چیز سے ایسی دوسری چیز بن جائے جس کا حکم پہلی چیز کے بالکل خلاف ہو، مثلاً: ناپاک چیز پاک چیز میں تبدیل ہو جائے تو وہ ناپاک چیز پاک ہو جائے گی، جیسے: کھاد ناپاک ہے مگر جب مٹی ہو گئی تو مٹی چونکہ پاک چیز ہے اس لیے وہ پاک ہو گئی یا انڈا پاک ہے مگر جب خون بن گیا اور خون ایک ناپاک چیز ہے تو انڈا بھی ناپاک ہو گیا اور جب اس خون سے گوشت بن گیا اور گوشت پاک چیز ہے تو وہ خون پھر پاک ہو گیا؛ اور اگر تبدیلی ایسی چیز کی طرف ہو جس کا حکم ویسا ہی ہے جیسا تبدیلی سے پہلے تھا تو وہی حکم رہے گا: پاک تھی تو پاک اور ناپاک تھی تو ناپاک، مثلاً: پاک ہڈی جل کر راکھ ہو گئی تو تبدیلی تو ہوئی مگر حکم وہی رہا، کیونکہ راکھ بھی پاک ہے اور اگر نطفہ خون بن گیا تو تبدیلی تو ہوئی مگر ناپاک کی ناپاک کی طرف، لہٰذا حکم بدستور وہی رہا، البتہ جب خون سے گوشت بن گیا تو پاک ہو گیا، کیونکہ گوشت پاک ہے۔

اور اگر تبدیلی پوری طرح نہ ہوئی، بلکہ کچھ اوصاف میں ایک طرح کی تبدیلی ہوگئی اور حقیقت وہی رہی جو پہلے تھی تو احکام نہیں بدلیں گے، جیسے: ناپاک گندم کی روٹی پکالی تو گندم روٹی کی شکل میں تبدیل ہوگئی لیکن اس سے روٹی پاک نہیں سمجھی جائے گی اس لیے کہ تبدیلی پوری طرح نہیں ہوئی۔

مسئلہ (۱): اگر حشرات الارض (کیڑوں مکوڑوں) کو شیشی میں بھر کر آنچ کے ذریعہ تیل بنالیا گیا ہو تو اس کا کھانا درست نہیں، یہ صرف ایسی تبدیلی ہوئی جیسے ناپاک گیہوں کا نشاستہ نکال لیا جائے یا ناپاک پانی کا عرق کھینچ لیا جائے۔

مسئلہ (۲): دھواں ہر چیز کا پاک ہے، کیونکہ دھواں ان جلے ہوئے اجزا کا نام ہے جو چھوٹے اور ہلکے ہونے کی وجہ سے حرارت کے اثر سے اڑنے لگتے ہیں یا کوئلہ وغیرہ کے باریک ٹکڑے ہیں اور ظاہر ہے کہ کوئلہ جل جانے کے بعد بنتا ہے اور جل جانا تبدیل ماہیت ہے۔ نجس چیز کی بھاپ نجس ہے کیونکہ بھاپ میں جل جانے کا عمل نہیں ہوا بلکہ وہی پانی ہے، حرارت کے اثر سے اڑنے لگا ہے گویا کوئی پانی کو پھینک رہا ہے اور اگر ناپاک چیز کی بھاپ اور دھواں مل جائیں تو ناپاک ہوگا کیونکہ پاک اور ناپاک کا ملاپ ہوگیا۔ بھاپ اور دھوئیں کے مل جانے کی علامت یہ ہے کہ کسی جگہ جم کر ٹپکنے لگے۔ تر چیز میں سے اگر سیاہ رنگ کی بھاپ بھی اٹھے تو وہ بھاپ اور دھواں ملا ہوا ہے۔

مسئلہ (۳): ناپاک چیز پانی میں پکا کر اس کی بھاپ بدن کو یا کپڑے کو لگانا ناپاک چیز کا لیپ کرنے کے حکم میں ہے یعنی فی نفسہ درست ہے، مگر بدن یا کپڑا ناپاک ہوجائے گا، بشرطیکہ اتنی بھاپ لگ جائے کہ کوئی قطرہ ٹپک جائے۔ صرف گرم ہوجانے سے نجاست کا حکم نہیں ہوگا۔

مسئلہ (۴): اگر تیل میں حشرات (کیڑے مکوڑے) جلا کر کوئلہ بنالیے گئے تو اس تیل کا کھانا، لگانا اور اس جلے ہوئے کوئلہ کا کھانا اور لگانا سب درست ہے کیونکہ ماہیت تبدیل ہوجانے کی وجہ سے خبیث نہیں رہا اور اگر گوبر یا اور کسی ناپاک چیز کو تیل میں ڈال کر جلایا گیا تو وہ چیز ماہیت کی تبدیلی کی بنا پر پاک اور حلال ہوگئی۔ تیل سے خوب اچھی طرح صاف کرکے استعمال میں لائیں۔ تیل نجس ہے کیونکہ جب نجس چیز اس میں ڈالی گئی تو ناپاک ہوگیا اور اس کے بعد کسی طریقہ سے اس کی طہارت نہیں ہوئی۔ اس کا خارجی استعمال درست ہے، البتہ نماز کے وقت دھولیا کریں اور داخلی استعمال جائز نہیں۔

مسئلہ (۵): ناپاک پانی کی مچھلی پاک اور حلال ہے، کیونکہ جو پانی اس نے پی لیا وہ بدن کا جز بن گیا اور ماہیت تبدیل ہوگئی، جو پانی اوپر لگا ہوا ہے اس کو دھوڈالیں، البتہ اگر اس مچھلی میں ناپاک پانی کی بدبو موجود ہو تو وہ مکروہ ہے، تین دن

پاک پانی میں چھوڑنے کے بعد کھائیں۔

مسئلہ ۶: مرغی کو سانڈے[1] یا پیٹ کے کیڑے یا کوئی نجس چیز مثلاً: شیر کی چربی کھلا کر خوب موٹا کیا گیا تو اس مرغی کا کھانا درست ہے، ہاں اگر اس چیز کی بو اس کے گوشت میں آنے لگی ہو تو مناسب ہے کہ تین دن بند رکھ کر پاک چیزیں کھلانے کے بعد ذبح کریں۔ ایسے جانور کو ''جلّالہ'' کہتے ہیں۔ اس کو فقہ میں مکروہِ تحریمی لکھا ہے، مگر مکروہ وہ ''جلّالہ'' ہے جو صرف نجاست کھاتا ہو حتیٰ کہ اس کے گوشت میں نجاست کی بو آنے لگی ہو اور اگر صرف نجاست نہیں کھاتا تو مکروہِ تحریمی نہیں ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ اس کو بھی تین دن پاک غذا کھلا کر ذبح کریں۔ جانور کو نجس چیز کھلانے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک جگہ وہ چیز ڈال کر جانور کو اس چیز کی طرف ہنکا دے وہ خود کھالے گا، اپنے ہاتھ سے اس کے منہ میں نہ ڈالے۔ ایسے ہی جب شراب کا سرکہ بنانا ہو تو سرکہ لے جا کر شراب میں ڈال دے، نہ یہ کہ شراب کو لیے پھرے۔

مسئلہ ۷: اگر ناپاک پانی کی بھاپ بدن کو لگی تو بدن کو ناپاک اس وقت کہیں گے جبکہ پانی کا کوئی قطرہ بدن سے ٹپکے، ورنہ صرف بھاپ کی حرارت لگنے سے نجاست کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔ اسی طرح اگر بدن یا کپڑوں میں نجاست کے دھوئیں یا بھاپ کی بدبو آجائے تو نجاست کا حکم نہیں ہوگا۔

مسئلہ ۸: اگر مٹکے کے اندر کوئی چیز بھر کر اس مٹکے کو گھوڑے کی لید یا اور کسی ناپاک چیز میں دفن کیا گیا اور مثلاً دو مہینے کے بعد نکالا گیا تو اگر نجاست سے مٹکا اندر تک تر ہو گیا اور اس چیز یا مٹکے کے اندر سونگھنے سے نجاست کی بدبو محسوس ہونے لگی تو وہ چیز ناپاک ہوگی ورنہ نہیں۔ مناسب یہ ہے کہ اوپر تارکول یا گوند وغیرہ کا ایسا لیپ کر دیں جس سے نجاست جذب ہو کر اندر نہ پہنچ ہو سکے، کیونکہ لید میں دفن کرنے سے یہ مقصود نہیں ہے کہ نجاست کے اجزا اندر کی چیز میں شامل ہو جائیں، بلکہ مقصود صرف وہ حرارت پہنچانا ہے جو لید میں ہوتی ہے، اگر لوہے کا برتن لیں اور اس پر مٹی کی تہہ دے دیں تب بھی حرارت کا اثر حاصل ہو سکتا ہے۔

مسئلہ ۹: پنیر پاک اور حلال ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ حلال جانور کے شیر خوار بچہ کو دودھ پلا کر فوراً ذبح کرتے ہیں اور اس کے پیٹ میں سے وہ دودھ نکال لیتے ہیں جو قدرے منجمد ہوتا ہے، اس میں یہ اثر پیدا ہو جاتا ہے کہ سیال چیز کو جماتا ہے اور منجمد چیز کو پگھلاتا ہے، اس کے علاوہ اور بھی خصوصیات پیدا ہو جاتی ہیں اور اسی سے پنیر بنایا جاتا ہے، اس کا حلال ہونا عام قاعدے کے خلاف ہے، کیونکہ جانور کے معدے میں جو بھی چیز ہو وہ گوبر کے حکم میں ہے، لیکن پنیر کا حلال

۱- گرگٹ سے بڑا ایک جانور جس کا تیل نکال کر جوڑوں کے درد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

اور پاک ہونا حدیث شریف سے ثابت ہے اور اس پر اتفاق ہے، جنگلی کوا اس پر قیاس نہیں کر سکتے۔

مسئلہ ۱۰: مسلمان طبیب غیر مسلم کو نجس دوا تجویز سکتا ہے بشرطیکہ وہ غیر مسلم مریض اپنے مذہب کی رُو سے اس کو نجس یا ناجائز نہ سمجھتا ہو اور یہ معلوم ہونے کے بعد کہ یہ دوا حرام اور نجس ہے وہ مریض اپنی مرضی سے خود استعمال کرے تو جائز ہے، چاہے اس کو نجس یا غیر نجس کچھ بھی سمجھتا ہو اور شراب بھی اس حکم میں داخل ہے بشرطیکہ طبیب صرف زبانی بتا دے یا نسخہ لکھ دے اور اگر دوا اپنے پاس سے دیتا ہے تو ایسی دوا اگر نجس العین ہے جیسے شراب اور پیشاب وغیرہ تو ناجائز ہے۔ مسلمان کے لیے نجس چیز کی قیمت لینا کسی طرح جائز نہیں، جیسے بعض تاجر شراب یا بعض حرام جانوروں کا گوشت بیچتے ہیں، ان کی قیمت غیر مسلم سے بھی لینا درست نہیں۔

علاج کے وقت ستر چھپانے کے مسائل

ایک بے احتیاطی یہ ہوتی ہے کہ مریض کا ستر چھپانے کا اہتمام نہیں کیا جاتا۔ اگر علاج کے لیے کسی عضو کے کھولنے اور دیکھنے کی ضرورت پیش آئی تو اس کی احتیاط نہیں کی جاتی کہ صرف اتنا ہی بدن کھلے جس کے کھلنے کی ضرورت ہے یا صرف انہی لوگوں کے سامنے کھلے جن کا تعلق اس علاج سے ہے، بلکہ وہ بھی دیکھتے ہیں اور دوسرے حاضرین اور عیادت کرنے والے بھی بے تکلف دیکھتے ہیں، بلکہ اس کو ہمدردی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ معالج کے علاوہ دوسروں کا دیکھنا جائز نہیں اور نہ ہی مقدارِ ضرورت سے زیادہ دیکھنا جائز ہے۔ یہاں تک کہ اگر بچے کی پیدائش کے وقت کافر دائی جائے تو بوقتِ ضرورت پیدائش کی جگہ دیکھنا تو اس کے لیے درست ہے، لیکن اس وجہ سے کہ کافر عورت نامحرم مرد کے حکم میں ہے اس کے سامنے عورت کا سر کھول دینا حرام ہو گا کیونکہ یہ بلا ضرورت ہے۔ اسی طرح اگر بچہ سمجھدار ہو تو اس کا ستر ختنہ کرنے والے کے لیے تو بقدرِ ضرورت دیکھنا درست ہے دوسروں کے لیے درست نہیں۔ اسی طرح اگر کسی پوشیدہ عضو کے پھوڑے وغیرہ کا آپریشن کرنا ہو تو ڈاکٹر یا کمپوڈر کے سوا یا ایسے شخص کے سوا جس کے دیکھنے کی ضرورت ہو، دوسروں کو وہ جگہ دیکھنے کی اجازت نہیں۔ اس سے اس رواج کی تردید ہوتی ہے جو بعض خاندانوں میں شروع ہوا ہے کہ دائیوں یا لیڈی ڈاکٹرز کے بجائے مرد ڈاکٹر سے بچے جنواتے ہیں۔ جب عورت کے ستر پر عورت کے لیے بھی بلا ضرورت نظر ڈالنا جائز نہیں تو نامحرم مرد کے لیے کیسے جائز ہو سکتا ہے؟؟؟

☆............☆............☆

حقوق کا بیان

والدین کے حقوق:

۱۔ ان کو تکلیف نہ پہنچاؤ، اگرچہ ان کی طرف سے کچھ زیادتی ہو۔

۲۔ ان کے ساتھ حسن سلوک اور ادب واحترام سے پیش آؤ۔

۳۔ جائز کاموں میں ان کی پوری پوری اطاعت کرو۔

۴۔ اگر ان کو مالی تعاون کی ضرورت ہو تو ان کی دل سے خدمت کرو، اگرچہ وہ دونوں کافر ہوں۔

والدین کے انتقال کے بعد ان کے حقوق:

۱۔ ان کے لیے دعائے مغفرت کرتے رہو، نفل عبادت اور صدقہ وخیرات کا ثواب ان کو پہنچاتے رہو۔

۲۔ ان کے دوست احباب کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔

۳۔ ان کے ذمہ جو قرضہ ہو یا کسی جائز کام کی وصیت کر گئے ہوں تو اس کو ادا کر دو۔

۴۔ ان کے مرنے کے بعد خلافِ شرع رونے اور چلانے سے بچو، ورنہ ان کی روح کو تکلیف ہوگی۔

دادا، دادی، نانا اور نانی کا حکم شریعت میں ماں باپ جیسا ہے، ان کے حقوق کو بھی ماں باپ کے حقوق کی طرح سمجھنا چاہیے۔ اسی طرح خالہ اور ماموں ماں کے حکم میں اور چچا، پھوپھی باپ کے حکم میں ہے۔

سوتیلی ماں:

سوتیلی ماں چونکہ باپ کی بیوی ہے، اس لیے اس کے حقوق بھی ماں کی طرح سمجھنے چاہئیں۔

بڑا بھائی:

حدیث شریف میں ہے کہ بڑا بھائی باپ کے درجے میں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ چھوٹا بھائی اولاد کے حکم میں ہے۔ پس ان کے آپس میں ویسے ہی حقوق ہوں گے جیسے ماں باپ اور اولاد کے ہیں۔ ایسا ہی بڑی بہن اور چھوٹی بہن کو سمجھ لینا چاہیے۔

رشتہ داروں کے حقوق:

۱۔ رشتہ دار اگر غریب ہوں اور کھانے کمانے کی قدرت نہ رکھتے ہوں تو گنجائش کے مطابق ان کے ضروری

اخراجات کا خیال رکھنا چاہیے۔

۲- موقع بموقع ان سے ملتے رہیں۔

۳- ان سے قطع تعلق نہ کریں، بلکہ اگر ان سے کچھ تکلیف بھی پہنچے تو صبر کرنا زیادہ باعثِ ثواب ہے۔

سسرالی رشتہ دار:

سسرالی رشتہ کو قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے نسب کے ساتھ ذکر فرمایا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ساس، سسر، برادرِ نسبتی، بہنوئی، داماد، بہو اور بیوی کی پہلی اولاد اسی طرح شوہر کی پہلی اولاد کا بھی کسی قدر حق ہوتا ہے، اس لیے ان رشتوں میں بھی حسن سلوک اور اخلاق کی رعایت دوسروں سے زیادہ رکھنا چاہیے۔

عام مسلمانوں کے حقوق:

۱- مسلمان کی خطا کو معاف کردے۔

۲- اس پر رحم کرے۔

۳- اس کے عیب کو چھپائے۔

۴- اس کے عذر کو قبول کرے۔

۵- اس کی تکلیف کو دور کرے۔

۶- ہمیشہ اس کی خیر خواہی کرتا رہے۔

۷- اس کے وعدے کا خیال رکھے۔

۸- بیمار ہو تو عیادت کرے۔

۹- مرجائے تو اس کے لیے دعا کرے۔

۱۰- اس کی دعوت قبول کرے۔

۱۱- اس کا تحفہ قبول کرے۔

۱۲- اس کے احسان کے بدلے احسان کرے۔

۱۳- اس کے احسان کا شکریہ ادا کرے۔

۱۴- ضرورت کے وقت اس کی مدد کرے۔

۱۵- اس کے بال بچوں کی حفاظت کرے۔

۱۶- اس کا کام کردیا کرے۔

۱۷- اس کی بات سنے۔

۱۸- سفارش کو قبول کرے۔

۱۹- اس کو ناامید نہ کرے۔

۲۰- وہ چھینک کر ''الحمدللہ'' کہے تو جواب میں ''یرحمک اللہ'' کہے۔

۲۱- اس کی گم شدہ چیز اگر مل جائے تو اس کے پاس پہنچادے۔

۲۲- اس کے سلام کا جواب دے۔

۲۳- اس سے نرمی وخوش خلقی کے ساتھ گفتگو کرے۔

۲۴- اس کے ساتھ احسان کرے۔

۲۵- اگر وہ اس پر بھروسہ کرکے قسم کھا بیٹھے تو اس کو پورا کردے۔

۲۶- اگر اس پر کوئی ظلم کرتا ہو، تو اس کی مدد کرے، اگر وہ کسی پر ظلم کرتا ہو تو اسے روک دے۔

۲۷- اس کے ساتھ محبت کرے، دشمنی نہ کرے۔

۲۸- اس کو رسوا نہ کرے۔

۲۹- جو بات اپنے لیے پسند کرے اس کے لیے بھی وہی پسند کرے۔

۳۰- ملاقات کے وقت اس کو سلام کرے اور مرد سے مرد اور عورت سے عورت مصافحہ بھی کرے تو اور بہتر ہے۔

۳۱- اگر اتفاقاً آپس میں کچھ رنجش ہو جائے تو تین روز سے زیادہ بات چیت نہ چھوڑے۔

۳۲- اس پر بدگمانی نہ کرے۔

۳۳- اس کے ساتھ حسد اور بغض نہ کرے۔

۳۴- اس کو اچھی بات بتائے اور بری بات سے منع کرے۔

۳۵- چھوٹوں پر رحم اور بڑوں کا ادب کرے۔

۳۶- دو مسلمانوں میں رنجش اور ناراضگی ہو جائے تو ان کی آپس میں صلح کرادے۔

۳۷- اس کی غیبت نہ کرے۔

۳۸- اس کو کسی طرح کا نقصان نہ پہنچائے، نہ مال میں، نہ آبرو میں۔

۳۹- اس کو اٹھا کر اس کی جگہ نہ بیٹھے۔

ہمسایہ کے حقوق:

۱- ہمسایہ کے ساتھ حسن سلوک اور خیر خواہی سے پیش آؤ۔

۲- اس کی بیوی بچوں اور عزت وآبرو کی حفاظت کرو۔

۳- کبھی کبھی اسکے گھر تحفہ وغیرہ بھیجتا رہے۔ بالخصوص جب وہ تنگ دست ہو تو ضرور تھوڑا بہت کھانا اسکے گھر بھیجے۔

۴- اس کو تکلیف نہ دے۔ ہلکی ہلکی باتوں میں اس سے نہ الجھے۔

جیسے شہر میں ہمسایہ ہوتا ہے اسی طرح سفر میں بھی ہوتا ہے یعنی سفر کا ساتھی جو گھر سے ساتھ ہوا ہو یا راستے میں اتفاقاً ساتھ ہو گیا ہو اس کا حق بھی ہمسایہ کی طرح ہے کہ اس کی راحت کو اپنی راحت پر مقدم رکھے۔ بعض لوگ سفر میں دوسروں سے سختی کے

ساتھ پیش آتے ہیں، یہ بہت بری بات ہے۔

محتاج اور معذور کے حقوق:

۱- ان کے ساتھ مالی تعاون کرنا۔

۲- ان کا کام کر دینا۔

۳- ان کی دلجوئی وتسلی کرنا۔

۴- ان کی حاجت اور سوال کو رد نہ کرنا۔

عام انسان کے حقوق:

۱- کسی کو ناحق جان ومال کی تکلیف نہ دے۔

۲- کسی کے ساتھ بدزبانی نہ کرے۔

۳- اگر کسی کو مصیبت، فاقہ اور مرض میں مبتلا دیکھے تو اس کی مدد کرے، کھانا پینا دے دے، علاج معالجہ کر دے۔

۴- جس صورت میں شریعت نے کسی کو سزا دینے کی اجازت دی ہے اس میں بھی ظلم وزیادتی نہ کرے۔

حیوانات کے حقوق:

۱- جس جانور سے کوئی فائدہ یا مطلب نہ ہو اس کو قید نہ کرے، بالخصوص پرندوں اور دیگر حیوانات کے بچوں کو گھونسلے سے نکالنا، ان کے ماں باپ کو پریشان کرنا بڑی بے رحمی ہے۔

۲- حلال جانوروں کو بھی محض دل بہلانے کے لیے قتل نہ کرے۔

۳- جو جانور اپنے کام میں ہیں ان کے کھانے پینے اور راحت وآرام کا پورے طور سے اہتمام کرے، ان کی طاقت سے زیادہ ان سے کام نہ لے، ان کو حد سے زیادہ نہ مارے۔

۴- جن جانوروں کو ذبح کرنا ہو یا موذی (تکلیف دہ) ہونے کی وجہ سے قتل کرنا ہو تو تیز اوزار سے جلدی کام تمام کر دے۔ اس کو تڑپائے نہیں، بھوکا پیاسا رکھ کر جان نہ لے۔

ایک اہم بات:

اگر کسی کے حقوق کی ادائیگی میں کچھ کوتاہی ہوگئی ہو تو جو حقوق اب ادا کیے جا سکتے ہوں ان کو ادا کرے یا معاف کروائے،

مثلاً: کسی کا قرض رہ گیا تھا یا کسی کی خیانت کی تھی وغیرہ؛ اور جو حقوق صرف معاف کرانے کے قابل ہوں ان کو معاف کرالے، مثلاً: غیبت وغیرہ کی تھی یا کسی کو مارا تھا اور اگر کسی وجہ سے حق داروں سے نہ معاف کرا سکتا ہے، نہ ادا کرسکتا ہے تو ان لوگوں کے لیے ہمیشہ بخشش کی دعا کرتا رہے، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت میں ان لوگوں کو راضی کر کے معاف کرادیں، مگر اس کے بعد بھی جب ادا کرنے کا یا معاف کرانے کا موقع ہو تو اس وقت اس میں غفلت نہ کرے اور جو حقوق خود اس کے دوسروں کے ذمہ رہ گئے ہوں جن سے وصولی کی امید ہو تو نرمی کے ساتھ ان سے وصول کرے اور جن سے امید نہ ہو یا وہ حقوق وصولی کے نہ ہوں جیسے غیبت وغیرہ تو اگرچہ قیامت میں ان کے عوض نیکیاں ملنے کی امید ہے مگر معاف کردینے میں اور زیادہ ثواب ہے، اس سے بالکل معاف کردینا زیادہ بہتر ہے، خاص طور پر جب کوئی شخص منت خوشامد کر کے معافی چاہے تو اسے معاف کر ہی دینا چاہیے۔

حقوقِ والدین(*)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ إِنَّ اللّٰهَ يَـامُرُكُمْ أَنْ تُـؤَدُّوا الْاَمَـانَـاتِ إِلٰى أَهْلِهَا ، وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ . ﴾

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتے ہیں کہ امانتیں امانت والوں کو ادا کرو اور جب تم لوگوں کے درمیان کوئی فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کرو۔''

اس آیت سے دو حکم معلوم ہوئے: ایک یہ کہ جن لوگوں کا ہم پر حق واجب ہے ان کا حق ادا کیا جائے، دوسرے یہ کہ ایک کے حق کے لیے دوسرے شخص کا حق ضائع کرنا جائز نہیں۔ ان میں سے والدین کے حقوق بھی ہیں، والدین کے بعض حقوق واجب ہیں اور بعض صرف مستحب۔ بیوی اور اولاد کے بھی حقوق ہیں، مذکورہ آیت شریفہ سے جو دو اصول معلوم ہوئے تھے، انہی اصول کی روشنی میں والدین اور بیوی اولاد کے حقوق کی تعیین اور اگر ان کے حقوق کی ادائیگی میں کبھی تعارض آجائے تو تطبیق وترتیب معلوم کی جاسکتی ہے۔ اہل حقوق کے حقوق کی ادائیگی میں ترتیب کی رعایت ضروری ہے ورنہ بسا اوقات والدین کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی ہوتی ہے، ان کے حقوق ضائع کردیے جاتے ہیں اور بسا اوقات والدین کے حقوق کی ادائیگی

---

* - والدین کے حقوق کا مختصر ذکر گزشتہ صفحات میں ہوچکا ہے، درج ذیل رسالہ بہشتی زیور میں آخری صفحات پر بطور ضمیمہ موجود ہے، اس کی اہمیت کے پیش نظر اس کو یہاں لگایا گیا۔

میں بیوی اور اولاد کی حق تلفی ہوتی ہے، حالانکہ دونوں باتوں سے قرآن پاک نے منع کیا ہے اور بسا اوقات کسی کا حق ضائع تو نہیں ہوتا لیکن ناواقفیت کی وجہ سے بعض لوگ غیر واجب حقوق کو بھی اپنے ذمہ واجب سمجھتے ہیں اور ان کی ادائیگی کو اپنا فرض سمجھتے ہیں اور پھر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انہیں ادا نہیں کر سکتے تو خواہ مخواہ وسوسے میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ شریعت کے احکام میں بلا وجہ تنگی ہوتی ہے، اس سے ان کے دین کو نقصان پہنچتا ہے، اس لیے حقوق واجبہ اور غیر واجبہ میں فرق ضروری ہے، تاکہ نہ کسی کی حق تلفی ہو اور نہ ہی خواہ مخواہ اپنے اوپر برداشت سے زیادہ بوجھ ڈالنے کی نوبت آئے۔

ذیل میں والدین کے حقوق کی تاکید اور ان کی ادائیگی کے احکام قرآن و حدیث اور فقہی عبارات کی روشنی میں بیان کیے جاتے ہیں:

☆ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: ''میرے نکاح میں ایک عورت تھی، میں اس سے خوش تھا اور اس سے محبت کرتا تھا۔ میرے والد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سے ناخوش تھے، انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ اس عورت کو طلاق دے دو۔ میں نے انکار کیا، اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ قصہ ذکر کیا۔ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس عورت کو طلاق دے دو۔''

مشکوٰۃ شریف کی مشہور شرح ''مرقاۃ'' میں لکھا ہے کہ طلاق کا یہ حکم بطورِ استحباب فرمایا تھا، اگر وہاں طلاق دینے کا کوئی اور سبب تھا تو پھر آپ ﷺ کا یہ حکم وجوبی تھا۔

امام غزالی رحمہ اللہ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں: اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ والد کا حق مقدم ہے لیکن شرط یہ ہے کہ والد اس عورت کو کسی غرض فاسد کی وجہ سے برا نہ سمجھتا ہو جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی غرض فاسد کی وجہ سے اسے برا نہ سمجھتے تھے۔

☆ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ماں باپ کی نافرمانی ہرگز نہ کرو اگرچہ وہ تجھے یہ حکم دیں کہ اہل وعیال اور مال سے الگ ہو جاؤ۔''

مرقاۃ میں لکھا ہے کہ آپ ﷺ کا یہ ارشاد مکمل اطاعت کی تاکید اور مبالغہ کے طور پر ہے، اس کا ظاہری معنی مراد نہیں والدین کے حکم کی بنا پر اپنی بیوی کو طلاق دینا ضروری نہیں، اگرچہ ماں باپ کو بیوی کے طلاق نہ دینے سے سخت تکلیف ہو، کیونکہ اس کی وجہ سے کبھی لڑکے کو سخت تکلیف کا سامنا ہوتا ہے اور ماں باپ کی شفقت سے یہ بعید ہے کہ وہ بیٹے کی تکلیف کو

جانتے ہوئے یہ حکم دیں کہ وہ بیوی یا مال کو الگ کر دے پس ایسی صورت میں ان کا کہنا ماننا ضروری نہیں۔ اس حکم کے تاکید کے لیے ہونے پر قرینہ یہ ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ نے اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا: خدا کے ساتھ شرک نہ کرو، اگر چہ تم قتل کر دیے جاؤ یا جلا دیے جاؤ اور یہ یقیناً تاکید کے طور پر ہے، ورنہ ایسی مجبوری کی حالت میں کلمۂ کفر کہنے کی اجازت اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ إِيْمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ ...... ﴾ سے ثابت ہے۔

☆ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اپنے ماں باپ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہوتا ہے تو اگر اس کے ماں باپ دونوں زندہ ہوں، اس کے لیے جنت کے دو دروازے کھل جاتے ہیں اور اگر کوئی ایک زندہ ہو تو ایک دروازہ کھل جاتا ہے اور اگر والدین کی نافرمانی کرتا ہے تو اس کے لیے دوزخ کے دو دروازے کھل جاتے ہیں اور اگر ایک کی نافرمانی کرتا ہے تو ایک دروازہ کھل جاتا ہے۔ اسی حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا: اگر چہ ماں باپ اس پر ظلم ہی کرتے ہوں؟ رسول اللہ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا: ''اگر چہ وہ دونوں ظلم ہی کرتے ہوں۔''

اس حدیث کی شرح میں مرقاۃ میں لکھا ہے کہ ماں باپ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے حقوق کی ادائیگی میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے اور ان کے حقوق ادا کرے اور اس میں یہ بھی ہے کہ والدین کی اطاعت صرف ان کی اطاعت نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر تاکید فرمائی ہے، اس لیے ان کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت سمجھ کر کرنی چاہیے۔ یعنی جو بات وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق کہیں اس کو ماننا چاہیے اور جو اس کے حکم کے خلاف کہیں اسے نہ ماننا چاہیے، کیونکہ ایک اور حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے مخلوق کی فرمانبرداری کرنا جائز نہیں اور مرقاۃ میں لکھا ہے کہ ماں باپ کے ظلم کرنے سے مراد دنیوی ظلم ہے، اخروی ظلم مراد نہیں۔ یعنی دنیوی امور میں اگر چہ وہ زیادتی کریں تب بھی ان کی فرمانبرداری لازم ہے اور اگر وہ دین کے خلاف کوئی بات کہیں تو اس میں ان کی فرمانبرداری نہیں کرنی چاہیے۔ حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمانا ''اگر چہ وہ دونوں ظلم کریں'' ایسا ہے جیسا کہ آپ نے زکوٰۃ وصول کرنے والے کے بارے میں فرمایا ہے: ''اپنے زکوٰۃ وصول کرنے والوں کو راضی کرو اگر چہ تم پر ظلم کیا جائے۔'' مشکوٰۃ کی ایک شرح لمعات میں لکھا ہے: اس سے مقصود تاکید ہے یعنی تمہارے خیال میں یا بالفرض اگر وہ ظلم کریں تب بھی تم ان کو راضی کرو، کیونکہ اگر وہ زکوٰۃ وصول کرنے والے واقعی ظلم کرتے تھے تو آپ ان کو راضی کرنے کا حکم کیسے فرما سکتے تھے؟

☆ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: ''سب سے بہتر روزی اپنی کمائی ہے اور

تمہاری اولاد بھی تمہاری کمائی میں داخل ہے۔“

امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب باپ ضرورت مند ہو تو بیٹے کے مال سے کھانے میں مضائقہ نہیں لیکن ضرورت کے مطابق خرچ کرے، فضول خرچی نہ کرے۔ اگر باپ مالدار ہونے کے باوجود بیٹے کا مال لیتا ہے تو وہ اس پر قرض ہے۔ یہی قول امام ابوحنیفہ کا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ باپ کے لیے بیٹے کے مال میں کوئی حق نہیں سوائے اس کے کہ اسے کھانے، پینے، کپڑے کی ضرورت ہو۔ امام محمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہم اسی پر عمل کرتے ہیں اور یہی ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔

☆ کنز العمال میں ہے: ”تمہاری اولاد اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے، اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں لڑکیاں دیتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں لڑکے دیتے ہیں۔ پس وہ اولاد اور ان کا مال تمہارے لیے ہے جب تمہیں ضرورت ہو۔“ آپ ﷺ کے اس ارشاد سے اس مسئلہ کی تائید ہوتی ہے جو مسئلہ ابھی امام محمد رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قول سے اخذ کیا تھا۔ نیز حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد ”تو اور تیرا مال اپنے باپ کے لیے ہے“ کی یہی تفسیر کی ہے کہ اس سے مراد نان نفقہ ہے۔

مسئلہ ۱: جو کام شرعاً واجب ہو اور ماں باپ اس سے منع کریں تو اس میں ان کی اطاعت جائز نہیں۔ مثلاً: کسی شخص کے پاس مالی وسعت اس قدر کم ہے کہ اگر ماں باپ کی خدمت کرے تو بیوی بچوں کو تکلیف ہونے کا خطرہ ہو تو اس شخص کے لیے جائز نہیں کہ بیوی بچوں کو تکلیف دے اور ماں باپ پر خرچ کرے۔ اسی طرح بیوی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے شوہر سے یہ مطالبہ کرے کہ وہ اس کے لیے علیحدہ رہائش کا بندوبست کرے، بیوی اگر یہ مطالبہ کرے تو شوہر پر واجب ہے کہ وہ اس کے لیے رہائش کا علیحدہ انتظام کرے، اس کی طرف سے مطالبہ کے باوجود الگ رہائش کا انتظام نہ کرنا شوہر کے لیے جائز نہیں، اگرچہ ماں باپ علیحدہ کرنے پر راضی نہ ہوں۔[1]

مسئلہ ۲: جو کام شریعت کی رو سے ناجائز ہوں اور ماں باپ اس کا حکم دیں مثلاً: وہ کسی ناجائز نوکری کا حکم دیں، جاہلانہ رسومات پر مجبور کریں تو اس میں ان کی اطاعت جائز نہیں۔ جو کام شرعاً واجب نہ ہو اور نہ ہی ناجائز کام ہو بلکہ جائز ہو، چاہے مستحب ہی ہو اور ماں باپ اس کے کرنے یا نہ کرنے کا حکم دیں تو اس میں تفصیل ہے: دیکھنا چاہیے کہ اس کام کی اس شخص

۱- یاد رہے کہ بیوی کو مشترکہ مکان میں سے اتنا حصہ الگ کر کے دے دیا جائے جس میں اس کا سامان وغیرہ محفوظ ہو تو اس کا حق ادا ہو جاتا ہے، مکمل الگ گھر لے کر دینا ضروری نہیں۔

کو ایسی ضرورت ہے کہ اس کے بغیر اس کو تکلیف ہوگی، مثلاً: غریب آدمی ہے اور اس کے لیے اپنے علاقے میں کمائی کی کوئی صورت نہیں، مگر ماں باپ باہر نہیں جانے دیتے تو ایسی صورت میں ماں باپ کی اطاعت ضروری نہیں اور اگر اس درجہ کی ضرورت نہیں تو پھر دیکھنا چاہیے کہ اس کام میں بیماری یا ہلاکت کا کوئی خطرہ ہے یا نہیں؟ نیز یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ اس شخص کے اس کام میں مشغول ہو جانے سے والدین کی خدمت کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے ان کو تکلیف پہنچنے کا قوی احتمال ہے یا نہیں؟ اگر اس کام میں خطرہ ہے یا اس کے غائب ہو جانے سے ان کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہے تو ان کی مخالفت جائز نہیں، بلکہ اطاعت واجب ہے اور اگر دونوں باتوں میں سے کوئی بات نہیں، یعنی نہ اس کام یا سفر میں اس کو کوئی خطرہ ہے اور نہ والدین کو تکلیف پہنچنے کا کوئی احتمال ہے تو بلا ضرورت بھی وہ کام یا سفر ان کی ممانعت کے باوجود جائز ہے اگرچہ مستحب یہی ہے کہ اس وقت بھی اطاعت کرے۔

اس اصول سے بعض فروعی مسائل کا بھی حکم معلوم ہو گیا، مثلاً: وہ کہیں کہ اپنی بیوی کو کسی معقول عذر کے بغیر طلاق دیدو تو اس میں ان کی اطاعت واجب نہیں۔ اسی طرح اگر وہ کہیں کہ اپنی ساری کمائی ہمیں دیدیا کرو تو اس میں بھی ان کی اطاعت واجب نہیں، اگر وہ اس بات پر مجبور کریں گے تو گنہگار ہوں گے۔

مسئلہ (۳): والدین اگر اولاد کے مال میں سے اجازت کے بغیر مقدارِ ضرورت سے زیادہ لیں گے تو وہ زائد از ضرورت ان کے ذمہ قرض ہوگا جس کا مطالبہ دنیا میں بھی ہو سکتا ہے، اگر یہاں نہ دیں گے تو قیامت میں دینا پڑے گا۔

کِتَابُ الوَصِیَّۃِ وَالمِیرَاث

(وصیت اور میراث کے احکام)

مسئلہ ۱: یہ کہنا کہ میرے مرنے کے بعد میرا اتنا مال فلاں آدمی کو یا فلاں کام کے لیے دیدیا جائے، یہ وصیت ہے، چاہے تندرستی کی حالت میں کہے یا بیماری کی حالت میں، اور چاہے اسی بیماری میں مر جائے یا تندرست ہو جائے۔

اور جو خود اپنی زندگی میں اپنے ہاتھ سے کہیں دیدے یا کسی کا قرض معاف کر دے تو اس کا حکم یہ ہے کہ تندرستی میں ہر طرح سے درست ہے، اسی طرح جس بیماری سے شفا ہو جائے اس میں بھی درست ہے اور جس بیماری میں مر جائے اس میں ایسا کرنا ''وصیت'' ہے جس کا حکم آگے آرہا ہے۔

مسئلہ ۲: اگر کسی کے ذمے نمازیں یا روزے یا زکوٰۃ یا قسم اور روزہ وغیرہ کا کفارہ باقی رہ گیا ہو اور اتنا مال بھی موجود ہو جس سے یہ واجبات ادا ہو سکیں تو موت کے وقت ان ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لیے فدیہ، کفارہ وغیرہ کی وصیت کرنا ضروری اور واجب ہے۔ اسی طرح اگر کسی کا کچھ قرض ہو یا کوئی امانت اس کے پاس رکھی ہوئی ہو تو اس کی وصیت کر دینا بھی واجب ہے، نہیں کرے گا تو گنہگار ہوگا اور اگر کسی کا کوئی رشتہ دار غریب ہو اور شریعت کی رُو سے وارث نہ بن سکتا ہو جبکہ اس شخص کے پاس بہت مال و دولت ہے تو ایسی صورت میں اس غریب رشتہ دار کے لیے کچھ وصیت کرنا مستحب ہے اور باقی لوگوں کے لیے وصیت کرنے نہ کرنے کا اختیار ہے۔

مسئلہ ۳: مرنے کے بعد میت کے مال میں چار چیزیں بالترتیب جاری ہوتی ہیں: کفن دفن کا خرچ، قرض کی ادائیگی، وصیت کا نفاذ اور میراث کی تقسیم۔

یعنی میت کا جتنا ترکہ ہو اس میں سے سب سے پہلے:

۱- اس کے کفن دفن کا بندوبست کر دیا جائے۔

۲- پھر جو کچھ بچے تو سب سے پہلے اس میں اس کا قرض ادا کرنا چاہیے، وصیت کی ہو یا نہ کی ہو، قرض ادا کرنا بہر حال

ضروری ہے۔ بیوی کا مہر بھی قرضہ میں داخل ہے۔

۳- اگر قرضہ نہ ہو یا قرضہ سے کچھ بچ جائے تو پھر دیکھنا چاہیے کوئی وصیت تو نہیں کی، اگر کی ہے تو وہ تہائی میں جاری ہوگی۔

۴- اگر وصیت نہیں کی یا وصیت کی اور وصیت پوری کرنے کے بعد مال بچ گیا تو وہ سب وارثوں کا حق ہے۔ شریعت میں کس کس کو کتنا حصہ ملتا ہے؟ یہ مسئلہ کسی عالم سے پوچھ کر اس کے مطابق سب کو اپنا اپنا حصہ دے دینا چاہیے۔ بسا اوقات یہ ہوتا ہے کہ جو جس کے ہاتھ لگا لے بھاگا، یہ بڑا گناہ ہے۔ یہاں نہ دیں گے تو قیامت میں دینا پڑے گا جہاں روپے کے عوض نیکیاں دینا پڑیں گی۔ اسی طرح لڑکیوں کا حصہ بھی ضرور دینا چاہیے، شریعت کی رُو سے وراثت میں ان کا حق بھی ثابت ولازم ہے۔

مسئلہ (۴): جو شخص وارث ہو، جیسے ماں، باپ، بیوی، شوہر، بیٹا، بیٹی وغیرہ اس کے لیے وصیت کرنا صحیح نہیں، البتہ جس رشتہ دار کا اس کے مال میں کوئی حصہ نہ ہو یا رشتہ دار ہی نہ ہو، کوئی غیر ہو تو اس کے لیے وصیت کرنا درست ہے، لیکن تہائی (۳۳ فیصد) مال سے زیادہ کی نہیں۔

اگر کسی نے اپنے وارث کے لیے وصیت کردی کہ میرے بعد اس کو فلاں چیز دے دی جائے یا اتنا مال دیدیا جائے تو اس کو وصیت سے کچھ لینے کا حق نہیں، البتہ اگر دوسرے سب وارث راضی ہو جائیں تو دیدینا جائز ہے، اسی طرح اگر کسی کے لیے تہائی سے زیادہ وصیت کر جائے، اس کا بھی یہی حکم ہے کہ اگر سب وارث بخوشی راضی ہو جائیں تو اس کو تہائی سے زیادہ ملے گا، ورنہ صرف تہائی مال ملے گا اور نابالغوں کی اجازت کا کسی صورت میں بھی اعتبار نہیں۔ اس کا خوب خیال رکھا جائے۔

مسئلہ (۵): اگرچہ تہائی مال میں وصیت کرنے کا اختیار ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ پوری تہائی کی وصیت نہ کرے، تہائی سے کم کی وصیت کرے، بلکہ اگر بہت زیادہ مالدار نہ ہو تو وصیت ہی نہ کرے، وارثوں کے لیے چھوڑ دے تاکہ وہ اچھی طرح سہولت کے ساتھ گزربسر کریں، کیونکہ اپنے وارثوں کو سہولت اور آسائش کی حالت میں چھوڑ جانے میں بھی ثواب ملتا ہے، البتہ اگر ضروری وصیت ہو جیسے نماز روزہ کا فدیہ تو اس کو بہرحال پورا کرے، ورنہ گنہگار ہوگا۔

مسئلہ (۶): کسی نے کہا میرے بعد میرے مال میں سے سو روپے خیرات کردیے جائیں تو دیکھا جائے کفن دفن اور قرض ادا کرنے کے بعد کتنا مال بچتا ہے؟ اگر تین سو یا اس سے زیادہ بچتا ہو تو پورے سو روپے دینا واجب ہے اور اگر تین سے کم ہو تو صرف تہائی دینا واجب ہے، البتہ اگر سب بالغ وارث بغیر کسی دباؤ کے خوشی سے پورے سو روپے دینے پر راضی ہو جائیں

تو سو روپے دینا بھی جائز ہے۔

مسئلہ ⑦: اگر کسی کا کوئی وارث نہ ہو تو اس کے لیے پورے مال کی وصیت کر دینا بھی درست ہے اور اگر صرف بیوی ہو تو تین چوتھائی (۷۵٪) کی وصیت کرنا درست ہے، اسی طرح اگر کسی عورت کا وراث صرف اس کا شوہر ہے تو اس کے لیے آدھے مال تک کی وصیت کرنا درست ہے۔[۱]

مسئلہ ⑧: نابالغ کی وصیت درست نہیں۔

مسئلہ ⑨: کوئی شخص یہ وصیت کرے کہ میرے جنازہ کی نماز فلاں شخص پڑھائے، فلاں شہر میں یا فلاں قبرستان میں، فلاں کی قبر کے پاس مجھے دفنایا جائے، فلاں کپڑے کا کفن دیا جائے، میری قبر پکی بنائی جائے، قبر پر قبہ بنا دیا جائے، قبر پر کوئی حافظ بٹھا دیا جائے تا کہ پڑھ پڑھ کر بخشا کرے تو اس طرح کی وصیت پر عمل لازم نہیں اور اس کو پورا کرنا ضروری نہیں، بلکہ آخری تین وصیتیں بالکل جائز ہی نہیں، انہیں پورا کرنے والا گنہگار ہوگا۔

مسئلہ ⑩: اگر کوئی وصیت کر کے اپنی وصیت سے رجوع کر لے یعنی کہہ دے کہ اب میں اس وصیت سے رجوع کرتا ہوں یا اب مجھے ایسا منظور نہیں تو وہ وصیت باطل ہوگئی۔ لہٰذا اس وصیت کا اعتبار نہ کیا جائے۔

مسئلہ ⑪: جس طرح ایک تہائی (۱/۳) سے زیادہ کی وصیت کرنا درست نہیں اسی طرح بیماری کی حالت میں سوائے اپنے ضروری خرچ یعنی کھانے، پینے دوا وعلاج وغیرہ کے اپنے مال کے ایک تہائی سے زیادہ خرچ کرنا بھی درست نہیں۔ اگر تہائی سے زیادہ کسی کو دیدیا تو وارثوں کی اجازت کے بغیر صحیح نہیں ہوسکتا، وارثوں کو اختیار ہے کہ جتنا تہائی سے زیادہ ہے وہ واپس لے لیں اور نابالغ اگر اجازت دیں تب بھی معتبر نہیں اور کسی وارث کو دینا چاہتا ہے تو تہائی کے اندر اندر بھی دوسرے سب وارثوں کی اجازت کے بغیر دینا درست نہیں[۲] اور یہ حکم اس وقت ہے کہ اپنی زندگی میں دیکر قبضہ بھی کرا دیا ہو اور اگر دے تو دیا لیکن قبضہ ابھی نہیں ہوا تو یہ تصرف بالکل ہی باطل ہے، مرنے کے بعد اس کو کچھ نہیں ملے گا، وہ سب مال وارثوں کا حق ہے اور یہی حکم ہے بیماری کی حالت میں اللہ تعالیٰ کے راستے میں دینے اور نیک کام میں لگانے کا، غرض یہ کہ تہائی (۳۳٪) سے زیادہ تصرف کرنا کسی طرح جائز نہیں۔

۱- بقیہ آدھا تو اس کے شوہر کی وراثت ہے اسی طرح پچھلی صورت میں 25 فیصد بیوی کا ترکہ ہے، الہٰذا بقیہ 75 فیصد میں وصیت کرنے کا اختیار ہے۔

۲- اس لیے کہ مرض الموت میں کسی کو کچھ دینا وصیت کے جیسے ہے جبکہ وارث کے لیے وصیت کرنا جائز نہیں، الہٰذا مرض الموت میں اسے کچھ دینا بھی وصیت کے حکم میں ہونے کی وجہ سے درست نہیں ہوگا اگر چہ تہائی سے کم ہی ہو۔ (حاشیۂ بہشتی زیور)

مسئلہ ۱۲: مرض الموت میں مبتلا بیمار کے پاس بیمار پرسی کے لیے کچھ لوگ آ گئے اور کچھ دن یہیں ٹھہر گئے اور اس کے مال میں سے کھانے پینے لگے تو اگر مریض کی خدمت کے لیے ان کے رہنے کی ضرورت ہو تو کوئی حرج نہیں، اگر ضرورت نہ ہو تو ان کی دعوت اور کھلانے پلانے میں بھی تہائی سے زیادہ لگانا جائز نہیں اور اگر ضرورت بھی نہ ہو اور وہ لوگ وارث ہوں تو تہائی سے کم بھی بالکل جائز نہیں، البتہ اگر سب وارث بخوشی اجازت دے دیں تو جائز ہے۔

مسئلہ ۱۳: ایسی بیماری کی حالت میں جس میں بیمار مر جائے، مریض کو اپنا قرض معاف کرنے کا بھی اختیار نہیں۔ اگر کسی وارث پر اس کا قرض تھا، اس نے اس کو معاف کیا تو معاف نہیں ہوا، اگر سب وارث یہ معافی منظور کر لیں اور بالغ بھی ہوں تب معاف ہوگا اور اگر کسی غیر کو معاف کیا تو تہائی مال سے جتنا زیادہ ہوگا وہ معاف نہیں ہوگا۔ عام طور پر دستور ہے کہ مرتے وقت بیوی اپنا مہر معاف کر دیتی ہے، یہ معاف کرنا معتبر نہیں۔

مسئلہ ۱۴: حالتِ حمل میں درد شروع ہو جانے کے بعد اگر عورت کسی کو کچھ دے یا مہر وغیرہ معاف کرے تو اس کا بھی وہی حکم ہے جو مرتے وقت دینے کا ہے یعنی اگر خدانخواستہ اس میں مر جائے تو یہ وصیت ہے جو وارث کے لیے جائز نہیں اور غیر وارث کے لیے تہائی سے زیادہ دینے اور معاف کرنے کا اختیار نہیں، البتہ اگر خیر و عافیت سے بچہ ہو گیا تو اب وہ دینا اور معاف کرنا صحیح ہو گیا۔

مسئلہ ۱۵: مردے کے مال میں سے لوگوں کی مہمان داری، خاطر مدارات، کھانا کھلانا، صدقہ، خیرات وغیرہ جائز نہیں، اسی طرح مرنے کے بعد سے دفن کرنے تک مردہ کے مال میں سے جو کچھ اناج وغیرہ فقیروں کو دیا جاتا ہے، یہ بھی حرام ہے، مردے کو اس سے ہرگز کوئی ثواب نہیں پہنچتا، بلکہ اسے ثواب سمجھنا سخت گناہ ہے، کیونکہ اب یہ سارا مال وارثوں کا ہو گیا لہٰذا وارثوں کا حق تلف کر کے دینا ایسا ہی ہے جیسے: کسی کا مال چرا کر دے دینا۔ سارا مال وارثوں کے درمیان شریعت کے مطابق تقسیم کر دینا چاہیے، پھر ان کو اختیار ہے اپنے اپنے حصہ میں سے شریعت کے مطابق جو چاہیں کریں بلکہ وارثوں سے اس طرح خرچ کرنے اور خیرات کرنے کی اجازت بھی نہیں لینا چاہیے، کیونکہ اجازت لینے کی صورت میں عام طور پر دل سے اجازت نہیں دیتے بلکہ صرف ظاہری طور پر اجازت دیتے ہیں، کیونکہ اجازت نہ دینے میں بدنامی ہوگی، ایسی اجازت کا کوئی اعتبار نہیں۔

مسئلہ ۱۶: اسی طرح یہ جو دستور ہے کہ مردے کے زیر استعمال کپڑے خیرات کر دیے جاتے ہیں، یہ بھی وارثوں کی

اجازت کے بغیر جائز نہیں اور اگر وارثوں میں کوئی نابالغ ہو تب تو اجازت دینے پر بھی جائز نہیں۔ پہلے مال تقسیم کرلو، پھر بالغ لوگ اپنے حصہ میں سے جو چاہیں دیں، بغیر تقسیم کیے نہیں دینا چاہیے۔

اضافہ

نکاح کے بعد رخصتی سے پہلے انتقال:

نکاح ہو گیا، لیکن رخصتی یا تنہائی میں میاں بیوی کے اکٹھے ہونے سے پہلے ہی شوہر کا انتقال ہو گیا تو بیوی وارث ہوگی، وراثت کے لیے صرف نکاح ہی کافی ہے۔[1]

بہن کا بھائیوں سے میراث نہ لینا:

بہن کا حصہ اگر بھائیوں کے ذمہ قرض ہو تو بہن کے معاف کرنے سے بھائی بری الذمہ ہو جاتے ہیں اور اگر قرضہ نہیں، جائیداد وغیرہ میں حصہ ہے تو صرف معاف کرنے سے بھائیوں کا ذمہ بری نہیں ہوگا، بھائی بہن کے حصے کے مالک اس وقت بنیں گے جبکہ بہن اپنا حصہ ان کو ہبہ کرے اور ہبہ کی شرائط بھی پوری ہوں، ورنہ ہبہ بھی صحیح نہیں ہوگا اور بہن کا حصہ بدستور اس کی ملکیت میں رہے گا۔ یہ اس وقت ہے جب بہنوں کا حصہ دبانے کا رواج نہ ہو، جہاں یہ رواج ہو کہ بہنوں کو میراث کا حصہ ہی نہ دیا جاتا ہو یا معاشرے کے دباؤ کی وجہ سے بہنیں خود حصہ لینے میں شرم و عار محسوس کرتی ہوں، جیسے آج کل اکثر علاقوں میں ہے تو ایسی صورت میں چونکہ بہنوں کی دِلی رضامندی معلوم نہیں ہوتی، اس لیے معاف کرنے اور ہبہ کرنے کے باوجود بھائیوں کے لیے بہن کا حصہ جائز نہیں ہوگا، جہاں دِلی رضامندی کا یقین بھی ہو جائے تو بھی اس سے بچنا چاہیے، کیونکہ اگرچہ اس خاص صورت میں رضامندی پائی گئی لیکن اس سے ایک غیر شرعی رسم کی تائید ہوگی اور بہنوں کے حقوق غصب کرنے کا رواج بڑھے گا۔[2]

پراویڈنٹ فنڈ میں وراثت:

پراویڈنٹ فنڈ دراصل تنخواہ ہی کا ایک حصہ ہوتا ہے، اس لیے اس میں بھی وراثت جاری ہوگی اور تمام ورثہ کو ان کا مقررہ حق ملے گا۔[3]

۱- أحسن الفتاویٰ: ۹/۲۷۵ ۲- أحسن الفتاویٰ: ۹/۲۷۹
۳- أحسن الفتاویٰ: ۹/۳۰۱

پنشن کی رقم کا حکم:

پنشن تنخواہ کا حصہ نہیں، حکومت کی طرف سے ایک تعاون ہے، لہٰذا اس میں وراثت جاری نہیں ہوگی۔

اس بارے میں قاعدہ یہ ہے کہ جو رقم کسی کی زندگی میں اس کے قبضے میں آ گئی یا اس کے نام جمع کردی گئی وہ اس کا مالک ہو گیا، اس کے مرنے کے بعد اس میں وراثت جاری ہوگی اور تمام مستحق ورثہ میں تقسیم ہوگی اور جو رقم زندگی میں میت کے قبضے میں نہیں آئی، نہ ہی اس کے نام جمع ہوئی تو وہ اس کا مالک نہیں بنا، لہٰذا اس میں وراثت جاری نہیں ہوگی، بلکہ وہ حکومت کی مرضی پر ہے جس کو دے دے صرف اسی کی ہوگی، ورثہ کا اس میں کوئی حق نہیں ہوگا۔[1]

زندگی میں وراثت کی تقسیم:

وراثت موت کے بعد جاری ہوتی ہے، زندگی میں وارثوں کا کوئی حق نہیں ہوتا، اس لیے زندگی میں اگر کوئی شخص اپنے وارثوں میں جائیداد اور مال ومتاع تقسیم کرنا چاہے تو یہ میراث نہیں کہلائے گا، بلکہ ہبہ ہوگا اور اس پر ہبہ کے احکام وشرائط جاری ہوں گے۔ زندگی میں وارثوں کو مال وجائیداد ہبہ کرنے میں درجِ ذیل احکام ملحوظ رہیں:

۱- لڑکوں اور لڑکیوں کو برابر حصہ دینا مستحب ہے، بلاوجہ کسی کو زیادہ کسی کو کم دینا مکروہِ تنزیہی ہے۔

۲- دین داری، خدمت، محتاجی وغیرہ معقول وجوہ کی بنا پر بعض کو زیادہ دینا مستحب ہے۔

۳- بعض کو محروم کرنے یا نقصان پہنچانے کی غرض سے ان کا حصہ کم کرنا مکروہِ تحریمی ہے۔

۴- بے دین اولاد کو معمولی گزارے سے زیادہ نہیں دینا چاہیے، زائد مال دوسرے ورثہ کو دے یا دینی کاموں میں صرف کرے۔[2]

بہنوں کو جہیز دینے سے ان کا حصہ ختم نہیں ہوتا:

بعض علاقوں اور برادریوں میں یہ رسم ہے کہ بہنوں کو میراث سے حصہ نہیں دیا جاتا۔ ان کی شادیوں پر جو خرچ ہوتا ہے، اور جو تھوڑا بہت جہیز دیا جاتا ہے، اسی کو ان کا حق مانا جاتا ہے، حالانکہ شریعت میں بہنوں کا حق میراث میں ثابت ولازم ہے، جہیز دینے سے ساقط نہیں ہوتا، جہیز کی آڑ میں ان کا حق دبا لینا صریح ظلم اور حرام ہے۔[3]

۱- أحسن الفتاویٰ: ۹/۳۰۲ ۲- أحسن الفتاویٰ: ۹/۳۱۰

۳- عزیز الفتاویٰ: ۷۷۷

جہیز اور مہر میں وراثت:

شادی کے وقت لڑکی کو جو جہیز دیا جاتا ہے اور اس کا جو مہر ہے وہ سب لڑکی کی ملکیت ہے۔ اس کی موت کے بعد لڑکی کے ورثہ میں تقسیم ہوگا۔[1]

نکاحِ ثانی سے بیوہ میراث سے محروم نہ ہوگی:

شوہر کے مرنے کے بعد اگر عورت دوسری جگہ نکاح کر لے تو بھی پہلے شوہر کے ورثہ میں شمار ہوگی اور اس کو اس کا شرعی حصہ ملے گا۔[2]

وارث کو عاق کرنا:

کسی وارث کو بلا وجہ میراث سے محروم کرنا گناہ ہے، حدیث شریف میں اس پر شدید وعید آئی ہے، البتہ اگر کوئی اولاد یا وارث بے دین ہو، گناہوں میں مبتلا ہو یا والدین کو تکلیف پہنچاتا ہو تو اس کو محروم کر دینے سے امید ہے کہ مواخذہ نہیں ہوگا۔

لیکن عاق اور محروم کر دینے کے دو طریقے ہیں:

ایک یہ کہ اپنی زندگی میں ہی تمام مال و جائیداد کو اس وارث کے علاوہ دیگر وارثوں یا دوسرے لوگوں میں تقسیم کر دے اور ان کو قبضہ بھی دے دے۔ اس طرح کرنے سے جائیداد ان لوگوں کی ملکیت ہو جائے گی اور اس شخص کی وفات کے بعد اس وارث کو کچھ نہیں ملے گا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اپنی حیات میں جائیداد اور مال کسی کو نہ دے، بلکہ صرف زبانی یا تحریری طور پر یہ طے کر دے کہ میرے مرنے کے بعد فلاں وارث کو میراث سے حصہ نہ دیا جائے۔ اس طرح عاق کرنے کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں، لہٰذا اس طرح کہنے یا وصیت کرنے کے باوجود وہ وارث میراث سے محروم نہیں ہوگا۔[3]

۱-إمداد المفتين : ۸٦۸

۲- أحسن الفتاوىٰ : ۹/ ۳۰۲

۳-إمداد المفتين : ۸٦۹

متفرق مسائل

مسئلہ ۱: ہر ہفتہ نہا دھو کر اور ناف سے نیچے اور بغل وغیرہ کے بال دور کر کے بدن کو صاف ستھرا کرنا مستحب ہے۔ ہر ہفتہ نہ ہو تو پندرہویں دن سہی، زیادہ سے زیادہ چالیس دن، اس سے زیادہ تاخیر کی اجازت نہیں۔ اگر چالیس دن گزر گئے اور یہ غیر ضروری بال صاف نہ کیے تو گناہ ہوگا۔

مسئلہ ۲: اپنے ماں، باپ اور عورت کا اپنے شوہر کو نام لے کر پکارنا مکروہ اور منع ہے، کیونکہ اس میں بے ادبی ہے لیکن ضرورت کے وقت جس طرح ماں باپ کا نام لینا درست ہے، اسی طرح شوہر کا نام لینا بھی درست ہے۔

مسئلہ ۳: کسی جاندار چیز کو آگ میں جلانا درست نہیں، جیسے: بھڑ، کھٹمل وغیرہ کو پکڑ کر آگ میں ڈال دینا، یہ سب ناجائز ہے، البتہ اگر مجبوری ہو کہ ان کو پھونکے بغیر کام نہ چلے تو بھڑوں کا پھونک دینا یا چارپائی میں کھولتا ہوا پانی ڈال دینا درست ہے۔

مسئلہ ۴: کسی بات پر دو طرفہ شرط لگانا جائز نہیں، جیسے کوئی کہے: ''سیر بھر مٹھائی کھا جاؤ تو میں تجھے اتنے روپے دوں گا اور اگر نہ کھا سکے تو میں تجھ سے اتنے روپے لوں گا'' غرض جب دونوں طرف سے شرط ہو تو جائز نہیں، البتہ اگر ایک ہی طرف سے ہو تو درست ہے۔

مسئلہ ۵: جب دو آدمی الگ باتیں کر رہے ہوں تو ان کے پاس نہیں جانا چاہیے۔ چھپ کر ان کی باتیں سننا بڑا گناہ ہے۔

مسئلہ ۶: حدیث شریف میں آیا ہے: ''جو کوئی دوسروں کی بات کی طرف کان لگائے اور ان کو ناگوار ہو تو قیامت کے دن اس کے کان میں گرم گرم سیسہ ڈالا جائے گا'' اس سے معلوم ہوا کہ شادی بیاہ میں دولہا دلہن کی باتیں سننا بہت بڑا گناہ ہے۔

مسئلہ ۷: میاں بیوی کی آپس میں تنہائی کے اندر جو باتیں ہوتی ہیں وہ کسی اور سے کہنا بڑا گناہ ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ ان بھیدوں کے بتلانے والے پر اللہ تعالیٰ کا غصہ اور غضب سب سے زیادہ ہوتا ہے۔

مسئلہ ۸: کسی کے ساتھ ایسا ہنسی مذاق کرنا جس سے اس کو تکلیف ہو، جائز نہیں۔

مسئلہ ۹: مصیبت کے وقت موت کی تمنا کرنا یا اپنے آپ کو کوسنا درست نہیں۔

مسئلہ (۱۰): شطرنج، تاش وغیرہ کھیلنا درست نہیں اور اگر شرط لگا کر کھیلے تو یہ جوا بھی ہے، ایسی صورت میں دگنا گناہ ہوگا۔

مسئلہ (۱۱): جب لڑکا لڑکی دس برس کے ہوجائیں تو لڑکوں کو ماں، بہن، بھائی وغیرہ کے پاس اور لڑکیوں کو بھائی اور باپ کے پاس لٹانا درست نہیں، البتہ لڑکا اگر باپ کے پاس اور لڑکی ماں کے پاس لیٹے تو جائز ہے۔

مسئلہ (۱۲): کسی کو چھینک آئے تو ''الحمد للہ'' کہنا چاہیے اور جب الحمد للہ کہہ دے تو سننے والے پر اس کے جواب میں '' یَرْحَمُکَ اللہ '' کہنا واجب ہے، نہیں کہے گا تو گنہگار رہوگا۔ اگر چھینکنے والی عورت یا لڑکی ہے تو کاف کو زیر کے ساتھ ''یَرْحَمُکِ اللہ '' کہا جائے اور اگر مرد یا لڑکا ہے تو کاف کو زبر کے ساتھ کہا جائے۔ پھر چھینکنے والا اس کے جواب میں '' یَغْفِرُ اللہُ لَنَا وَلَکُمْ '' کہے.....لیکن یہ جواب چھینکنے والے کے ذمہ واجب نہیں، بلکہ بہتر ہے۔

مسئلہ (۱۳): چھینک کے بعد ''الحمد للہ'' کہتے ہوئے کئی آدمیوں نے سنا تو سب پر یرحمک اللہ کہنا واجب نہیں، اگر ان میں سے ایک کہہ دے تو سب کی طرف سے ادا ہوجائے گا، لیکن اگر کسی نے بھی جواب نہیں دیا تو سب گنہگار رہوں گے۔

مسئلہ (۱۴): اگر کوئی بار بار چھینکے اور ''الحمد للہ'' کہے تو صرف تین بار ''یرحمک اللہ'' کہنا واجب ہے، اس کے بعد واجب نہیں۔

مسئلہ (۱۵): حضور ﷺ کا نام مبارک لینے، پڑھنے یا سننے پر درود شریف پڑھنا واجب ہوجاتا ہے، اگر نہیں پڑھا تو گنہگار رہوگا، لیکن اگر ایک ہی جگہ کئی دفعہ نام لیا تو ہر دفعہ درود پڑھنا واجب نہیں، ایک ہی دفعہ پڑھ لینا کافی ہے، البتہ اگر جگہ بدل جانے کے بعد پھر نام لیا یا سنا تو پھر درود شریف پڑھنا واجب ہوگا۔

مسئلہ (۱۶): بچوں کے بال کہیں سے کاٹنا اور کہیں سے چھوڑ دینا جائز نہیں یا تو سارا سر منڈوا دو یا سارے سر پر بال رکھواؤ۔

مسئلہ (۱۷): عورت کا اتنی تیز خوشبو لگانا جس کی مہک نامحرم مردوں تک پہنچ جائے، درست نہیں۔

مسئلہ (۱۸): ناجائز لباس کسی کو سی کر دینا بھی جائز نہیں، شوہر اگر ایسا لباس سلوانا چاہے جس کا پہننا اس کے لیے جائز نہیں تو بیوی عذر کر دے، اسی طرح درزی بھی کسی کے لیے ایسا کپڑا نہ سیے۔

مسئلہ (۱۹): جھوٹے قصے اور بے سند حدیثیں جو جاہلوں نے اردو کی کتابوں میں لکھی ہیں اور معتبر کتابوں میں ان کا کہیں ثبوت نہیں نیز حسن وعشق کی کتابیں دیکھنا اور پڑھنا جائز نہیں، اسی طرح عشقیہ شاعری اور ناجائز محبت کی کہانیاں پڑھنا

خاص کر آج کل کے ناول اور ڈائجسٹ عورتوں کو ہرگز نہیں دیکھنا چاہئیں۔ ان کا خریدنا بھی جائز نہیں۔

مسئلہ (۲۰): عورتوں کے لیے بھی آپس میں السلام علیکم کہنا اور مصافحہ کرنا سنت ہے، اس کو رواج دینا چاہیے۔

مسئلہ (۲۱): کسی اور کے گھر میں کھانا کھاتے ہوئے کسی غریب مسکین کو میزبان کی اجازت کے بغیر کھانے میں سے کچھ دینا جائز نہیں۔

مسئلہ (۲۲): جو دعوت شہرت حاصل کرنے یا اپنی حیثیت دکھانے کے لیے کی جائے تو اس کا قبول نہ کرنا بہتر ہے۔

مسئلہ (۲۳): اگر دعوت میں کوئی کام شریعت کے خلاف ہو تو اگر وہاں جانے سے قبل معلوم ہو جائے تو دعوت قبول نہ کرے، البتہ اگر قوی امید ہو کہ میرے جانے سے وہ خلافِ شرع کام بند ہو جائے گا تو جانا بہتر ہے اور اگر معلوم نہ تھا اور چلا گیا اور وہاں جا کر دیکھا تو اگر یہ شخص عالم اور رہنما ہے تب تو لوٹ آئے اور اگر عالم اور رہنما نہیں، عوام الناس میں سے ہے تو اگر جہاں کھانا لگا ہے وہاں پر وہ خلافِ شرع کام ہو رہے ہوں تو وہاں نہ رکے، واپس آجائے اور اگر کسی دوسری جگہ پر ہو رہے ہوں تو دعوت میں شریک ہو سکتا ہے۔ بہتر ہے کہ مکان والے کو سمجھائے اور اس برے کام سے منع کرے اور اگر اتنی ہمت نہ ہو تو صبر کرے اور دل سے اسے برا سمجھے اور اگر کوئی شخص دینی رہنما نہ ہو لیکن اثر و رسوخ اور وجاہت والا ہو اور لوگ اس کے عمل کا اتباع کرتے ہوں تو وہ بھی اس مسئلہ میں دینی رہنما کے حکم میں ہے۔

مسئلہ (۲۴): گواہی پر اجرت لینا حرام ہے البتہ گواہ اس وقت کے بقدر جو گواہی میں صرف ہوا ہے معاوضہ لے سکتا ہے جبکہ اس کے پاس کوئی ذریعہ معاش نہ ہو۔

مسئلہ (۲۵): بینک میں روپیہ جمع کر کے اس کا سود لینا تو قطعی حرام ہے، بعض لوگ بینک میں اپنا روپیہ صرف حفاظت کی غرض سے رکھتے ہیں، سود نہیں لیتے مگر یہ ظاہر ہے کہ بینک اس رقم کو محفوظ نہیں رکھے گا، بلکہ سودی کاروبار میں لگائے گا، اس طرح اس میں بھی گناہ کے کام میں تعاون پایا جاتا ہے۔

مسئلہ (۲۶): جو شخص قضائے حاجت میں مشغول ہو اس کو سلام کرنا حرام ہے اور اس کے لیے جواب دینا بھی جائز نہیں۔

مسئلہ (۲۷): اگر کوئی شخص چند لوگوں میں کسی کا نام لے کر اس کو سلام کرے، مثلاً یوں کہے: ''السلام علیک یا عمر'' تو جس کو سلام کیا ہے اس کے سوا کوئی اور جواب دے تو وہ جواب نہ سمجھا جائے گا اور جس کو سلام کیا ہے اس کے ذمہ جواب باقی ہے گا، اگر جواب نہیں دے گا تو گنہگار ہو گا، مگر اس طرح سلام کرنا خلاف سنت ہے۔ سنت طریقہ یہ ہے کہ حاضرین میں سے

کسی کو خاص نہ کرے اور سب کی نیت کر کے السلام علیکم کہے اور اگر کسی ایک ہی شخص کو سلام کرنا ہو جب بھی یہی لفظ استعمال کرے اور اسی طرح جواب میں بھی چاہے جواب جس کو دیا جاتا ہے ایک ہی شخص ہو یا زیادہ ہوں، وعلیکم السلام کہنا چاہیے۔

مسئلہ (۲۸): سوار کو چاہیے پیدل چلنے والے کو سلام کرے اور جو کھڑا ہو وہ بیٹھے ہوئے کو سلام کرے اور تھوڑے سے لوگ بہت سے لوگوں کو سلام کریں اور چھوٹا بڑے کو سلام کرے اور ان سب صورتوں میں اگر بالعکس کرے، مثلاً: بہت سے لوگ تھوڑوں کو یا بڑا چھوٹے کو سلام کرے تو یہ بھی جائز ہے، مگر بہتر وہی ہے جو پہلے بیان ہوا۔

مسئلہ (۲۹): غیر محرم مرد کے لیے کسی جوان یا درمیانی عمر کی عورت کو سلام کرنا ممنوع ہے، اسی طرح خطوں میں لکھ کر بھیجنا یا کسی کے ذریعہ سے کہلا کر بھیجنا اور اسی طرح نامحرم عورتوں کے لیے مردوں کو سلام کرنا بھی ممنوع ہے۔ اس لیے کہ ان صورتوں میں فتنہ کا سخت اندیشہ ہے اور فتنہ کا سبب بھی فتنہ ہوتا ہے، البتہ اگر کسی بوڑھی عورت کو یا بوڑھے مرد کو سلام کیا جائے تو مضایقہ نہیں مگر غیر محارم سے ایسے تعلقات رکھنا ایسی حالت میں بھی بہتر نہیں، البتہ جہاں کوئی ضرورت ہو اور فتنہ کا احتمال نہ ہو تو درست ہے۔

مسئلہ (۳۰): جب تک کوئی خاص ضرورت نہ ہو کافروں کو سلام نہ کرے اور اسی طرح فاسقوں کو بھی اور جب کوئی ضرورت ہو تو مضایقہ نہیں اور اگر اس کے سلام اور کلام کرنے سے ان کے ہدایت پر آنے کی امید ہو تو بھی سلام کرے۔

مسئلہ (۳۱): جو لوگ علمی مذاکرہ کر رہے ہوں یعنی مسائل پر بحث و تحقیق اور علمی گفتگو کر رہے ہوں، پڑھتے پڑھاتے ہوں یا ان میں سے ایک علمی گفتگو کر رہا ہو اور باقی سن رہے ہوں تو ان کو سلام نہ کرے، اگر کرے گا تو گنہگار ہوگا اور اسی طرح تکبیر اور اذان کے وقت بھی (مؤذن یا غیر مؤذن کو) سلام کرنا مکروہ ہے اور صحیح یہ ہے کہ ان تینوں صورتوں میں اگر کوئی سلام کرے تو جواب نہ دے۔